Dr. Dale's The Living Christ and the Four Gospels

زندہ مسیح اور اناجیلِ اربعہ

مصنّفہ

ڈاکٹر آر۔ ڈبلیو۔ ڈیل صاحب ایل۔ ایل ڈی

مُترجمہ

پادری طالب الدّین صاحب بی اے

پنجاب ریلجس بُک سوسائٹی

انارکلی۔ لاہور

۱۹۰۴ء

جلد ۱۰۰۰

P. R. B. S. Lahore

بار اوّل

زندگیِ مسیح اور اناجیلِ اربعہ

فہرستِ مضامین

صفحہ	مضمون

ناظرین باتمکین کو معلوم ہے کہ کتاب "زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ" ترقی میں شائع ہوتی رہی ہے۔ مگر اس کے آخری حصے جگہ کی قلت کے سبب سے مکمل صورت میں شائع نہیں ہوئے۔ مگر اب اُن حصوں کو جو شائع ہو چکے ہیں ریوائز (نظر ثانی) کر کے اُن حصوں کے ساتھ جو ترقی میں شائع نہیں ہوئے کتاب کی صورت میں ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں ۔

میں اس دیباچہ میں دو تین باتیں عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں اوّل یہ کہ کتاب "زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ" آر۔ ڈبلیو۔ ڈیل صاحب ایل ایل۔ ڈی کی مشہور کتاب "دی لونگ کرائسٹ اینڈ دی فور گاسپلز" (The Living Christ and the Four Gospels) سے تیار کی گئی ہے۔ میں اِسے ترجمہ نہیں کہہ سکتا۔ گو بعض مقامات کو چھوڑ کر باقی کتاب کے ہر پیرے گراف کا پورا پورا مطلب ادا کرنے

کی کوشش کی گئی ہے۔ اسے لکھتے وقت مجھے ہندوستانی تعلیم یافتہ یاد تھے۔ لہذا کسی کسی جگہ میں نے اُن کی حالت کو مدنظر رکھکر اپنے ذہن سے بھی کام لیا ہے۔ پرتاہم کتاب کی اصلیت اور حقیقت میں کچھ فرق نہیں آیا +

دوم۔ جو لوگ مسیحی مذہب کو نہیں مانتے وہ مسیح کے دعووں کی تاب نہیں لاسکتے اور نہ اُن باتوں کو دیکھکر خاموش رہ سکتے ہیں جو انجیلیں اُس سے منسوب کرتی ہیں۔ اہل اسلام اور اُنکے نبی نے موجودہ اناجیل کے دعووں کو دیکھکر مسئلہ تحریف کے سوائے اور کسی بات میں پناہ نہ پائی۔ مگر یوروپ کے غیر مسیحی علما نے اس بات کو خوب محسوس کیا کہ اگر ہم بھی یہ کہہ دیں کہ انجیلیں تحریف یا تبدیل ہوگئی ہیں تو کوئی اس تحقیق و تدقیق کے زمانے میں اس دعوے کا شنوا نہ ہوگا۔ انجیلیں تاریخ کی صورت رکھتی ہیں۔ اور جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ اُن کی تواریخی صحت قبول کرنے کے لائق نہیں۔ تب تک مسیحی مذہب کو کسی طرح کی جنبش نہیں پہنچ سکتی۔ پس اُنھوں نے اَور ہی اصول کے مطابق مسیحی مذہب پر حملہ کرنا شروع کیا۔ ڈیل صاحب نے بڑی خوبی سے ایسے لوگوں کا مقابلہ کیا ہے۔ مسیحی تجربے پر جو کچھ اُنھوں نے اپنے قلم جادو رقم سے تحریر فرمایا ہے اُس کا لطف اُس کے پڑھنے سے آتا ہے۔ اور اِسی طرح پُرانے بزرگوں کی گواہیاں اور وہ دلچسپ بحث جو اُن کے ضمن میں درج ہے۔ اُن کا طریق استدلال۔ دلیلوں کا محققانہ اعتدال۔ صحیح نتیجوں تک پہنچنے کا کمال۔ یہ سب خوبیاں

اُن کی انگریزی کتاب کے مطالعہ سے اچھی طرح معلوم ہوتی ہیں۔
مجھے اُمید ہے کہ اہل اسلام اس کتاب کے مطالعہ سے بہت
فائدہ اُٹھائینگے۔ کیونکہ اُن کو معلوم ہو جائیگا کہ نئے عہد نامے کی
انجیلیں نہ صرف انُہیں کے بے تحقیق حملوں کا مقابلہ کرسکتی
ہیں۔ بلکہ یوروپ جیسے محقق علماء کے زبردست حملوں کے سیلاب
کے سامنے بھی اٹل پہاڑوں کی طرح اپنی شوکت اور جلال کے ساتھ
قائم کھڑی ہیں اور کھڑی رہینگی ٭

میری ناقص رائے ہیں ہماری سمنریوں کے ہر طالب علم کو
اِس کتاب سے واقفیت پیدا کرنی چاہیئے۔ یوروپ کے کرِٹک
(نکتہ چیں) بیرونی شہادتوں کی طرف کم راغب ہیں۔ وہ زیادہ تر
انجیلوں کی باطنی شہادتوں کی طرف متوجّہ ہیں۔ ڈیل صاحب نے
اس کتاب کے وسیلے خوب ظاہر کردیا ہے کہ کوئی شخص قدیم
بزرگوں کی خارجی گواہی ایسی آسانی سے ردّ نہیں کرسکتا جیسی
آسانی سے مخالف اُسے ردّ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ
انجیلوں کی اندرونی گواہی بھی ایسی ہی زور آور ہے جیسی خارجی یا بیرونی
گواہی ہے۔ تاہم یہ مناسب ہے کہ ہم اُن اعتراضوں سے واقف
ہوں جو بیرونی گواہی پر کئے جاتے ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو کہ
اُن کا کیا جواب ہے ٭

مجھے اُمیدہے کہ پڑھنے والے عبارت کے قبح اور سُقم کو
نظر انداز کرکے خداوند مسیح کو دیکھنے کی کوشش کرینگے۔ کیونکہ اُسکو
دیکھنا خدا کو دیکھنا اور اُسے جاننا ہمیشہ کی زندگی سے مالا مال

ہوتا ہے ۔

خداوند اِس کتاب کے وسیلے بہتوں کو ابدی حیات کی برکت پہنچائے ۔

احقر۔ طالب الدّین

پاسٹر۔ ہندُستانی پرسبٹیرین چرچ۔ لاہور

زندہ مسیح و اناجیل اربعہ

دیباچہ

اِس علم اور ایجاد کے زمانے میں وہ لوگ جو مسیح کو نہیں جانتے تعجب کرتے ہیں کہ عیسائی باوجود سائنس کی روشنی کے اس بیسویں صدی میں بھی اُن باتوں کو مانتے چلے جاتے ہیں جو اُن لوگوں کے زعم میں بازیچۂ طفلاں سے بڑھ کر نہیں۔ آر۔ ڈبلیو۔ ڈیل صاحب ایل۔ایل۔ ڈی نے اپنی کتاب "زندہ مسیح اور اناجیل اربعہ" کے دیباچہ میں مختصر طور پر اُن حملات کی کیفیت رقم کی ہے جو موجودہ زمانے میں مذہب عیسوی پر کئے گئے ہیں۔ ان کے ملاحظہ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مسیحیت کے مخالف کس نظر سے اُس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ صاحب موصوف نے اُن کی مخالفت کا خاکہ کھینچنے کے بعد مدلّل اور عام فہم طور پر دکھایا ہے کہ مسیح کے پیرو کیوں اب بھی اُس کے لئے جان دینے کو تیار رہیں؟

ہم پہلے یہ دکھائینگے کہ مسیحی مذہب پر کس کس جانب سے حملہ کیا گیا ہے اور پھر اُن دلائل کو ہدیۂ ناظرین کرینگے جن کی وجہ سے مسیح کا مبارک نام اُس کے بندوں کے دِلوں پر نقش کالحجر ہے اور ہمیشہ رہیگا +

یہ نئی بات نہیں کہ جدید سائنس کے ہواخواہ اور موجودہ علوم کے دلدادہ

مسیحیوں کے ایمان کو دیکھ کر حیرت کا پُتلا بنے ہوئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان مسیحیوں کی عقل کو کیا ہو گیا جو جدید علوم اور تحقیقات کی روشنی پا کر بھی عقائد عیسوی کو مانتے چلے جاتے ہیں۔ مسیحی مذہب نے اپنی تاریخ کے دَور میں بار بار اِس قسم کی مخالفتوں کا تجربہ کیا ہے۔ بٹلر صاحب کے زمانہ میں بہت لوگ یہ سمجھتے تھے کہ دینِ عیسوی اوہامِ فاسدہ کا مجموعہ ثابت ہو گیا ہے اور اَب اَور کسی کام کا نہیں رہا سوائے اس کے کہ ٹھٹھوں میں اُڑایا جائے۔ اور حرفِ غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹایا جائے۔ اُن دنوں ایک عرصہ تک میدانِ مباحثہ میں جنگ ہوتی رہی۔ گروشس اور پاسکل اور رچرڈ بکسٹر جیسے بہادر میدان میں اُترے۔ بوائل صاحب نے مسیحی مذہب کی تائید میں وہ لیکچر شپ قائم کی جو اپنی نادر تصانیف کے سبب شہرۂ آفاق ہے۔ مدّت تک اس ہنگامۂ کارزار کا بازار گرم رہا۔ مخالف سمجھتے تھے کہ ہم نے میدان جیت لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ایسا انقلاب وارد ہوا کہ اُن ڈی اسٹوں کے نام تک بھی صفحۂ حافظہ پر سے اُڑ گئے جو اس بغاوت کے سرغنہ تھے۔ مگر مسیحی مذہب کا فتح نصیب پھریرا حسب معمول لہراتا رہا ٭

اب بھی کسی قدر وہی حالت نظر آتی ہے جو بٹلر صاحب کے زمانہ میں تھی۔ مخالف نئے اوزاروں اور ہتھیاروں سے مقابلہ کر رہے ہیں۔ مگر یہ کہنا غلط نہیں کہ اُن کو اپنے فن پر آج وہ اعتماد نہیں رہا جو دس یا پندرہ برس کا عرصہ گزرا۔ تھا۔ کیونکہ اُنہوں نے دیکھ لیا کہ باوجود تازہ اور سخت حملوں کے جنگی شدّت کو علوم سابقہ اور سائنس جدیدہ نے دوبالا کر دیا تھا مسیحی مذہب کی بُنیاد کو ذرا صدمہ نہیں پہنچا۔ مثلاً پچاس سال کا عرصہ گزرا کہ لوگ خیال کرتے تھے کہ جیالوجی (علم طبقات الارض) کی تحقیقات کے نتائج موسوی الہام کے حق میں

زہرِ قاتل کا کام کر جائینگے۔ اور کہ اگر موسےٰ کے الہامی دعوؤں کو زک پہنچی تو نئے عہد نامہ کی کتابیں بھی نہ بچینگی۔ حملہ آور سمجھتے تھے کہ اب فتح ہم کو نصیب ہو گی مسیحی مذہب کے معاون کبھی فکر و تشویش سے بھر جاتے تھے اور کبھی غم و غصہ سے۔ جیالوجی اور الہام میں مطابقت پیدا کرنے کے لئے حکیمانہ تشریحیں اور تاویلیں ایجاد کی گئیں جن میں سے بعض بعض بہت ہی رکیک تھیں۔ لیکن اسی وقت سے مسیحی عالموں نے قدیم قوموں کے سائنٹفک لٹریچر کی چھان بین شروع کر دی اور یہ نتیجہ نکالا کہ جب پُرانے عہد نامے کی اصل حقیقت سمجھ میں آجاتی ہے تو وہ اعتراض جو موجودہ سائنس کی بنا پر کئے جاتے ہیں اپنا زور کھو دیتے ہیں ؞

اسی طرح ڈارون صاحب کی تحقیقات سے بھی کچھ اسی قسم کی ہل چل پڑ گئی تھی۔ اُنہوں نے انواع اشیاء کی جڑ اور خصوصاً نوعِ انسان کی اصل پر اپنی تحقیقات کے نئے نتائج دُنیا کے سامنے رکھے۔ شروع شروع میں جبکہ ہنوز اُن کے خیالات کی وسعت اور اُن کے طرزِ بیان کی بے باکی کو لوگوں نے اچھی طرح نہیں سمجھا تھا مسیحیوں کے درمیان خوف کی نسبت غصہ اپنا رنگ زیادہ دکھانے لگا کیونکہ انسان کو بندر کی نسل بتانا گویا انسانیت کی عظمت کو گھٹانا تھا۔ لیکن اُن مباحثوں نے جو جیالوجی اور الہام کے متعلق ہو چکے تھے اہلِ الرائے مسیحیوں کی اس معاملہ میں خوب تربیت کر دی تھی اور اُن کے دلوں میں الہامِ ربانی کی حقیقت کا نیا تصور بھر دیا تھا اور اُن کتابوں کو بھی جن میں یہ الہام قلمبند تھا ایک نئے پیرایہ میں دکھایا تھا۔ سو جب یہ بات مشہور ہوئی کہ ڈارون کی تحقیقات کے نتائج کی یورپ اور امریکہ کے اہلِ سائنس تائید کرتے ہیں تو اُنہوں نے بھی اُن کو قبول کر لیا۔ مگر ایک ضروری اور لازمی قید کے ساتھ۔ یعنی اُنہوں نے

کہا کہ یہ بات ہم مانتے ہیں کہ انسان کے جسم کی اصل اور آغاز کا سُراغ لگانا علوم طبعیات کے حدود سے باہر نہیں۔ لیکن ان علوم کے وسیلے اُس کی اخلاقی اور رُوحانی اصل کا پتہ لگانا اُن کے حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ کیونکہ تھیوری آف ایوولیوشن کا اصل مطلب یہ ہے کہ ابتدا میں متعدّد اشیاء موجود تھیں جن میں سے وہ بیشمار اشیاء جو اب نظر سے گزرتی ہیں خود بخود بڑھتی اور پیدا ہوتی گئیں۔ یہ اصول ایسی ترقی پر دلالت کرتا ہے جو ایک لازمی اور بے تبدیل قانون کے مطابق خود بخود ہوتی رہتی ہے اور کسی طرح کی آزادی اور فعلِ مختاری کے دخل کی محتاج نہیں۔ پس آزادی یا فعل مختاری کو کوئی قانون ترقی یا طریقِ نمو پیدا نہیں کرسکتا۔ لہذا اخلاقی آزادی اور ایمان اور اُمید کا احاطہ اُن علوم کے حدود سے باہر ہے جن کا تعلق اس دنیا سے ہے جس پر مُقرری اور غیر متبدّل قوانین حکمران ہیں۔ مگر عام عیسائی ایسے امتیازوں سے واقف نہ تھے۔ لہذا مخالفوں نے ہر طرح اُن کو بہکانے کی کوشش کی۔ مخزنوں اور اخباروں کے وسیلے اُن کے ایمان کو ہلانا چاہا لیکن اُن کو کسی بات سے جنبش نہ ہوئی۔ بلکہ وہ اب تک مسیح پر گناہوں کی معافی کے لئے تکیہ کرتے ہیں۔ اُسکی مرضی کو اپنی زندگی کا دستور العمل سمجھتے ہیں۔ اپنے غموں میں اُسی سے تسلی اور اطمینان کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ آزمائشوں سے بچنے اور فرائض ادا کرنے کی طاقت اُسی سے مانگتے ہیں اور یہ اُمید رکھتے ہیں کہ وہی اُنہیں پُرجلال بقا عطا فرمائیگا۔

علاوہ ازیں کئی اور طرح کے حملے مسیحی مذہب پر کئے گئے۔ مثلاً انجیلوں کی معتبری پر حملہ کیا گیا۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ جن باتوں کا بیان اُن میں پایا جاتا ہے وہ لغو اور بے بنیاد ہیں۔ اس بات کا بیڑا اُٹھانے والے سٹراس صاحب تھے۔ اُن کے بعد باؤر صاحب اُٹھے اور اُنہوں نے بڑی

چالاکی اور جانفشانی کے ساتھ یہ بات ثابت کرنی چاہی کہ نئے عہد نامہ کی کتابیں
اُن مصنّفوں کی لکھی ہوئی نہیں جن سے وہ منسوب کی جاتی ہیں بلکہ مسیح اور رسولوں
کے زمانے کے بعد دوسری صدی میں لکھی گئیں اور اس غرض سے کہ کلیسیا میں
جو پھوٹ پڑ رہی تھی وہ دور ہو جائے۔ اور لڑنے والے فریق آپس میں صلح کر لیں۔
لہذا نامعلوم مصنّفوں نے اپنی تصانیف کو پولوس اور یوحنّا اور پطرس
اور لوقا سے منسوب کیا تاکہ لوگ اُن کی قدر کریں۔ دوسرے لفظوں میں یوں
کہیں کہ یہ سب کتابیں جعلسازی کا نتیجہ ہیں۔ بہت سے مسیحیوں نے اس شرح
کو صبر سے پڑھا اور سنا لیکن ناقابلِ یقین سمجھ کر ردّ کر دیا۔

اب ہمارا یہ مطلب نہیں کہ ان حملوں سے کچھ نقصان نہیں ہوا۔ ہم مانتے
ہیں کہ اس مخالفت سے مسیحی مذہب کو بڑا ضرر پہنچا لیکن ایک خاص صورت
میں۔ اور وہ یہ کہ جہاں ایمان پہلے موجود نہ تھا وہاں یہ مخالفت سدِّراہ بن گئی۔
مگر جہاں ایمان موجود تھا وہاں اِن حملوں نے کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ چنانچہ ہم
دیکھتے ہیں کہ جو لوگ مسیح کو اپنا نجات دہندہ جانتے ہیں اُن کے درمیان ایسے
عالم اور فاضل پائے جاتے ہیں جو عقلی طاقت اور دُور اندیشی اور دقیقہ سنجی
میں اپنے مخالفوں سے کم نہیں۔ جو عام لیاقت میں اُن کے ہم پلہ ہیں۔ اور
زمانۂ حال کی سوچ و فکر کے ہر پہلو سے اُن کی نسبت کچھ کم واقف نہیں۔ وہ
دیانت دار لوگ ہیں اور اُن کو کوئی شے سچائی کی پیروی سے روک نہیں سکتی۔
اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا بات ہے جس کے سبب سے اُن کے ایمان میں
جنبش نہیں آئی۔ ہم اس رسالہ میں اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کرینگے
پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہم یہ بات ثابت نہیں کرنے لگے کہ جو مسیحی مذہب
کو نہیں مانتے اُن پر فرض ہے کہ اُسے مانیں پر یہ کہ اس کا کیا سبب ہے

کہ جو اُسے مانتے ہیں وہ برابر مانتے چلے جاتے ہیں ؁

تجربہ

اس سؤال کا جواب کہ اس کا کیا سبب ہے کہ مسیحی مسیح کی پیروی کرتے چلے جاتے ہیں یہہ ہے کہ اُن کے شخصی یا ذاتی تجربے نے اُن کے ایمان کی تصدیق کی ہے۔ شروع میں اُنھوں نے خواہ کسی سبب سے اُس کی پیروی اختیار کی ہو مگر بعد میں یہ بات اُن پر خوب ثابت ہوگئی کہ مسیح پر ایمان لانا بے فائدہ نہیں۔ اُنھوں نے اُسے مُجیب الدعوات سمجھ کر عجیب عجیب برکتوں کی درخواست کی اور اپنی دُعاؤں کے جواب میں عجیب عجیب برکتیں اُس سے حاصل کیں۔ گو وہ برکتیں جو اُنھوں نے پائیں بعض حالتوں میں بالکل ویسی نہ تھیں جیسی کہ اُنھوں نے مانگی تھیں۔ اور اس کا یہ سبب ہے کہ انسان آسمان کی بادشاہت کی حقیقت جب تک کہ اُس میں داخل نہیں ہوتا اچھی طرح نہیں سمجھتا پر جب گہرا مسیحی تجربہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ ظاہر کر دیتا ہے کہ جو کچھ ہم کو دیا گیا وہ اُن چیزوں کا جو ہم نے مانگی تھیں نعم البدل ہے۔ اور یہ ادراک کہ جو برکتیں ہم نے پائی ہیں اُسی کی عطا کی ہوئی ہیں ہماری باطنی گواہی پر مبنی ہے۔ جس اندرونی یا خارجی گواہی کی بنا پر ہم اس بات کے قائل ہیں کہ آفتاب عالمتاب کی شعاعوں سے دُنیا روشن ہے اُسی طرح کی شہادت سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اُن برکات کا جو ہم نے دعاؤں کے جواب میں پائیں مخزن اور سرچشمہ مسیح ہی ہے ؁

یہ شخصی تجربہ مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ مثلاً بعض اشخاص اپنی تجربہ کاری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ہمیں اپنی زندگی کے وہ موقع یاد ہیں

جب مسیح نے اپنا کام جاری کیا اور اُس کے ہر فعل سے صداقت ظاہر ہوتا تھا کہ گویا اُسی کی مرضی اور اُسی کی فوق العادت قدرت کام کر رہی ہے جس طرح کہ اُس کی قدرت معجزات کو وجود میں لانے کے لئے کام کیا کرتی تھی۔ بعض لوگ اپنی بدمزاجی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ بعض حسد اور رشک اور حرص کے پنجہ میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو رہے تھے۔ اور ان بدیوں کی زنجیروں سے چھوٹنا چاہتے تھے۔ ہر طرح کی کوشش کرتے تھے اور شائد تھوڑی دیر کے لئے انہیں آرام بھی ملتا تھا مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر اپنے تئیں اُسی بے آرامی میں پاتے تھے۔ اس تنگ آمد بجنگ آمد کی حالت میں مسیح کے دروازے پر آ کر چلائے۔ اُن کی دعا سُنی گئی اور پل کے پل میں زنجیریں کٹ گئیں اور رہائی نصیب ہوئی۔ البتہ اس قسم کی آزادی مستثنیات سے ہے لیکن جنہوں نے حاصل کی وہ اُسے یاد رکھتے ہیں۔

لیکن گو مسیحی زندگی کے دیگر تجربے ایسے اُبھرے ہوئے نہیں ہوتے جیسا یہ تجربہ جس کا ذکر ابھی کیا گیا تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی خداوند مسیح ہی کے طفیل سے نصیب ہوتے ہیں۔ اجابت دُعا کا تجربہ ایک منٹ میں حاصل نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی اس تجربہ کاری کے حاصل کرنے میں بہت دیر لگتی ہے تاہم مانگنے والا مایوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ کبھی نہ کبھی اپنی دُعا کا جواب پاتا ہے۔ مثلاً اگر ہم اس بات کے لئے دُعا کرتے ہیں کہ آزمائشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں طاقت عطا کی جائے یا وہ سستی دور کی جائے جو اُن فرائض کے ادا کرنے میں دامنگیر ہوتی ہے جو ہماری طبیعت کو نامرغوب معلوم ہوتے ہیں۔ یا اگر ہم اس لئے مستدعی ہیں کہ دُکھ کو برداشت کرنے کے لئے ہمیں بُردباری اور ہمت بخشی جائے اور خود پر قابو پانے کی لیاقت اور طاقت مرحمت ہو یا اس لئے کہ ہم گردابِ تفکرات سے کنارِ سلامت

تک پہنچائے جائیں تو اِن دُعاؤں کا جواب ضرور ملیگا۔ گو فی الفور نہ ملے۔ بعض اوقات اتنی دیر لگتی ہے کہ اُمّید کافور ہوجاتی ہے۔ اور ہم محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اخلاقی طاقت کا سرمایہ زائل ہوتا جاتا ہے اور پھر کبھی اپنی اصلی حالت پر نہ آئیگا۔ کہ جوش کا اُمڈا ہوا دریا جو کسی وقت موجزنی کی حالت پر تھا اب اپنی طغیانی کھو بیٹھا۔ کچھ عرصہ تک یہ مایوسی کی حالت طاری رہتی ہے مگر پھر بارانِ رحمت نازل ہوتی اور نخلِ مُراد ہرا ہونے لگتا ہے*

یا شائد ہم نے اس بات کے لئے دُعا کی کہ ہم کسی خاص بدعادت پر غالب آئیں۔ لیکن ہماری زنجیریں ہمارے پاؤں میں بدستور پڑی رہیں۔ اور پطرس کی زنجیروں کی طرح طرفۃ العین میں نہ کٹیں۔ تاہم ہم نے محسوس کیا کہ وہ ایسی کڑی نہ رہیں جیسے پہلے تھیں۔ اور ایک تازہ قدرت ہم کو بخشی گئی تا کہ ہم اُس بُری عادت کا مقابلہ کریں۔ گو اس کی زنجیریں ابھی تک تکلیف دیتی رہیں اور آزادانہ طور پر چلنے پھرنے سے روکتی رہیں تاہم اس کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی دل میں جاگزین ہوتا رہا کہ اب ہم اُس کے غلام نہیں۔ گو عادی ہوجانے کے سبب سے طبیعت بار بار خود بخود بدخیالی اور بدکلامی اور بدکاری کی طرف مائل ہوتی رہی۔ مگر اس اثنا میں ہم نے ہوشیار اور محتاط ہونا اور نازیبا میلان کا فی الفور مقابلہ کرنا بھی سیکھ لیا۔ اسی طرح ہوتے ہوتے وہ ناسزا رغبت کمزور ہوگئی اور بعض حالتوں میں بالکل کافور*

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اپنے گناہ کی شناخت سے تنگ آکر مسیح سے رہائی کی التجا کی۔ وہ ہیبت ناک سزا کے خیال سے اس قدر پریشان حال نہ تھے اور نہ اخلاقی بدی کی بھیانک صورت دیکھ کر مغموم ہوئے تھے۔ گو اس میں شک نہیں کہ وہ سزا سے ڈرتے تھے اور اعلےٰ نیکی اور اپنی

بدکرداری کا مقابلہ کرکے دل میں نادم ہوتے تھے پر جس بات نے اُن کو سولی پر چڑھا رکھا تھا اور اُنکی جان کو شکنجہ میں کھینچ ڈالا تھا وہ یہ شناخت تھی کہ ہم خدا کے حضور مجرم ہیں۔ جب یہ جرم کی شناخت دل میں پیدا ہوتی ہے تو انسان اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔ البتّہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کی کاوش اور جلن کم ہوکر مُردہ سی ہوجاتی ہے پر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ زخم پھر ہرا نہ ہوگا۔ اس تجربہ کی اصل حقیقت بسا اوقات اُس وقت بخوبی ظاہر ہوتی ہے جبکہ آدمی سخت اور قبیح جُرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ مثلاً خونیوں کی حالت میں دیکھا گیا ہے کہ انہیں اُنکے خراب فعل کی یاد دیوانہ بنا دیتی ہے اُس کو چھپانے سے اُن کو آرام نہیں ملتا۔ اُس کی سزا سے بچ نکلنا اُن کی مصیبت کو سرِ مُو ہلکا نہیں کرتا۔ بلکہ بارہا وہ اپنی شرارت کو آپ فاش کر دیتے ہیں تاکہ اُس بے چینی سے رہائی پائیں جو اُن کو آرام نہیں لینے دیتی۔ اب فرض کرو کہ اگر کسی عجیب طور پر اُن لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ وہ کالا دھبہ جو اُن کے ضمیر پر لگا ہوا تھا دھویا گیا اور اُن کے جُرم کی زنجیر ٹوٹ گئی۔ اور وہ اب خدا اور انسان کے سامنے اور نیز اپنی نظر میں اپنے جُرم کے داغ سے صاف ہیں تو کیا وہ اپنے تئیں دوزخ کی تاریکی سے آزاد اور جنّت کے نور سے ملبّس نہ سمجھینگے؟ اب ہزاروں مسیحیوں نے مسیح پر بھروسہ رکھکر اسی قسم کا تجربہ حاصل کیا ہے۔ یعنی جب مسیح کے وسیلے اُنھوں نے گناہوں کی معافی پائی تو احساس جرم کی آہنی زنجیریں ٹکناچور ہوگئیں اور اُنھوں نے دیکھا کہ اب ہم خدا کے حضور مجرم نہیں رہے اور نہ ہماری ضمیر ہم کو متہم گردانتی ہے۔ یہی سچّی راستبازی کا مسیحی راز ہے جو پولوس کے قول کے مطابق "اُن کے لئے جو ایمان لاتے ہیں خدا کی قدرت ہے"۔ پولوس کا یہ قول لاکھوں مسیحیوں کی زندگی میں صادق ثابت ہوا ہے۔ یہ تاریکی کو نور میں

اور نا اُمیدی کو اُمید میں اور ناتوانائی کو توانائی میں تبدیل کرتا ہے۔

مزید برآں وہ یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ہم مسیح پر ایمان لا کر ابدی دنیا میں داخل اور خدا کے فرزندوں کے زمرے میں شامل ہو گئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اب ہم ہر دو عالم سے علاقہ رکھتے ہیں۔ جس طرح ہم اس دُنیا کی دیدنی اشیاء سے گھرے ہوئے ہیں اُسی طرح ابدی عالم کی نادیدنی اشیاء سے بھی گھرے ہوئے ہیں۔ واقعی وہ اُس اقتدار کے طفیل جو اُنہیں نئی پیدائش کے وسیلے نصیب ہوتا خدا کی بادشاہت میں دخل پاتے اور اُسے اپنی روح کا اصلی وطن سمجھتے ہیں۔ اور اس بے ثبات دُنیا کے فکروں اور گردشوں اور غموں سے رہائی پا کر اُس دُنیا کی سلامتی اور جلال میں داخل ہونے کو غنیمت جانتے ہیں۔ البتہ یہ سچ ہے کہ وہ ابدی دُنیا ہر وقت اُن کی آنکھوں کے سامنے روشن نہیں رہتی کیونکہ اس قسم کے جلالی نظّارے خاص خاص موقعوں پر نصیب ہوتے ہیں۔ پر گو اُن کی آنکھیں اُسے ہر وقت نہیں دیکھتی ہیں تاہم وہ اِس بات میں شک نہیں لاتے کہ ہم اُسی کے حدود کے اندر زندگی بسر کرتے ہیں اور اُس کی تاثیریں اُسی طرح ہماری زندگی پر آتی ہیں جس طرح مہر نیمروز کی روشنی اور حدت اُن بادلوں کو چیر کر نکل جاتی ہے جو چشمۂ آفتاب کو ہماری نظروں سے چھپاتے ہیں۔

ماسوائے اس کے مسیحی اپنے خداوند یسوع میں خدا سے ملاقی ہوتے اور اُس کا عرفان حاصل کرتے ہیں۔ خدا کے تصور اور خدا کے علم میں بڑا فرق ہے۔ کسی مکان جنّت نشان کے دلکش نظاروں کا حال سُن کر اُس کی نسبت ایک خیال قائم کرنا اَور بات ہے اور اُس کے رُوح افزا نظّاروں کو دیکھ کر دل کو تر و تازہ کرنا دوسری بات ہے۔ مسیحی کو خدا کا تصور آسودہ نہیں کرتا بلکہ خدا

اُس کے دل کو تعظیم اور حیرت اور تسلّی سے بھرتا ہے۔ کبھی کبھی اُس کا جلال
اِس وفور سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اُس کی تاب نہیں لاسکتا۔ مگر اکثر وہ ایک
اور صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ یعنی جیسا پولوس فرماتا ہے اُس کی لامحدود
محبت اُس کے بندوں کے دلوں میں جاری ہوتی۔ اور یہ تجربہ بے وساطت
دیگر وسائل کے نصیب ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی اُن سے پوچھے کہ کس طرح یہ
دریائے محبت تمہارے دلوں میں جاری ہوا۔ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ جس طرح ہم
یہ نہیں بتا سکتے کہ یہ مادی دُنیا کس طرح اپنے تئیں ہماری حسّات پر ظاہر
کرتی ہے اُسی طرح ہم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ یہ عجیب تجربہ ہمیں کس طرح نصیب
ہوا۔ وہ جانتے ہیں کہ ہماری کسی ذاتی کوشش یا ہماری کسی حرکت کے بغیر
وہ ازلی روح خود بخود ہماری رُوح کے پاس آتی ہے اور خدا کی محبت اُس پر آشکارا
کرتی ہے۔ گویا دریائے محبت کی ندّیاں جو خدائے تعالےٰ کی حیات بابرکات
کے ناپیدا کنار چشموں سے نکلتی ہیں خود بخود اُن کے اِرد گرد اور اُن کے اندر
بہتی ہیں۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ مبارک تجربہ صرف اُن معدودے چند کے
حصہ میں نہیں آیا جو رُوحانی حقائق کے سمجھنے کا طبعی مذاق رکھتے ہیں۔ یہ درست
ہے کہ بہت مسیحی اس خوشگوار تجربہ کی چوٹی تک نہیں پہنچتے۔ مگر جو پہنچ جاتے ہیں اُن میں
ہر لیاقت اور پایہ کے لوگ شامل ہوتے ہیں یعنی اُن میں صرف وہی لوگ شامل
ہوتے ہیں جو زیورِ علم سے آراستہ اور سرمایۂ خرد سے پیراستہ ہوتے ہیں بلکہ وہ بھی جو بالکل
جاہل ہوتے۔ جنکے خیالات تنگ اور عقلی طاقتیں اوسط درجہ سے بھی گری ہوئی ہوتی
ہیں۔ نہ فقط وہی لوگ اس تجربہ کا حظّ اُٹھاتے ہیں جن کی قوّت واہمہ قدرتی
منظروں کا تماشہ دیکھکر یا شاعروں کا کلام سُن کر عقاب کی طرح اُڑنے لگ جاتی
ہے بلکہ وہ بھی اُس کا مزہ چکھتے ہیں جو قوّت واہمہ کی بلند پروازیوں سے ناآشنا

ہوتے ہیں۔ ہاں جس طرح وہ لوگ جن کی ہر بات سیمابی حرکت سے۔ جن کا ہر کام آتشی جوش سے اور جن کا ہر فعل مردانہ ہمت سے پُر ہوتا ہے اس نعمت عظمےٰ سے آسودہ ہوتے ہیں اُسی طرح وہ بھی جو چیونٹی کی چال چلتے ہیں اور جہاں یہ تجربہ ایک حقیقت نفس الامری کی صورت اختیار کرتا ہے وہاں روحانی اور اخلاقی زندگی کے حق میں ایک پُرزور تحریک ثابت ہوتا ہے۔ جیسا پطرس غلاموں کو لکھتے ہوئے فرماتا ہے "اگر کوئی خدا کے خیال سے بے انصافی کے باعث دکھ اُٹھا کر تکلیفوں کی برداشت کرے تو یہ پسندیدہ ہے۔" "خدا کے خیال سے" ان الفاظ کا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی حضوری کا ادراک رکھ کر بے انصافی کے باعث دکھ اُٹھا کر وغیرہ۔ یعنی جب اُس کی حضوری کے احساس وادراک کا تجربہ حاصل ہوجاتا ہے تو پھر سچائی کی خاطر بے انصافی سے دکھ اُٹھانا یا تکلیفیں سہنا آسان ہوجاتا ہے۔

ہم نے کہا کہ مسیحی نہ صرف مسیح کے وسیلے بلکہ مسیح میں خدا کو دیکھتے اور پہچانتے ہیں۔ ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ وہ اس دُنیا میں اس لئے آیا کہ باپ کو ظاہر کرے اور کہ جو کچھ اُس نے اپنی خدمت کے ایام میں اپنی ذات بابرکات کے وسیلے ہم کو مرحمت فرمایا وہ ایک ازلی صداقت کا اظہار ہے لیکن اُس نے یہ بھی فرمایا کہ "میں انگور کا اصل درخت ہوں اور تم ڈالیاں ہو۔ ...... تم مجھ میں قائم رہو اور میں تم میں۔ جس طرح ڈالی اگر انگور کے درخت میں قائم نہ رہے تو اپنے آپ سے پھل نہیں لاسکتی اسی طرح تم بھی اگر مجھ میں قائم نہ رہو تو پھل نہیں لاسکتے ..... جو مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں اُس میں وُہی بہت پھل لاتا ہے کیونکہ مجھ سے جُدا ہوکر تم کچھ نہیں کرسکتے ہو۔" یہی صداقت پولوس رسول کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے "میں

زندہ ہوں تاہم میں نہیں بلکہ اب مسیح مجھ میں زندہ ہے"۔ اور یہی تجربہ مسیحی لوگوں کا برابر چلا آتا ہے۔ اب یہ رشتہ جو مسیحیوں اور مسیح کے درمیان پایا جاتا ہے جس کا علم ہر سچا مسیحی رکھتا ہے ایک بھید والا رشتہ ہے۔ مگر بڑا گہرا اور یقینی رشتہ ہے۔ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ کہ اگرچہ مسیحی اُس کی اُس عجیب محبت پر جو اُسے آسمان سے زمین پر اُتار لائی۔ اُس کی نرمی اور ملائمت پر۔ اُس کی بے نظیر نیکی پر۔ اُس کی عدیم المثل پاکیزگی پر۔ اُس کے لاثانی رحم پر۔ اُس کے پُرمحبت کلام پر۔ اُس کے عجیب صبر اور برداشت پر اور اُس کے الٰہی غصہ پر جو ریاکاری کے برخلاف ظاہر ہوا غور کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ اُس کی تعلیم پر جو اُس نے خدا کے فضل اور محبت کی نسبت۔ گناہوں کی معافی کی نسبت۔ ابدی زندگی کی بخشش کی نسبت۔ قیامت کے انصاف کی نسبت۔ راستبازوں کی ابدی خوشی اور ناراستوں کی دائمی ہلاکت کی نسبت دی دھیان لگاتے ہیں۔ اگرچہ وہ اُس بے نقص کاملیت کے دل وجان سے شیدا ہیں جس کے لئے اُس نے اُنہیں بُلایا اور جو خود اُس کے چلن اور کیریکٹر میں نور کی طرح چمکتی ہے۔ تاہم وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ وہ محض اپنی زمینی زندگی کے رقت انگیز بیانات کے وسیلے۔ یا اپنی اخلاقی اور رُوحانی تعلیم کے وسیلے اُنہیں نئی الٰہی زندگی نہیں دیتا بلکہ اپنی ہی زندگی میں سے دیتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہم اُسی کی زندگی میں شریک ہیں۔ وہ ہم میں زندہ ہے اور ہم اُس میں اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے اسی مشترک زندگی کی قدرت کے وسیلے خدا کو پہچانا۔

پھر نہ صرف یہی عرفانِ الٰہی اس یگانگت سے پیدا ہوتا بلکہ مسیح کے پیرو یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ ادائے فرائض کے لئے جو طاقت اُن کو بخشی

جاتی ہے وہ اس طرح نہیں آتی کہ گویا برکت دینے والا اُن سے جُدا کھڑا ہے اور دُور سے برکت اُن پر برسا رہا ہے۔ بلکہ وہ دیکھتے ہیں کہ ہم مسیح ہی کے زور میں زور آور ہیں۔ بیشک وہ کئی دفعہ ادنے درجہ کی طاقتوں کے پنجہ میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اور اس گرفتاری کے سبب سے ناکامی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ مگر اُن کی ناکامی بھی مطلب رکھتی ہے۔ وہ اُن کے پہلے تجربوں کی تصدیق کرتی اور اُن پر خوب ظاہر کرتی کہ مسیح سے جُدا تم کچھ نہیں کر سکتے۔ اور جب وہ اُس یگانگت کو جو مسیح کے ساتھ رکھتے ہیں پھر اچھی طرح محسوس کرنے لگتے ہیں تو وہ اصلی طاقت پھر لوٹ آتی ہے ؁

واضح ہو کہ جو لوگ اس قسم کا تجربہ رکھتے ہیں اگر اُن کے سامنے انجیلوں کی تواریخی صحت کی نکتہ چینی کی جائے تو وہ اُسے چُپ چاپ سُنینگے۔ ممکن ہے کہ ایسی مشکلات پیش کی جائیں جن کی مرافعت اُن کے حیطۂ امکان سے باہر ہو۔ پرتاہم اس سے اُن کے ایمان میں سرِمُو فرق نہ آئیگا۔ اور کیوں آئے؟ ہم اس بات کو مثال سے واضح کرینگے کہ فی الحقیقت ایسی مشکلات سے ایمان کو کچھ صدمہ نہیں پہنچتا۔ آپ نے برطمیس کا حال سُنا ہے۔ وہ ایک اندھا تھا جو یریحو شہر کے پاس سڑک کے کنارے بھیک مانگ رہا تھا۔ جب مسیح اُدھر سے گزرا تو اُس نے چلا کر کہا کہ اے مسیح مجھ پر رحم کر۔ مسیح نے اُسے نورِ بصارت عطا فرمایا۔ اب فرض کیجئے کہ برطمیس نے یہ خبر کسی آتے جاتے راہی سے پائی تھی کہ چند یوم کا عرصہ گزرا مسیح نامی ایک شخص نے یروشلیم میں ایک جنم کے اندھے کی آنکھیں روشن کیں۔ فرض کیجئے کہ اس قصے کو سُنکر پہلے پہل اُسکے دل میں یہ ایمان پیدا ہوا کہ وہ میری آنکھیں بھی کھول سکتا ہے۔ پر فرض کیجئے کہ جب برطمیس بینا ہو گیا تو اُس وقت اُس کا ایک دوست اُس کے پاس آتا

ہے اور کہتا ہے اے برطمیس تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ مسیح اندھوں کو بینا کر سکتا ہے؟ جس راہی نے تجھ کو خبر دی کہ یروشلیم میں مسیح نے ایک اندھے کی آنکھیں کھولیں۔ کیا اُس راہی نے اُس اندھے کو دیکھا تھا؟ کیا یہ تجھ کو پختہ معلوم ہے کہ وہ درحقیقت اندھا تھا؟ کیا اُس راہی نے اُس اندھے کی آنکھوں کا بینا ہونے کے بعد ملاحظہ کیا تھا؟ کیا وہ راہی اُس وقت موجود تھا جب مسیح نے مٹی سانی اور اُس کی آنکھوں پر لگائی؟ اور کیا اُس نے اچھی طرح دیکھا کہ کوئی اپریشن نہیں کیا گیا؟ اور کیا تم نے دریافت کیا کہ وہ شیلوخ کے حوض پر کیوں بھیجا گیا؟ شیلوخ کے حوض کا اس معجزہ سے کیا تعلق تھا؟ اور کیا وہ راہی خود اُس اندھے کے ساتھ حوض پر گیا تھا؟ اور کیا تُو نے یہ بھی تحقیق کیا کہ جو شخص حوض سے لوٹ کر آیا وہ وہی اندھا تھا جو گیا تھا؟ کیا ممکن نہیں کہ گیا کوئی اور شخص ہو اور واپس کوئی اور شخص آیا ہو؟ اور کیا یہ بھی ممکن نہیں کہ اس اندھے نے اور مسیح نے پہلے ہی سے آپس میں سازش کر لی تھی؟ اے برطمیس معلوم ہوتا ہے کہ تُو نے ان باتوں پر غور نہیں کیا۔ پس اغلب ہے کہ جو کچھ تُو نے راہی کی زبانی سُنا وہ سچ نہ تھا اور کہ یروشلیم میں اس قسم کا کوئی معجزہ نہیں ہوا۔

اب ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ برطمیس اس کے جواب میں کیا کہیگا۔ وہ کہیگا کہ جب میں نے اُس معجزہ کا حال سُنا تو میں نے اُسے ایک سچا واقعہ سمجھا۔ پر جب سے میں نے اُس کی قدرت کا جلوہ خود اپنی زندگی میں تجربہ کیا ہے تب سے میں اور بھی اُس کی سچائی کا قائل ہو گیا ہوں۔ پر ممکن ہے کہ جیسا تم کہتے ہو وہ معجزہ جس کا ذکر میں نے راہی سے سُنا کبھی واقع نہ ہوا ہو۔ ہاں میں تمہارے کئی سوالات کا کچھ جواب نہیں دے سکتا۔ میں نہیں جانتا

کہ کس غرض سے وہ اندھا شیلوخ کے حوض کو بھیجا گیا۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ جو کچھ میں نے سُنا وہ اس معجزے کا کافی ثبوت نہیں۔ پر چونکہ اُس نے میری آنکھیں کھول دیں اس لئے مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ معجزہ بھی ضرور واقع ہوا ہوگا۔ پر اگر بفرض محال مَیں یہ بھی مان لوں کہ وہ معجزہ ہرگز واقع نہیں ہوا۔ تو پھر کیا؟ کیا اس سے میرے ایمان میں خلل آسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ مَیں خود اندھا تھا اور میری آنکھیں اُسی نے روشن کی ہیں ؂

اب بعینہٖ یہی حال اُن لوگوں کا ہے جن کو زندہ مسیح کی قدرت اور محبّت اور حکمت کا وہ تجربہ نصیب ہُوا جس کی کیفیت ہم اوپر رقم کر چکے ہیں۔ اُس کی زمینی خدمت کی تاریخ کی معتبری پر حملہ کرنے سے اُن کے ایمان میں خلل نہیں آتا اور نہ پاک نوشتوں کی اصل پر جرح کرنے سے اُن کے بھروسہ میں کسی طرح کی جنبش آتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جو اعتقاد وہ ان نوشتوں کی معتبری کی نسبت رکھتے ہیں وہ اُس وقت تک کہ عالموں کے مباحثے اس مضمون پر طے ہوں کمزور ہو جائے۔ مگر اُس ایمان میں جو مسیح پر رکھتے ہیں رتّی بھر فرق نہ آئیگا۔ ان کتابوں کی نسبت بے یقینی ہو تو ہو۔ مگر مسیح کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کیا علم دار مسیحی اور کیا عام مسیحی سب کے سب اُس کی قدرت اور فضل اور جلال پر ایمان رکھتے ہوئے اُن مباحثوں کے نزدیک آتنے ہیں۔ وہ اپنے تجربہ سے جانتے ہیں کہ وہی حقیقی نجات دہندہ ہے۔ کیونکہ اُنہوں نے اسی سے گناہوں کی معافی اور خدا کی بادشاہت کی پہچان اور راستبازی حاصل کی اور اُسی میں سچّے خدا کو دیکھا اور پایا ؂

اس پر یہ سوال عائد ہو سکتا ہے کہ کیا یہ عجیب و غریب تجربے جو سلک تحریر میں منسلک ہو چکے ہیں بھروسہ کے لائق ہیں؟ کیا اُن سے بال کی کھال

اُتارنے والے نکتہ چین منطقی دلی تسلّی حاصل کر سکتے ہیں؟ اور کیا اُنہیں کی بنا پر یسوؔع مسیح کو نجات دہندہ قبول کیا جا سکتا ہے؟

ان سوٗالوں کے جواب میں یہ کہنا نادرست نہیں کہ جب یہ تجربے زوروں پر ہوتے اور انسان اُن کی موجودگی کو محسوس کرتا ہے تو یقینی شہادت کا حکم رکھتے ہیں۔ اور جس طرح روشنی اور تاریکی کا احساس نور اور ظلمت کی ہستی یا وجود کی قاطع دلیل ہوتا ہے اسی طرح یہ تجربے بھی فیصلہ کُن ہوتے ہیں۔ لیکن کئی مسیحیوں کی زندگی میں بارہا ایسے وقت آتے ہیں جبکہ یہ پہچان کہ وہ اور مسیح ایمان کے وسیلے ایک ہیں کم بلکہ کالعدم ہو جاتی ہے۔ بیشک بارہا ایسے وقت آتے ہیں کہ جب وہ دُعا مانگتے ہیں تو ایسا محسوس کرتے ہیں کہ گویا ہوا سے باتیں کرتے ہیں نہ کہ اُس زندہ خدا سے جو اُن کے بارے میں اُن کی نسبت کہیں زیادہ جانتا ہے۔ اور جس کی محبت اُن کے ایمان اور اُمید سے ہزارہا درجے بڑی ہے۔ ہاں بارہا ایسے وقت آتے جبکہ اُن کی اعلےٰ طاقتیں جو پہلے اُن کی زندگی میں کام کرتی تھیں اُن ادنےٰ طاقتوں سے مغلوب ہو جاتی ہیں جو جابجا اُن کی زندگی میں اپنا سکہ جمانے لگ جاتی ہیں اور اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جابجا ابتری اور بربادی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اب کئی لوگ تو ایسی تاریک حالت میں قائم رہتے ہیں کیونکہ گزشتہ تجربوں کی یاد ہنوز اُنکے حافظہ میں موجود ہوتی ہے لیکن بہتیرے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دِل میں طرح طرح کے شکوک راہ پاتے ہیں۔ اور وہ اپنے تئیں پوچھنے لگتے۔ کیا ہم اپنے گزشتہ تجربوں کی حقیقت اور صداقت کے ایسے قائل ہیں کہ آئندہ اُنہیں تجربوں پر تکیہ کر کے اپنے ایمان میں قائم رہیں؟ کیا وہ مختلف رہائیاں جو ہم کو نصیب ہوئیں اور جو مسیح کی قادر مرضی کا نتیجہ معلوم ہوتی تھیں فی الحقیقت

اُسی کی مرضی سے واقع ہوئی تھیں۔ یا اُن کا موجد کوئی اَور تھا؟ کیا ممکن نہیں کہ وہ روحانی طاقت کی تحریکیں جو کسی وقت خدا کی لامحدود قدرت کا اظہار معلوم ہوتی تھیں دراصل ہماری ہی کسی مخفی طاقت سے پیدا ہوئی تھیں؟ اور کیا خدا کو اپنے سے الگ اور جُدا سمجھنے کا وہ خیال جس نے ہم کو عجیب خوشی سے بھر دیا تھا۔ اور اسی طرح مسیح میں زندگی بسر کرنے کا وہ یقین جس نے اَن دیکھی چیزوں کو دیکھی ہوئی چیزوں سے زیادہ حقیقی بنا دیا تھا۔ ایک حباب بر سرِ آب نہ تھا؟ کیا ہماری شخصی زندگی ایسی درست اور اُس کی مختلف طاقتیں ایسے اعتبار کے لائق تھیں کہ اُن سے غلطی کی توقّع نہیں ہو سکتی تھی؟ ایسے ایسے پُرشبہ خیال ضرور دل میں آتے ہیں۔ پر یاد رہے کہ یہ شبہات بیشتر ایسے لوگوں کے دِلوں میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوچ و فکر کی اُدھیڑ بُن میں لگے رہتے ہیں اور طبعاً نکتہ چین واقع ہوئے ہیں یا اُن لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں جو فقط اپنی نسبت سوچتے رہتے ہیں اور بجائے خدا کو کامل طور پر خوش کرنے کے زیادہ تر اپنی ذاتی تسلّی کے جویاں ہوتے اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آیا ہم نے اپنی خوبیوں سے خدا کو رضی کیا ہے یا نہیں۔ وہ اُس محبّت پر غور کرنے کی نسبت جو خدا نے اُن سے کی ہے زیادہ تر اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اُس سے کتنی محبّت کی ہے۔ وہ مسیحی نجات کی خوبی پر اتنا دھیان نہیں لگاتے جتنا اس بات پر کہ ہمارا فرض کیا ہے۔ ایسے لوگ ایمان تو رکھتے ہیں مگر اُن کے ایمان کے ساتھ ایک قسم کا تذبذب بھی لگا ہوا ہوتا ہے۔ بہت سی باتیں اُن کے تجربے میں ایسی ہوتی ہیں جو اُن کو مسیح کی حضوری اور قدرت کا یقین دلاتی ہیں۔ مثلاً اُنہوں نے اس بات کا تجربہ کیا کہ مسیح کی قدرت سے قادر بننا کسے کہتے ہیں۔ بعض اوقات اُنہوں نے

ایسا محسوس کیا کہ گویا اُن کی زندگی اور خدا کی زندگی میں مس پیدا ہو رہا ہے مگر پھر بھی ایمان پختہ نہ ہوا۔ بلکہ یہ سوال کرتے رہے کہ کیا یہ تمام عجیب تجربے راست ہیں یا اُن وہمی خیالات کی مانند ہیں جو اُس دماغ سے پیدا ہوتے ہیں جو آتش بخار سے جل اُٹھتا ہے*

پر ہم پوچھتے ہیں کہ یہ عجیب تجربے کیوں توہمات سمجھے جائیں؟ کیا وہ پہاڑی وادیاں جو ہمیں سبزے سے لہلہاتی نظر آتی ہیں اور جن کے نظاروں سے ہماری آنکھوں کو طراوت حاصل ہوتی ہے دماغی اجزوں کے فساد سے پیدا ہوتی ہیں؟ اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ جس وقت ہم کسی شہر کے بازاروں سے گزرتے ہیں اور طرح طرح کے لوگوں کو طرح طرح کے لباس زیب تن کئے دیکھتے ہیں۔ قسم قسم کی عمارتیں ہماری نظر سے گزرتی ہیں۔ بھانت بھانت کے جانور آنکھوں کے سامنے آتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس کیا ثبوت ہے کہ وہ وہم سے پیدا نہیں ہوئے؟ یا اگر ہم کسی خوش لحن گویّے کی دلکش آواز سے محظوظ ہوتے ہیں تو کیوں یہ ظن نہیں پیدا ہوتا کہ اُس کے سروں کی شیرینی جو حلاوت شہد پر سبقت لے جاتی ہے ہمارے دماغی فتور کا نتیجہ ہے؟ اگر بفرض محال اس قسم کا شُبہ کسی کے دل میں پیدا ہو بھی تو اُس وقت فوراً کافور ہو جائیگا جب یہ معلوم ہو جائیگا کہ ان پُر تجمل وادیوں کو دیکھنے والے۔ ان خوبصورت بازاروں کی سیر کرنے والے اور گویّے کے سرود سے حظ اُٹھانے والے فقط ہم ہی نہیں بلکہ اور بھی ہیں جو ہمارے تجربے کی تصدیق کرتے ہیں*

فرض کیجئے کہ آفتاب کو اگر صرف زید مشرق سے سر نکلتے اور "پہلوان کی طرح" مغرب کی طرف جاتے دیکھتا اور دوسرے لوگ صرف اتنا جانتے کہ اندھیرا کم ہو رہا ہے اور روشنی بڑھ رہی ہے۔ اور پھر اسی طرح شام کے

وقت صرف زید ہی آفتاب کو مغرب کی جانب شفق دار پہاڑیوں کے پیچھے غروب ہوتے دیکھتا اور باقی سب لوگ فقط اِتنا محسوس کرتے کہ روشنی گھٹتی جاتی ہے اور تاریکی بڑھتی جاتی ہے اور اگر پھر شام کے بعد سطح آسمان پر صرف زید ہی کو ستارے نظر آتے اور دوسرے لوگوں کو اُن کے وجود کا علم نہ ہوتا۔ مگر ہر شخص کی حسّی طاقتیں برجا ہوتیں اور وہ زمینی نظاروں اور دنیوی معاملوں کو اچھّی طرح سمجھنے کے قابل ہوتیں تو زید کا یہ دعوےٰ کہ میں نے سورج اور چاند اور ستاروں کو دیکھا ہے مضحکہ میں اُڑایا جاتا اور کوئی فیلسوف اُس کی بات کو نہ مانتا۔ اور چونکہ اَوروں نے سورج اور ستاروں کو نہ دیکھا تھا اس لئے اگر بادلوں کا گھٹا ٹوپ قرص آفتاب کو چند دن کے لئے چھپا لیتا تو زید خود بھی طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہو جاتا۔ پر اگر سورج کے وجود اور ستاروں کی ہستی پر جگہ جگہ سے شہادت بہم پہنچے۔ اور جس کسی کے پاس زید اُن کا ذکر کرے وہی یہ کہے کہ میں نے بھی اُن کو دیکھا ہے۔ ماسوائے اس کے پُرانی کتابوں میں بھی اُن کا ذکر پایا جائے۔ تو پھر سورج اور ستاروں کے موجود ہونے میں کسی طرح کا شک و شُبہ نہ رہیگا۔ اسی طرح مسیحی تجربوں کو بھی اگر ایک ہی شخص دیکھتا اور باقی سب لوگ اُن سے محروم ہوتے حتّٰے کہ کوئی اَور شخص اُن کی تصدیق نہ کرتا تو وہ اعتبار کے لائق نہ ہوتے اور جس نے اُن کا مزہ چکھا تھا وہ بھی اُن کی درستی اور صحت کا بہت قائل نہ ہوتا۔ پر اگر سیکڑوں اشخاص اُن کے وجود پر گواہی دیں تو کون اُنکی موجودگی اور اثر پر شک لا سکتا ہے؟

ہم یہ مانتے ہیں کہ بعض بعض شخص اپنے حواس کی درستی اور اُنکے فیصلوں کی صحت کے ایسے قائل ہوتے ہیں کہ جو کچھ اُنہوں نے دیکھا اور

محسوس کیا ہے وہ ایسا امر واقعی اُن کو معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی شئے۔ کوئی بُرہان اور کوئی طاقت اُس کی تکذیب نہیں کرسکتی۔ مگر سب ایسے نہیں ہوتے۔ بلکہ بہت اس بات کے محتاج ہوتے ہیں۔ کہ جو کچھ اُن کے تجربے سے گزرا ہے اُس کی تصدیق اوروں کی گواہی سے ہو۔ جس طرح انگلستان کا کیمیا دان یہ سُن کر باغ باغ ہوجاتا ہے کہ جو نتائج اُس کے کیمیائی تجربے سے معلوم ہوئے ہیں وہی فرانس اور دیگر مقاموں کے کیمیاگروں کے کیمیائی تجربوں سے معلوم ہوئے ہیں۔ اُسی طرح ہر مسیحی یہ سُن کر شاد ہوتا ہے کہ مسیح کی محبت اور قدرت اور حکمت کے جو تجربے مجھکو حاصل ہوئے ہیں وہی اوروں کو بھی حاصل ہوئے ہیں ؎

غالباً یہی سبب ہے کہ مقدّسوں کی سوانح عمریاں اور روحانی مذاق کی کتابیں پڑھنے سے ایمان کو بڑی تقویت حاصل ہوتی ہے خدا پرست لوگوں کی صحبت سے صرف ہمارے دینی جذبات ہی متاثر نہیں ہوتے اور نہ فقط اُن سے خدا کے بے قیاس فضل اور بے مثال راستی اور لاثانی جلال کا عجیب حال دیکھکر ایک قسم کی طاقت ہم کو نصیب نہیں ہوتی بلکہ ہمارے تجربوں کی تصدیق بھی ساتھ ساتھ ہوتی جاتی ہے۔ مثلاً جو کچھ ان برگزیدہ مُقدّسوں نے دیکھا وہی ہم نے دیکھا گو ہم نے اُسے دُھندلا سا دیکھا۔ جو کچھ اُنہوں نے سُنا وہی ہم نے سُنا۔ جس ملک میں وہ رہتے ہیں اُسی کے ہم باشندے ہیں۔ ان کے حالات پڑھ کر یا سُنکر ہم اُس ملک کے کوہستانی سلسلوں کو دیکھتے۔ دریاؤں پر نظر ڈالتے۔ ستاروں کا معائنہ کرتے اور کہتے کہ یہ سب چیزیں ہماری دیکھی ہوئی ہیں۔ شائد ان خدارسیدہ مُقدّسوں نے اس ملک کے جاہ وجلال کو اپنی چشم بصیرت سے بخوبی دیکھا پر ہم نے کسی

بادل کے سبب سے پُورے پُورے طور پر اُس کی رونق کو محسوس نہ کیا۔ پر بادل
کے اُٹھ جانے پر معلوم ہُوا کہ جلال ایک ہی ہے۔ مسیح کے فضل اور قدرت
نے جو کچھ اُن کے لئے کیا۔ جس طرح اُن کو روحانی زندگی کے اعلےٰ مراتب پر
پہنچایا۔ اور ذات پاک کے درِ رحمت پر لا بٹھایا۔ اسی طرح ہم دیکھتے کہ
ہمارے ساتھ ہوا۔ ہم بھی اپنی شخصی زندگی کے ہر پہلو میں اُس کے فضل و
قدرت کا وہی اثر اور وہی کام جو اُن کی زندگیوں میں ہُوا معائنہ کرتے ہیں۔
اُنہوں نے جو فیض پایا وہ اُس کی زندگی اور تعلیم کی روایات یا علم الٰہی کے
مسائل سے نہیں پایا۔ بلکہ خود اُس سے سب کچھ حاصل کیا۔ اسی طرح ہم بھی
معلوم کرتے ہیں کہ خارجی چیزوں نے نہیں بلکہ اُسی کی حضوری کی قدرت نے
ہمارے اندر چشمۂ فیض جاری کیا ہے ✝

اسی طرح بعض اوقات ہمارے مذہبی ادراکات کی تصدیق زندہ مقدسوں
کی گواہی سے بھی ہوتی ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک دقیقہ سنج
عالم صبح کے وقت پڑھتے پڑھتے الہامی صداقتوں پر شک لانے لگ جاتا
ہے۔ مگر شام کے وقت کسی بیمار یا عمر رسیدہ یا غریب دیندار شخص کی ملاقات
کے سبب پھر اپنے ایمان کو مضبوط پاتا ہے۔ مثلاً صبح کے وقت یہ خیال اسکے
دل میں پیدا ہوا کہ مسیح کے تاریخی تصور کے واسطے اور مسیحی کلیسیا کے آغاز
اور ابتدائی ترقی اور فتوحات کے لئے یہ ماننا ضروری امر نہیں کہ وہ خدا کا ازلی
بیٹا ہے۔ یا وہ وہ کلمہ ہے جو ہم گنہگاروں کی نجات کے لئے مجسم ہوا۔ اور وہ
کہتا ہے کہ میرے وہ تجربے جنہیں میں اُس کی قدرت سے منسوب کیا کرتا ہوں
ممکن ہے کہ میری ہی کسی چھپی ہوئی طاقت سے پیدا ہوئے ہوں جسے میں اپنی
بے علمی کے سبب اور عجلت کے باعث ایک خارجی طاقت سمجھے بیٹھا ہوں۔

فرض کیجئے کہ یہ حال اُس کا صبح کو تھا مگر شام کے وقت اُسے ایک بے علم اور غریب اور عمر رسیدہ شخص کی صحبت نصیب ہوتی ہے جو مُقدسوں کی راہ سے واقف ہے۔ وہ اُن باتوں کو جو مسیح نے اُس کی زندگی میں پوری کیں ایسے طور پر بیان کرتا ہے کہ شک کی بُو تک نہیں آتی۔ اور ہمارا نکتہ سنج عالم جو شکوک کے پنجہ میں گرفتار ہے اُس کی ایک ایک بات کو سُنتا ہے اور اُسے اپنے تجربے کے ہمرنگ پاتا ہے۔ اور اپنے دل میں کہتا ہے کہ یہ بُڈھا اپنی زندگی کے اُس زمانے کا ذکر کرتا ہے جو اُس نے اُسی ملک میں صرف کیا جس میں مَیں بھی رہ چُکا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے شہروں اور بندرگاہوں اور گرجوں اور محلوں کا ذکر کرتا ہے۔ ایسے کھنڈرات۔ ایسے پہاڑ اور ایسے دریا بیان کرتا ہے۔ ایسی فصیلیں ایسے درخت اور ایسے پھول بتاتا ہے۔ جو میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ جس طرح اس نے ان کا بیان کیا ہے شائد میں اس طرح نہ کرتا۔ جو شرح اس نے کی ہے شائد میں ویسی نہ کرتا تاہم اس میں شک نہیں کہ جو میں نے دیکھا ہے وہی اس نے دیکھا ہے۔

اور جب وہ اپنے گھر کو واپس آتا ہے تو راستے میں اَور لوگوں کے اسی قسم کے تجربوں پر غور کرتا ہے جو اُس نے سُنے یا کتابوں میں پڑھے تھے۔ اور اپنے دل میں پھر کہنے لگتا ہے کہ مختلف ممالک اور مختلف اقوام اور مختلف پُشتوں کے لوگ ایک ہی قسم کے خواب نہیں دیکھ سکتے۔ اگر دھوکا کھاتا تو ایک کھاتا۔ پس ان تجربوں کا مشترک اور عالمگیر ہونا کچھ اَور ہی معنے رکھتا ہے۔ اور اگر یہ لوگ بھی وہی دیکھتے ہیں جو مَیں دیکھتا ہوں۔ وہی سُنتے ہیں جو مَیں سُنتا ہوں۔ اُسی طرح مُتاثر ہوتے ہیں جس طرح مَیں ہوتا ہوں تو لازم ہے کہ مَیں اس خام خیال کو اپنے دل میں جگہ نہ دوں کہ میرے عقلی

تصورات اور فیصلے درست نہیں۔ اب وہی عالم جو علے الصباح شکوک و شبہات کا شکار رہا ہوا تھا رات کے وقت اپنے تجربوں کی صحت کے یقین کے ساتھ اپنا مطالعہ پھر شروع کرتا ہے۔ گو ابھی اُسے اس بات کا فیصلہ کرنا ہے کہ انجیل میں مسیح کے اقوال و افعال کا جو تاریخی بیان پایا جاتا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں تاہم وہ اس بات کا قائل ہو جاتا ہے کہ کیا ہندوستان اور کیا انگلستان اور کیا امریکہ ہر جگہ زندہ مسیح بنی آدم کا مالک اور نجات دہندہ ہے ‌‌+

اب چونکہ اناجیل کے مصنّفوں پر اور اُن کی تصنیف کردہ کتابوں کے زمانوں پر ان دنوں بڑی بحث ہو رہی ہے لہذا یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب تک یہ بحث تسلّی بخش صورت میں فیصل نہ ہو۔ کیا اُس وقت تک ان تجربوں کی بنا پر مسیح پر ایمان لانا درست ہے ؟

اس سوال کا جواب ایک اور سوال کے جواب پر منحصر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مسیح پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے ؟ کیا مسیح پر ایمان لانے سے یہ مُراد ہے کہ چاروں انجیلوں کی تصنیف اور اُن کی تصنیف کے زمانہ کو اُسی طرح مانیں جس طرح روائت ان کو ہمارے سامنے لاتی ہے ؟ کیا اس سے یہ مُراد ہے کہ ہم ان انجیلوں کی تاریخی صحت پر ایمان لائیں ؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ لوقا کی انجیل میں یوحنا بپتسمہ دینے والے کی پیدائش اور مریم کے پاس فرشتہ کے آنے کا جو تذکرہ مرقوم ہے اُس پر ایمان لائیں ؟ یا یہ کہ جو کچھ چاروں انجیلوں میں پانچ ہزار اشخاص کو جھیل جلیل کے مشرقی کنارے پر سیر کرنے کی نسبت مرقوم ہے اور لعاذر کو مُردوں میں سے زندہ کرنے کے بارے میں جو کچھ یوحنا کی انجیل میں ثبت

ہے اُس پر ایمان لائیں؟ اگر مسیح پر ایمان لانے کا یہ مطلب ہے تو ہم صاف کہتے ہیں کہ وہ ذاتی تجربے جن کا ذکر ہم اُوپر کر آئے ہیں یہ استحقاق نہیں رکھتے کہ ان کی بنا پر لوگ مسیح کو قبول کریں ۔

مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ مسیح پر ایمان لانا ہرگز اس بات کے یقین پر مبنی نہیں کہ متی نے پہلی اور مرقس نے دوسری اور لوقا نے تیسری اور یوحنا نے چوتھی انجیل تصنیف کی کیونکہ سیکڑوں لوگوں نے اُس وقت مسیح کو قبول کیا اور خدا کو پایا جبکہ ان انجیلوں میں سے کوئی انجیل تحریر نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ ہی مسیح پر ایمان لانے کے لئے یہ ضروری بات ہے کہ ہم ان انجیلوں کے بیانات کی تاریخی صحت پر ایمان لائیں۔ ہمارے مطلب کو واضح کرنے کے لئے ذیل کی مثال نہایت موزون ہے۔ پولوس کی منادی میں ہم ایک جگہ ذیل کے واقعات کا ذکر پاتے ہیں کہ مسیح نوشتوں کے مطابق ہمارے گناہوں کے لئے مارا گیا۔ اور دفن ہوا۔ اور پھر نوشتوں کی گواہی کے مطابق تیسرے دن مُردوں میں سے جی اُٹھا اور پہلے کیفاس کو اور پھر بارہ کو اور پھر پانسو سے زیادہ کو دکھائی دیا اس کے بعد یعقوب کو نظر آیا پھر تمام رسولوں کو اور سب کے پیچھے پولوس کو دکھائی دیا۔ اب اُن کرنتھیوں میں سے جن کی جانب وہ نامہ بھیجا گیا تھا۔ جو ان واقعات سے مشتمل ہے۔ کئی گناہوں کی معافی اور ابدی جلال میں شریک ہونے کے لئے مسیح پر ایمان لائے اور اپنے ایمان میں ثابت قدم رہے حالانکہ ان انجیلوں میں سے کوئی انجیل ابھی تصنیف نہ ہوئی تھی۔ اب اگرچہ مدت بعد متی کی انجیل تصنیف ہو کر اُن کے پاس بھیجی جاتی تو ممکن تھا کہ وہ اُسے کسی رسول کی لکھی ہوئی نہ مانتے۔ کیونکہ اُس میں اِس بات کا کچھ ذکر نہیں

پایا جاتا کہ مسیح اکیلے پطرس یا اکیلے یعقوب کو دکھائی دیا۔ یا دوسری مرتبہ تمام رسولوں کو اور پھر پانسو سے زیادہ اشخاص کو نظر آیا۔ مزید برآں وہ اس انجیل میں کئی ایسی باتیں پڑھتے جو اُنہوں نے پہلے کبھی نہیں سُنی تھیں مگر اس سے اُن کے ایمان میں خلل نہ آتا بلکہ ممکن ہے کہ وہ اُن کے بھی قائل ہوجاتے کیونکہ مسیح کے بغیر اور کوئی ایسی باتیں نہیں کہہ سکتا تھا۔ مگر ہم صاف کہتے ہیں کہ شاید کئی باتیں ہرگز قبول نہ کرسکتے۔ البتہ معجزوں کے ماننے میں کوئی دقت پیش نہ آتی کیونکہ وہ جان جاتے کہ جسے ہم خدا کا ازلی بیٹا سمجھتے ہیں اُس کے لئے معجزانہ کرشمے دکھانا ناممکن نہیں اور علاوہ بریں ان معجزات میں سے کئی ایک کا حال اُنہوں نے بیشتر ہی سے اُن لوگوں سے سُن لیا ہوگا جنہوں نے مسیح کو مصلوب ہونے سے پہلے دیکھا تھا۔ پر باقی باتوں کے ماننے میں اگر پس و پیش کرتے اور کہتے کہ جب تک یہ تحقیق نہ ہوجائے کہ اس کتاب کا لکھنے والا واقعی ایک رسول ہے تب تک ہم ان باتوں کو نہ مانینگے تو کچھ تعجب نہ ہوتا۔ پر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس وقت کے سبب سے مسیح کو ماننا چھوڑ دیتے۔ بلکہ ضرور تھا کہ وہ اپنے ایمان میں ثابت قدم رہتے اور خداوند کا کام کرتے چلتے کیونکہ اُنہوں نے اس کتاب کے تصنیف ہونے سے پہلے اُس سے زندگی حاصل کرلی تھی۔ پس مسیح پر ایمان لانا اور بات ہے اور کسی کتاب کی تصنیف کی نسبت صحیح رائے رکھنا دوسری بات ہے۔ لوگ مسیح پر ایمان لاکر نجات پاتے ہیں نہ کہ یہ مان کر کہ پہلی انجیل متی کی لکھی ہوئی ہے۔ اب جس طرح مسیح پر ایمان لانا اس بات سے بالکل جُدا ہے کہ پہلی اور دوسری اور تیسری اور چوتھی انجیل کا مصنف کون ہے۔ اسی طرح وہ اس سوال سے بھی بالکل مختلف ہے کہ جو کچھ ان انجیلوں میں درج ہے وہ

اعتبار کے لائق ہے یا نہیں - اگر ہم اپنے گناہ کو محسوس کر کے نااُمیدی کے دلدل میں غرق ہو جائیں اور اُس وقت مسیح کو مدد کے لئے پُکاریں اور وہ آکر ہمیں مایوسی کے دلدل سے باہر نکالے - یا اگر ہم خدا کی حضوری کے لطف کو کھو بیٹھیں اور مدّتوں تک اُس سے محروم رہ کر پھر مسیح کو پُکاریں اور وہ ہمیں پھر اُس کے نظّارے سے محظوظ کرے اور الٰہی قدرت اور جلال کا جلوہ دکھائے یا اگر ہم یہ دیکھیں کہ وہ زندگی کی ندیاں جو پہلے بہا کرتی تھیں اب بند ہو گئی ہیں اور اب طبیعت اُن اَن دیکھی اور ابدی چیزوں کی طرف متوجہ نہیں جن کی ہیبت سے دل تھرتھرا اُٹھتا تھا - جن کے طفیل سے خدا اور انسان کی محبت کا شعلہ برابر مشتعل رہتا تھا - جن کے سبب سے ایک پُرجوش اُمید دل کو خوش رکھتی تھی اور دُنیا ایک نئی صورت میں دکھائی دیتی تھی - جنہوں نے خصلت کا ایک اعلےٰ خیال اور اندازہ آنکھوں کے سامنے رکھا تھا - اور اُس انداز تک پہنچنے کی قدرت اور ارادہ عطا کیا تھا - اب اگر ہم دیکھیں کہ یہ دلربا کیفیتیں مفقود ہو گئی ہیں اور یہ دیکھکر مسیح کو پُکاریں اور وہ ہماری دُعا کے جواب میں آبِ حیات کا شفاف پانی جو خدا کے تخت سے بہتا ہے پھر ہماری سوکھی اور خشک زندگی میں جاری کرے اور ہمیں سرسبزی اور شادابی سے خوش وقت فرمائے تو اس سے بڑھ کر اور کون سی پختہ اور موزون اور فیصلہ کُن دلیل اس بات کی دستیاب ہو سکتی ہے - کہ مسیح بنی آدم کا مالک اور منجی ہے ؟ پس ہمیں ایمان کی مضبوطی اور درستی کی دلیل اس سے بڑھکر اور کوئی نہیں مل سکتی - فرض کیجئے کہ ہمیں اس بات کا پختہ یقین ہو تا کہ ہر ایک معجزہ جو نئے عہدنامہ میں درج ہے بالکل سچا ہے اور جو باتیں اس میں رقم ہیں وہ مسیح کی تقریروں کا خلاصہ نہیں بلکہ ہو بہو وہی الفاظ ہیں جو اُس کی زبان معجز بیان سے نکلے - فرض

کیجئے کہ وہ تمام شرائط جو رینان جیسے منکروں نے معجزوں کی صحت کی آزمائش کے
لئے تجویز کی ہیں پوری کی جاتیں۔ مثلاً شہر نائین کی بیوہ کے فرزند کو زندہ کرنے
سے پہلے ایک کمیشن مقرر کی جاتی جس میں ایسے ایسے عالم شامل ہوتے جو
علم اجسام اور کیمیا اور طب سے بخوبی واقف ہوتے اور ہر بات کو اچھی طرح
پرکھنے اور اُس کی حقیقت کو سمجھنے کی لیاقت رکھتے۔ فرض کیجئے کہ اس کمیشن کے
شرکاء پہلے اس بات کے قائل ہو جاتے کہ بیوہ کا لڑکا در اصل مر گیا ہے۔ اور
پھر اُس کمرے کی خبرداری کرتے جہاں معجزہ سرزد ہونے والا تھا تاکہ کسی طرح
کے فریب کے لئے کوئی جگہ نہ رہے۔ اور فرض کیجئے کہ وہ اس بات کی گواہی
چھوڑ جاتے کہ ہمارے خداوند کے کہنے سے بیوہ کا لڑکا زندہ ہوا اور اپنی ماں
کے ساتھ اپنے گھر گیا۔ اور پھر اسی طرح یہ بھی فرض کیجئے کہ لعازر کے زندہ
کرنے کے وقت بھی اسی قسم کی کمیشن مقرر کی جاتی اور اسی قسم کے نتائج پیدا
ہوتے۔ اب اگر ان کمیشنوں میں ایسے اربابِ علم و فضل شامل ہوتے جو اپنے
علم طبیعات کی وسعت اور صحت اور کثرت میں پیرس اور وائنا اور لندن
کے عالموں سے کم نہ ہوتے بلکہ ان کی مانند بات کی تہ تک پہنچنے والے
ہوتے اور اُن کے علم و فضل کا پختہ ثبوت ہمارے پاس موجود ہوتا۔ اور انکی
راستی پر کوئی شک نہ لاتا اور نہ کوئی اُن باتوں کی نکتہ چینی کرتا جو وہ لکھ جاتے
اور اس کے ساتھ یہ بھی فرض کیجئے کہ اسی قسم کے پختہ ثبوتوں سے یہ بھی
ثابت ہوتا کہ باقی معجزے بھی مسیح کی ذات بابرکات سے صادر ہوئے ہیں۔ کہ
وہ سمندر پر چلا اور اُس نے پانچ ہزار کو چند روٹیوں سے آسودہ کیا۔ بیماروں
کو صحت۔ اندھوں کو بصارت۔ بہروں کو سننے کی طاقت عطا کی۔ حتیٰ کہ چاروں
انجیلوں کی تاریخی صحت اس درجہ تک کامل ہوتی کہ ہر فرد بشر پر لازم ٹھہرتا۔

گروہ ہر بات کو جو انجیل میں مرقوم ہے صحیح جانیں۔ اب اگر ایسا ہوتا تو کیا صرف اسی بات کی بنیاد پر ہم مسیح پر ایمان لانا اپنا فرض سمجھتے؟

ہم کہتے ہیں۔ نہیں۔ کیونکہ جب تک اس کی قدرت اور فضل کا وہ تجربہ نصیب نہ ہو جس پر ایمانداروں کی جماعت اس کے صعود سے لیکر اب تک گواہی دیتی آئی ہے۔ تب تک ہمارا ایمان لانا عبث ہے۔ کیونکہ اس کے تاریخی حالات کی صحت سے ہم کو کیا فائدہ ہوتا۔ اگر وہ آسمان پر چڑھنے اور باپ کے دہنے ہاتھ بیٹھنے کے بعد لوگوں کی روحانی زندگی کو اپنی قدرت اور حضوری کی برکتوں سے مالا مال نہ کرتا۔ اور کوئی تائب دل معافی کے یقین سے مطمئن خاطر نہ ہوتا۔ اور وہ لوگ جو اپنے برے خیالات اور بری عادات اور برے جذبات کے ہاتھوں تنگ آ کر یاوسی کی زنجیروں میں گرفتار تھے کبھی ان زنجیروں سے رہا ہونیکی طاقت اس سے نہ پاتے۔ ہاں اگر اسکے ایماندار بندے گنہگاروں سے مقدس نہ بنائے جاتے اور کھوئے ہوئے باپ کے واپس نہ لائے جاتے تو کون اسپر ایمان لاتا؟

آخر میں ہم ایک اور فرضی دعوے اور اس کا لازمی نتیجہ پیش کر کے اپنے مضمون کے اس حصے کو بند کرینگے۔ فرض کیجئے کہ ہمارے خداوند کی زندگی کے آخری تین سال کے حالات قلمبند نہ ہوتے۔ کوئی معجزہ قید کتابت میں نہ آتا۔ کوئی تمثیل لکھی نہ جاتی۔ پہاڑی وعظ۔ بونے والے کی تمثیل لعاذر کی قبر پر اس کا آنسو بہانا۔ مصلوب ہونے سے پہلے رات کے وقت دست بدعا ہونا غرضیکہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہم کو معلوم نہ ہوتی اور ہم صرف اتنا جانتے کہ وہ ایک دینی پیشوا تھا۔ جو مصلوب ہوا اور جس کے شاگرد یہ مانتے تھے کہ وہ مردوں میں سے جی اٹھا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ہم کو صرف اتنی ہی خبر ہوتی تو کیا اس پر ایمان لانا ناممکن ہو جاتا؟

ہرگز نہیں - ہم اس حالت میں بھی اُس کو گنہگار کا نجات دہندہ مان سکتے کیونکہ
کلیسیا کا تجربہ برابر صدی بصدی گواہی دیتا چلا آتا کہ جو اُس پر ایمان لاتے ہیں
خواہ وہ کسی ملک کسی قوم اور کسی عمر کے کیوں نہ ہوں وہ اُن کو نجات کی نعمت
سے آسودہ کرتا ہے - بیشک یہ ناممکن نہ ہوتا کہ لوگ اُس کے صعود سے لیکر
اس وقت تک برابر یہ محسوس کرتے آتے کہ جب مسیح سے دُعا مانگی جاتی ہے
تو ہوا سے باتیں نہیں کی جاتی ہیں بلکہ اُس سے دُعا کی جاتی ہے جو دُعا کو
سُنتا اور ضمیر کو اطمینان بخشتا اور دُکھ سہنے اور راستی میں ترقی کرنے کی طاقت
عطا فرماتا ہے اور خدا کے علم بے واسطہ سے عقل کو روشن فرماتا ہے۔ کیونکہ
وہ جنہوں نے اُسے جسم کی حالت میں دیکھا تھا اُس کی بعثت پر گواہی دیتے
اور بتاتے کہ اُسی کے وسیلے گناہوں کی معافی اور ابدی زندگی حاصل ہوتی
ہے - پھر اُن کے بعد ایک اَور پُشت برپا ہوتی جو اپنے ذاتی تجربہ سے
اس بات پر گواہی دیتی کہ وہ درحقیقت گناہوں کو بخشنے اور ہمیشہ کی زندگی
کا دینے والا ہے اور اسی طرح ایک سلسلہ گواہوں کا قائم ہو جاتا - اب
صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ کتابیں جن پر اس قدر بحث ہو رہی ہے بفرض محال
گم بھی ہو جاتیں (اور ہم مانتے ہیں کہ یہ نقصان بڑا بھاری ہوتا) تو بھی ہمارا
یہ ایمان کہ مسیح گناہوں کا بخشنے والا اور ہماری رفتار و گفتار کا مالک اور
نجات ابدی اور حیات سرمدی کا سرچشمہ ہے ایک محکم بنیاد پر قائم ہوتا یعنی
ہمارا شخصی تجربہ مسیحیوں کی ساٹھ پُشتوں کے تجربے سے ثابت کیا جاتا۔
یہی سبب ہے کہ مسیحی ایمان اُن لوگوں میں جو عزلت نشینی زیادہ پسند کرتے
ہیں ایسا مضبوط نہیں ہوتا جیسا اُن میں جو مقدسوں کی رفاقت کی برکت
اور قدرت سے واقف ہوتے ہیں ؞

ایک دفعہ ایک جاپانی مسیحی سیر کرتا ہوُا انگلستان میں وارد ہوُا اور ڈیل صاحب کے یہاں چند گھنٹوں کے لئے فروکش ہوُا۔ صاحب موصوف اُس کی نشست و برخاست اور حرکات و سکنات سے ایسے متاثر ہوئے کہ وہ فرماتے ہیں کہ گو یہ شخص تھوڑی سی دیر کے لئے میرا مہمان تھا مگر اسی قلیل سے عرصہ میں خوبیٔ اخلاق۔ آداب شرافت۔ حقیقی دینداری۔ نیک چال وچلن اور متانت مزاج کا جوہر دکھا گیا۔ اُس کے دوست اُس کے حُسنِ اخلاق کے شیدا تھے کیونکہ اُس نے اپنی کلیسیا کے لئے طرح طرح کی خود انکاری سہکر ثابت کر دیا تھا کہ میں مسیح کا سچّا اور وفادار خادم ہوں۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھا جن کی طبیعت میں کچھ ایسی خداداد تاثیر ہوتی ہے کہ وہ مقناطیس کی طرح اَوروں کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

ڈیل صاحب نے اس جاپانی مسیحی سے پوچھا کہ آپ نے کس طرح مسیح کو قبول کیا۔ کیونکہ وہ تو جاپان کے لئے ایک نیا اُستاد ہے۔ جاپان میں اور قدیم کلیسیا میں کوئی ایسا تاریخی ربط نہیں پایا جاتا جیسا کہ یوروپ اور قدیم کلیسیا میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اہل یوروپ جب پیچھے لوٹ کر گزشتہ صدیوں کو دیکھتے ہیں تو اُنھیں اپنے عالموں اور بزرگوں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے جس کا ایک سِرا اُنکے زمانے سے اور دوسرا سِرا کلیسیا کے ابتدائی زمانہ سے وابستہ ہے۔ اور یوں وہ اپنے زمانہ سے زینہ بزینہ اوپر چڑھتے ہوئے اور پُشت بہ پُشت زندہ مسیح کی باتیں سُنتے ہوئے آخرکار اُن لوگوں میں جا پہنچتے ہیں جنھوں نے رسولوں کو دیکھا اور اُن کے کلام خیرانجام سے فائدہ اُٹھایا۔ مگر آپ لوگوں کے درمیان کوئی اس قسم کا تاریخی سلسلہ موجود نہیں۔ کوئی ایسا چراغ روشن نہیں جس کی شعاعیں ہمیں صدیوں کے تاریخی

اندھیرے کو دور کریں۔ ماسوائے اس کے مغربی اقوام کی تعلیم اور تہذیب آپ کے ملک کو نئے سانچے میں ڈھال رہی ہے اور مسیحی مذہب ایسے وقت میں آپ کے ملک میں داخل ہوا ہے جبکہ مسیح کے حالات کی تاریخی صحت پر یورپ کی بڑی بڑی قومیں نکتہ چینی کے حملے کر رہی ہیں اور ایسی کتابیں بھیج رہی ہیں جو دین عیسوی کے دعاوی کو باطل ٹھیرانے کے لئے تحریر کی گئی ہیں اور لوگوں کو ترغیب دیتی ہیں کہ وہ اس مذہب کو خام خیال سمجھکر ترک کر دیں۔ اب باوجود ان دقتوں کے آپ کیونکر مسیح پر ایمان لائے کہ وہ خدا کا بیٹا اور بنی آدم کا نجات دہندہ ہے؟

اُس جاپانی مسیحی نے ڈیل صاحب کو جواب دیا کہ پہلے میں کنفیوشس کا پیرو تھا اور اُس کی کتابوں کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ اور میں دیکھتا تھا کہ جابجا کنفیوشس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام برکتیں آسمان سے آتی ہیں اور اُس کی کتاب کی بعض بعض جگہوں سے ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ گویا وہ آسمان سے ایک مہربان اور پُر محبت شخص مُراد لیتا ہے جو اپنی مرضی کے مطابق بنی آدم پر اپنی برکتیں نازل فرماتا ہے۔ لیکن دوسرے مقاموں سے اُس کے اس خیال کی تنسیخ ہوتی تھی۔ سو میرے دل میں یہہ خیال پیدا ہوا کہ تعجب نہیں کہ فی الحقیقت کوئی ایسا مہربان اور بزرگ اور قادر شخص موجود ہو جو ہماری نگرانی و نگہبانی کرتا ہے۔ اس خیال کے سبب سے میرے دل میں بڑا جوش پیدا ہوا اور میں از بہر تحقیق جابجا کنفیوشس کے مذہب پر لیکچر سُننے لگا۔ مگر کہیں دُرِ مقصد ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار مجھے ایک شخص کے لیکچر سُننے کا اتفاق ہوا جو کنفیوشس کے اُصول کے برخلاف تھا۔ اس کے لیکچروں کو سُن کر میرا دل کنفیوشس کے عقائد سے بالکل اُٹھ گیا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد ایک جاپانی عیسائی نے مجھے ایک چینی بائیبل دی اور کہا کہ دیکھو کیسی خوبصورتی سے ترجمہ کیا ہے اگر تم اسے پڑھو تو زبان کی خوبی اور سلاست کے فریفتہ ہو جاؤ گے۔ جب میں نے اُسے پڑھا تو دیکھا کہ واقعی جو کچھ اُس نے کہا تھا صحیح ہے کیونکہ ترجمہ فی الواقع قابلِ تعریف ہے۔ خیر میں اُسے پڑھتے پڑھتے قرنتیوں کے پہلے خط کے تیرھویں باب تک پہنچا جو ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے "اگر میں آدمیوں کی یا فرشتوں کی زبانیں بولوں پر محبّت نہ رکھوں تو میں ٹھنٹھناتا پیتل اور جھنجھناتی جھانجھ ہوں"۔ جب باب ختم ہو گیا تو اپنے دل کو لطافتِ مضمون پر فریفتہ پایا کیونکہ میں نے کبھی نہ ایسے کامل اخلاق کا فوٹو دیکھا تھا اور نہ سُنا تھا بلکہ اُس کا خیال بھی کبھی خواب میں نہ آیا تھا۔ سو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ باتیں انسانی دماغ سے بعید ہیں پس ضرور ہے کہ یہ اُسی خدا کی بتائی ہوئی ہیں جس کی تلاش میں میں سرگرداں ہوں۔ اس کے بعد میں نے یوحنّا کی انجیل کا مطالعہ شروع کیا اور مسیح کے کلام نے مجھے حیرت سے بھر دیا۔ اور میں نے فوراً محسوس کیا کہ میں اُس کے کلام کو ردّ نہیں کر سکتا اور نہ اُس پر ایمان لانے سے پہلوتہی کر سکتا ہوں۔ پس میں نے اُسے قبول کیا؛

اب یہ قصّہ نہایت غور طلب ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب اس جاپانی نے قرنتیوں کا تیرھواں باب پڑھا اور اُس کے عجیب اثر کو محسوس کیا تو اُس نے کوئی سوال اُس شخص کی نسبت نہیں کیا جس سے یہ خط منسوب کیا جاتا ہے۔ یعنی اُس نے یہ نہیں پوچھا کہ آیا اس خط کا مصنّف الہام یافتہ شخص ہے یا نہیں۔ اور نہ اُس نے یہ دریافت کیا کہ جو شخص اس خط کا لکھنے والا سمجھا جاتا ہے وہ دقیقہ رس۔ نکتہ سنج اور رمز شناس مغز رکھتا تھا یا دھوکے

میں آجانے والا آدمی تھا؟ اور نہ اس بات کے تحقیق کرنے میں وقت صرف کیا کہ کیا اُس کی تعلیم کی ہر ایک بات کو خدا کی مرضی اور ارادہ کا مکاشفہ سمجھنا چاہئیے یا نہیں؟ اور نہ ہی یہ پوچھا کہ اُس نے اپنی رسالت کے ثبوت میں کبھی کوئی معجزے دکھائے اور اگر دکھائے تو کیا وہ پختہ شہادت سے ثابت کئے جا سکتے ہیں اور کیا وہ تعلیمات جن کی تصدیق میں اُس نے معجزات دکھائے بے تحریف ہمارے پاس پہنچی ہیں یا نہیں؟ اس قسم کا کوئی سوال اِس جاپانی کے دل میں پیدا نہ ہوا اور اگر ہوا تو فوراً کافور ہو گیا کیونکہ وہ اُس کو غیر ضروری سمجھا۔ کیونکہ اس سوال کا جواب کہ کیا یوآس کو آسمانی نور ہدایت میسر تھا؟ یہی ہے کہ وہ نور خود بخود اُن الفاظ میں چمکتا ہے جو تیرھویں باب میں پائے جاتے ہیں۔ اس جاپانی نے اُس روشنی کو دیکھا اور اس بات کو تسلیم کیا کہ آسمان کو چھوڑ کر اور کسی ادنےٰ طبقہ سے یہ نور برآمد نہیں ہو سکتا تھا۔

اور اسی طرح جب وہ چوتھی انجیل کا مطالعہ کرنے لگا تو اُس نے اُس تحیّر اور تعجب کو روکنے کے لئے جو یوحنا کی انجیل کی بلند خیالی سے پیدا ہوا یہ نہیں پوچھا کہ اس کتاب کا مُصنّف کون ہے؟ کیا یوحنا اسکا مصنف ہے؟ اور اگر ہے تو میں کس طرح جانوں کہ یہ انجیل حقیقت میں اُسی کی لکھی ہوئی ہے؟ ایک مفلوج کا بیت حسدا کے حوض کے کنارے شفایاب ہونا پانچ ہزار اشخاص کا پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں سے آسودہ کیا جانا ایک جنم کے اندھے کا دولت بصارت سے مالا مال ہونا۔ لعازر کا مُردوں میں سے جلایا جانا یہ سب باتیں نہائت حیرت خیز ہیں۔ تاہم یہ جاپانی ایک معجزے کو دوسرے سے جُدا کر کے یہ نہیں پوچھتا کہ کیا لکھنے والے نے ایک ایک معجزے کو بچشم خود دیکھا؟ اور نہ ہر ایک معجزہ کو معیار تحقیق پر لگا کر اس تجسس میں مستغرق ہوتا ہے کہ اگر ممکن ہو تو ہر معجزہ

کی کوئی عام یا نیچرل تشریح تجویز کرے۔ اگر وہ ایسا کرنے کی کوشش کرتا تو بیجا نہ ہوتا کیونکہ وہ دقیقہ سنجی کی ایسی قابلیت رکھتا تھا جسے چراغ علم اور نور تجربہ نے اَور بھی دوبالا کر دیا تھا اور اگر وہ چاہتا تو ان باتوں پر اعتقاد نہ لاتا۔ لیکن یہ ہو نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ نور جو اُس پر مسیح کی زندگی اور تعلیم کا حال پڑھتے ہوئے چمکا ایک اَور ہی دُنیا سے آیا تھا۔ اُس نے اُسے دیکھا اور یہ کہتے ہوئے مسیح کے پاؤں پر گرنا مناسب سمجھا "اے میرے خداوند اے میرے خدا!" اس نے کبھی یہ خیال نہ کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ الٰہی کمالیت جو اس انجیل کے الفاظ و اوراق میں جلوہ نما ہے مسیح کے شاگردوں کی محبت اور تعظیم سے پیدا ہوئی ہو۔ اور کیوں اُس نے یہ خیال نہ کیا؟ اس لئے کہ یہ خیال کرنا ناممکن تھا۔ اگر کوئی شخص صبح صادق کے انوار لطافت بار کو دیکھکر یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ روشنی زمینی آگ سے پیدا ہوئی ہے تو یہ جاپانی بھی اس بے بنیاد خیال کو اپنے دل میں جگہ دیتا۔ اُس نے مسیح کے الٰہی تجمل اور الٰہی فضل کے جلال کو دیکھا سو وہ بجز اس کے اَور کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ اُس کے سامنے گر کر اُسے سجدہ کرے اور اُس کی عبادت میں مصروف ہو اگر بعد میں اُس کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوتا کہ کیا جب میں نے مسیح کو دیکھا تو حقیقت میں خدا کو اُس میں دیکھا؟ تو اس شکّیہ سؤال کا جواب اُس کا شخصی تجربہ دیتا جو مسیحی نجات کی حقیقت کا مزہ چکھ چکا تھا۔

اب اس شخص کے احوال سے روشن ہے کہ اُس کے دل میں ایمان اُس وقت پیدا ہوا جبکہ اُس نے خدا کے جلال کو مسیح میں جلوہ گری کرتے دیکھا۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ایمان لانے سے بہت مدت پہلے اُس کا دل تیار ہو رہا تھا۔ جب کنفیوشس کی کتابیں پڑھکر اور اُس کی ذومعنی باتوں سے

دوچار ہوکر اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ خدائے تعالیٰ ایک ایسی ہستی ہے جو مُدرک بالذّات اور تشخص کی صفات سے مُتّصف ہے تو اُس نے اسے فلسفانہ اُلجھن سمجھکر ردّ نہیں کیا۔ بلکہ اس خیال نے اُس کو بے آرام کردیا اور اطمینان دلی کی بُنیادیں ہلادیں۔ وہ زندہ خدا کے علم سے خائف نہ تھا بلکہ مانتا تھا کہ اگر وہ "آسمان" جس کا ذکر کنفیوشس نے کیا ہے ایک شخص کا نام ہے جو راستباز اور مہربان ہے اور جس میں بنی آدم جیتے اور چلتے پھرتے اور زندگی بسر کرتے ہیں تو وہ شخص قدرت اور برکت کا سوتا ہے۔ وہ نور جو ہر شخص کو مُنوّر کرتا ہے پردہ مغائرت کو چاک کرکے اُس کے کلبۂ دل میں ذرا سا روشن ہوا۔ اُس نے اُسے دیکھا۔ اُسے پیار کیا اور اُسکی نسبت زیادہ جاننا چاہا۔ سو جب اُس نے یُوحنّا کی انجیل شروع کی تو اُس کے جھگڑے سے سیر ہوا جس کے دیدار صداقت آثار کا مشتاق تھا۔ اس صفت کی کیسی اشد ضرورت ہے کہ جب لوگ خدا کو دیکھیں تو فوراً اُسے پہچانیں کہ یہی وہ خدا ہے جس کے متلاشی ہم ہیں۔ ہمارے جاپانی دوست نے خدا کو دیکھا اور پہچانا کہ یہی میرا خدا ہے۔

اب جیسا ہم اُوپر ایک جگہ عرض کرچکے ہیں اس شخص کے دل میں اُس جلوۂ الٰہی نے جو مسیح میں ظاہر ہوتا ہے ایمان پیدا کیا۔ پر اُن کے دل میں جو عیسائی ہوکر ایسے نظّاروں سے خوش وقت ہوتے ہیں یہ نظّارے ایمان کو تقویت بخشتے ہیں۔

اُن کی ضمیر اقرار کرتی ہے کہ مسیح خدا ہے۔ مسیح کو چھوڑ کر ضمیر کا فیصلہ قطعی ہوتا ہے۔ ضمیر کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ کوئی ادنےٰ یا مساوی درجہ کا حاکم اُس کے فیصلوں اور دعووں کی تائید کرے۔ وہ جو کچھ

کہتی ہے سو شاہانہ اور حاکمانہ اختیار سے کہتی ہے اور اُس کے فیصلہ کے خلاف اپیل نہیں کی جا سکتی - پر مسیحیوں کے لئے مسیح ان کی ضمیر ہے - وہ اس طرح استدلال نہیں کرتے "مسیح نے معجزے دکھائے - لہذا وہ منجانب اللہ ہے اور چونکہ وہ من جانب اللہ ہے اِس لئے اُس کی اطاعت لازم ولابد ہے" نہیں وہ اس منطق کی چنداں پروا نہیں کرتے - اُن کے لئے اُس کا ایک لفظ کافی ہے - کیونکہ اُن کی ضمیر مسیح کو دیکھتی اور مانتی ہے کہ وہی انسان کی رفتار وگفتار کا سچا مالک اور مختار ہے - لہذا اُن کی ضمیر اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتی ہے - مسیح "فقیہوں کی طرح" کلام نہیں کرتا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ وہ نہ پرانے عہد کے نبیوں کی مانند اور نہ نئے عہد کے رسولوں کی طرح کلام کرتا ہے - اُسے اِن میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے - وہ عدیم المثل اور لاثانی ہے - کیونکہ وہ بذات خود راستبازی کی ازلی شریعت کا مجسّم کلمہ ہے۔

اور نہ صرف ضمیر اُس کے جلال کی معترف ہے بلکہ زندگی کے ہر حصّہ سے بھی یہی صدا آتی ہے - وہ براہ راست زندگی کے اُن عناصر اور قواء کی طرف متوجّہ ہوتا ہے جو خدا کی حضوری کے اظہاروں کو محسوس کرنے کی قابلیت سے بہرہ ور ہیں اور وہ اُس کے دعوے منظور کرتے ہیں - سب خدا رسیدہ لوگ جانتے ہیں کہ اُن کا خدا کو پانا یا خدا کا اُنہیں پانا کیا مطلب رکھتا ہے - مگر وہ اس بھید کو بیان نہیں کر سکتے - ہم اُس کے ہاتھ کے مس کو محسوس کرتے اور بے ساختہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ یہ غیر مرئی ہاتھ اُسی کا ہے ایک طاقت ہم پر غالب آتی اور اُس کا غلبہ خود بخود بتا دیتا ہے کہ یہ طاقت ازلی خدا کی ہے - ایک نور چمکتا جس کے لمعات سے آپ ہی آپ عیاں ہوتا کہ یہ انوار پُر اسرار ذاتِ الٰہی سے پیدا ہوئے ہیں - تنہا گوشوں میں رفیع الشان

پہاڑوں پر۔ متلاطم سمندر کے ساحلوں پر۔ ہرے ہرے کھیتوں کے درمیان بڑے بڑے جنگلوں کے بیچ اور عالیشان شہروں کے آباد گلی کوچوں کے اندر یہ جلال اپنا جلوہ دکھاتا ہے۔ کبھی کبھی ایسے وقت چمک اُٹھتا ہے کہ ہم بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ اور کبھی کبھی ڈھونڈنے سے نہیں ملتا اور مسیحیوں کو یہ تجربہ بسا اوقات اناجیل کی تلاوت کرتے وقت نصیب ہوتا ہے اور وہ دیکھتے ہیں کہ کوہ ہرمون پر تبدیل صورت کے وقت پطرس اور یعقوب اور یوحنا نے جو جلال دیکھا تھا وہ اُس جلال سے جو ہم دیکھ رہے ہیں کسی طرح بڑھ کر نہ تھا اور پھر وہ اُن آیات کے محتاج نہیں رہتے جن پر واقف کاران علوم الٰہیات مسیح کی الوہیت کی دلائل قائم کیا کرتے ہیں۔ ہاں جب وہ اُس کے کلام کو پڑھتے ہیں تو مسیح اُن کی تعظیم اور محبّت اور عبادت کی نذر طلب کرتا اور وہ بڑی خوشی سے اِن چیزوں کو اُس کے پاؤں پر نثار کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ وہ علم الٰہی کی اصطلاحی تعریفوں سے بالکل ناآشنا ہوں۔ اور عقیدوں کی بعض بعض مشکل باتوں کو بخوبی نہ سمجھ سکیں۔ پر اس بات کے سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتے کہ مسیح ہمارے لئے وہی ہے جو خدا ہے اور کہ جس نے اُسے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا ہے ؛

پر سؤال کیا جا سکتا ہے کہ کیا یہ لوگ فریب خوردہ نہیں ہیں؟ کیا وہ جلوہ جسے وہ خدا کا حقیقی نظارہ سمجھے بیٹھے ہیں درحقیقت ایک قیاسی سراب نہیں؟ اگر یہ سؤال اُن لوگوں سے پوچھا جائے تو وہ یہ جواب دینگے کہ یہ خیال خام ہو یا نہ ہو مگر ہم اتنا جانتے ہیں کہ مسیح کا حال اناجیل میں پڑھتے وقت جو اثر ہم پر پیدا ہوا وہ ایسا شہزور تھا کہ روکے سے نہیں رُک سکتا تھا۔ اور جس طرح ہماری سرشت میں یہ بات داخل ہے کہ آگ کی گرمی سے ہم جل اُٹھتے۔ اور

برف کی خنکی سے اُف اُف کہنے لگ جاتے ہیں اسی طرح یہ بات بھی ہماری ساخت میں شامل ہے کہ مسیح کا احوال ہمیں مشفقانہ جبر سے یا یوں کہیں کہ ایک پُرفضل طاقت کے جوش سے مجبور کرتا ہے کہ ہم اُس کی صداقت پر ایمان لائیں۔ ہمارے لئے مادّی دُنیا کی ہستی کا انکار کرنا اس سے آسان ہے کہ ہم تاریخی مسیح کی حقیقت کا انکار کریں۔ ہاں یہ لوگ یہی جواب دینگے کہ اوروں کو تاریخی گواہوں کی ضرورت ہو تو ہو مگر ہمیں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک یہ احوال ایسا ہی عجیب وغریب ہے جیسے خدا کی قدرت کے دیگر عجائبات۔ جس طرح اُن کو کوئی انسان نہیں بنا سکتا۔ اُسی طرح اس بیانِ عظیم الشان کو بھی کوئی انسان اپنے مغز سے ایجاد نہیں کرسکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ کہیں کہیں اِنسانی دست اندازی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں مگر وہ ویسے ہی ہیں جیسے بڑے بڑے پہاڑوں اور سمندروں پر نظر آتے ہیں۔ کوہستان پر جابجا سڑکیں بنی ہوئی ہیں۔ عمارتیں کھڑی ہیں۔ اسی طرح سمندروں کا حال ہے۔ اُن کے کناروں پر بھی اِنسانی صنعت کے نشان موجود ہیں۔ پر تاہم اس پر کوئی شک نہیں لاتا کہ نہ کوہ ہمالیہ کو اور نہ بحرالکاہل کو کسی انسان نے بنایا ہے۔ قبل ازیں کہ اِنسان کا ہاتھ وجود میں آیا پہاڑ اور سمندر موجود تھے۔ اور جب وہ موجود ہوا تو اُس کے دخل نے ان کی اصل حقیقت اور بزرگی پر کسی طرح کا اثر نہ ڈالا اور نہ اُنہیں چھپایا۔ اسی طرح کسی اِنسانی تعظیم یا لیاقت نے تاریخی مسیح کی حقیقت کو ایجاد نہیں کیا۔ مسیح انجیل نویسوں کے بیان سے پہلے ہی موجود تھا۔ اور اگر طرزِ بیان میں انسانی محدودیت اور کمزوری کے کوئی نشانات نظر آتے ہیں تو وہ اِس نتیجہ کی صحت پر کسی طرح کا اثر نہیں ڈالتے کہ جو بیان انجیلوں میں پایا جاتا ہے وہ خدا کی زندگی اور

شخصیت کے اُس عجیب اظہار کا صحیح اور سچا بیان ہے جو مسیح کی انسانی صورت میں اُن شرائط کے مطابق جو انسان کی زندگی اور شخصیت پر حاوی ہیں نمایاں ہؤا ؛

جنہوں نے انجیلی مسیح میں خدا کا جلوہ دیکھا ہے اُن کے نزدیک انجیلی بیان کا تاریخی میزان میں پورا اُترنا خالی از دلچسپی نہیں مگر تاہم وہ یہ نہیں مانتے کہ سب کچھ اسی پر منحصر ہے۔ کیونکہ مسیح کی تاریخ عام تاریخ نہیں ہے۔ اگر وہ عام تاریخ ہوتی تو ضرور تھا کہ معمولی آزمائش کے وسیلے یا تو درست ثابت ہوتی اور یا ناقص۔ مگر وہ ایک عجیب قسم کی تاریخ ہے۔ پس بجائے اس کے کہ حواریوں کی معتبری کے ثبوت کی محتاج ہو اُلٹا حواریوں کی معتبری کو ثابت کرتی ہے۔ اور اس میں کوئی بات خلاف عقل معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اگر مسیحی مذہب کے اس دعوے کو زیر نظر رکھیں کہ یسوع مسیح وہ ازلی کلمہ ہے جو مجسم ہؤا اور بنی آدم کے درمیان فضل اور سچائی سے معمور ہو کر سکونت پذیر ہوا اور اُس کے شاگردوں نے اُس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا تو لازمی امر ہے کہ اُس کی زمینی زندگی کے احوال کا ثبوت خود اُسی احوال میں موجود ہو۔ اور کیا یہ انھونی یا خلاف عقل بات ہے کہ جو خدا کو جانتے ہیں وہ اُس کی آواز اُس کے ازلی بیٹے کے کلام میں پہچانتے ہیں اور اُسکی قدرت اور زندگی کو اُس کے بیٹے کی خصلت اور سرگذشت میں محسوس کرتے ہیں؟

پر ہم مانتے ہیں کہ جن کو مسیح میں خدا کا دیدار حاصل ہوا ہے وہ بھی فطرتِ انسانی کی ادنےٰ درجہ کی طاقتوں کی بغاوت سے نہیں چھوٹے جو ایمان کی حقیقت کے برخلاف واویلا مچاتی ہے اور اُنہیں اُس نکتہ چین ذاتی لیاقت کی شکایتوں کو سننا پڑتا ہے جو علم النفس کی حقیقتوں کا امتحان اور

اُن کی دُرستی پر اعتراض کرتی رہتی ہے۔ کوئی ایسا خیال نہ کرے کہ مسیحی فریب خوردگی کے فلسفہ سے ناواقف ہیں اور اُن اسرار اور جادو بھرے آثار کو نہیں جانتے جو اَندیکھی طاقتوں کے وسیلے زندگی کے مخفی مکانوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اس بات کی خبر نہیں رکھتے کہ انسان کا دِل آسانی سے اشیائے خارجی کو اپنی شکل میں مُبدّل اور اپنے رنگ سے رنگین کرلیتا ہے۔ اور اُس کی قوتِ واہمہ اور اُس کے جذبات ذہنی تصوّرات کو ایسا قالب پہناتے ہیں کہ ایک عرصہ کے لئے وہ سچی حقیقتوں کی مانند دکھائی دیتے ہیں۔ پر یاد رہے کہ سچے مسیحیوں نے روح کے اعلےٰ تجربوں کو بڑی سنجیدگی اور منصفانہ بے ریائی کے ساتھ آزمانا سیکھ لیا ہے اُن کا یہ تجربہ کہ ہم نے تاریخی مسیح میں الٰہی جلال کو مشاہدہ کیا ہے گہری سے گہری آزمائش اور مشکل سے مشکل پڑتال کی برداشت کرسکتا ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ جب ہم نے خدا کو اس میں دیکھا تو خدا کا تصوّر تنگ یا تاریک یا کمزور نہیں ہوا بلکہ پہلے کی منسبت ہزارہا درجہ وسیع اور نورانی بن گیا۔ اُس کے تجسّم۔ اُس کے معجزات۔ اُسکی محبّت۔ اُس کی پاکیزگی۔ اُس کی ملائمت۔ اُس کی قدرت۔ اُس کے انسانی تجربے اُس کی باپ میں چھپی ہوئی زندگی۔ اُس کے وعدے۔ اُس کی دھمکی۔ اُس کی معافی بخش موت۔ اُس کی قیامت سے جو تصوّر خدا کا پیدا ہوتا ہے وہ نہ صرف اس لئے عظیم معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے لاثانی محبّت ٹپکتی ہے۔ بلکہ وہ جلال اور تجمّل کے سبب سے بھی اُس تصوّر پر سبقت لے جاتا ہے جو چمکیلے عالموں اور درخشاں کُرّوں سے بھرے ہوئے آسمانوں کو دیکھکر یا اُس لامحدود زمانہ پر نظر ڈال کر دل میں پیدا ہوتا ہے جس میں وہ مخلوقات کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا چلا آیا ہے۔

وہ دیدارِ الٰہی جو تاریخی مسیح میں انسان کو نصیب ہوتا ہے فریب خوردگی کا نتیجہ نہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اُس میں اور زندہ مسیح کے اُس علم میں جو شخصی تجربہ سے حاصل ہوتا ہے کامل مشابہت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ زندہ مسیح جس پر ایمان لایا جاتا اور جو اِنسان کے علم اور ادراک میں حاضر ہو کر مسیحی زندگی کے لئے ایک عجیب طاقت کا حکم رکھتا ہے خدا ہے۔ تاہم خدا سے نرالا ہے۔ انسان ہے تاہم اِنسان سے لاکھہا درجہ بڑھکر ہے۔ اور اگر اب اُس کی انسانیت اُس کی الوہیت کے سبب جلالی ہو رہی ہے تو اسی طرح ایک وہ وقت بھی تھا جبکہ اُس کا الٰہی جلال انسانی حدود کے ماتحت ظاہر ہوا۔ یہی مسیح جو اَب ازلی خدا کے تخت پر متمکّن ہے کسی وقت اس دنیا میں رہتا تھا۔ اور مسیحی جانتے ہیں کہ خواہ اُس کے تاریخی بیان میں کیسا ہی سقم کیوں نہ ہو تاہم انجیل کا مسیح وہی شخص ہے جس کے علم بے واسطہ سے وہ بہرہ ور ہیں اور جس کے وسیلے اُنہوں نے ہمیشہ کی زندگی اور ابدی نجات حاصل کی ہے۔ اور وہ دیکھتے ہیں کہ انجیل کا مسیح اُس زندہ مسیح سے مختلف نہیں جو اُن کے دل میں جلوہ نما ہُوا۔ بلکہ دونوں تصوّر ایک دوسرے سے گندھے ہوئے ہیں دونوں ایک ہی ہیں۔

اب اگر مسیح کی زمینی زندگی کا کل احوال گم ہو جاتا اور اُس کی نسبت ہمیں نہ پختہ شہادتوں کے وسیلے اور نہ روائتوں کے ذریعے اس سے زیادہ پتہ ملتا کہ وہ ہمارے گناہوں کے لئے مارا گیا اور پھر مُردوں میں سے جی اُٹھا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ یا اس سے ذرا زیادہ یہ معلوم ہوتا کہ وہ ناصرت کا رہنے والا تھا اور کہ یہودیوں نے مخالفت سے مگر خدا کے ازلی ارادے کے مطابق اُسے مصلوب کیا۔ اگر ہم کو صرف اتنا حال معلوم ہوتا ہے اور ہم اُسے اپنی قوتِ

متخیلہ سے پورا کرنا چاہتے تو کیا یہ ممکن تھا کہ اُس کے پستی کے زمانہ کی ایک ایسی وہمی تاریخ تحریر کرتے جو اُس کے ازلی جلال سے سرِ مُو اختلاف نہ رکھتی اور اُس سے صاف معلوم ہوتا کہ وہ جو سچا انسان ہے ازلی خدا کا بیٹا بھی ہے انسان کے لئے ایسی تاریخ تحریر کرنا محال تھا۔ پر انجیلوں میں اُس کی زمینی زندگی کا جو بیان قلمبند ہے اُس میں اور اُن رشتوں میں جو وہ باپ اور انسان کے ساتھ رکھتا ہے دائمی تعلق اور ربط پایا جاتا ہے۔ وہ کل اور آج اور ہمیشہ یکساں ہے۔ ہاں زمینی مسیح اور آسمانی مسیح ایک ہی ہے ؞

اُس کی زندگی کے اُن حالات پر جو انجیلوں میں قلمبند ہیں غور کرو اور آزماؤ کہ یہ بات درست ہے یا نہیں۔ اُن کے مطالعہ سے صاف روشن ہے کہ وہ کامل انسان ہے۔ مثلاً وہ پیدا ہوا اور بڑھا۔ ماسوائے اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا ہوتا تھا۔ وہ تھک کر سوجاتا تھا۔ وہ مصلوب ہُوا اور مارا گیا۔ وہ علم میں بڑھتا گیا وہ ہماری مانند خانگی تعلّقات اور قومی رشتوں کا پابند تھا۔ وہ آزمایا گیا۔ اُس نے دعا کی۔ وہ ہماری طرح باپ پر بھروسہ رکھتا تھا۔ اور روح القدس سے بھر جاتا تھا۔ غرضیکہ ہر طرح انسانی زندگی کے قانون سے مُقیّد تھا۔ پر اسکے ساتھ ہی یہ بھی روشن ہے کہ شروع ہی سے اُس کی الہٰی عظمت کے نشانات بھی اپنا جلوہ دکھا رہے تھے۔ چنانچہ وہ عورت سے پیدا تو ہُوا پر اس طرح نہیں جس طرح اَور بچے پیدا ہُوا کرتے ہیں۔ اُس کی ماں پر روح القدس سایہ کرتی ہے اور اُسے نبوّت کی روح سے بھر دیتی ہے۔ پھر پیدائش کے بعد فرشتے نمودار ہو کر اُس کی آمد کی خبر دیتے ہیں۔ ایک عجیب ستارہ پورب میں مجوسیوں کو اُس کی تشریف آوری سے آگاہ کرتا ہے۔ پھر ہم ہیکل میں جا کر دیکھتے ہیں کہ بارہ برس کی عمر میں اپنے سوالوں اور جوابوں کی حکمت اور دانائی سے سامعین

کو دنگ کر رہا ہے۔ پھر جب اپنا کام شروع کرتا ہے تو انوکھی اور نئی تعلیم دیتا ہے جو اپنی خوبی اور کشش سے تاثیر پذیر دلوں کو محو اور گرویدہ بناتی ہے۔ وہ بولتا ہے اور لوگ جان جاتے ہیں کہ یہ نئی باتیں ہیں اور کہ اُس کا علم خارجی ذرائع سے اخذ نہیں کیا گیا کیونکہ وہ فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ اختیار والوں کی طرح کلام کرتا ہے۔

پھر اُس کے معجزات لوگوں کو حیرت کا پُتلا بنا رہے ہیں۔ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اُس کے تمام معجزے محبت اور شفقت کے کام ہیں۔ وہ اپنی قدرت کے دکھانے کا مشتاق نہیں بلکہ بنی آدم کی ضرورتوں کے مطابق اُس قدرت کو کام میں لاتا ہے۔ بعض بعض معجزے عجیب طور پر اُس کی انسانیت اور الٰہی جلال کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً طوفان کو تھمانے کے معجزے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف اُس کے تھک کر سو جانے سے اُس کی انسانیت ثابت ہوتی ہے اور دوسری جانب بیدار ہو کر موجزن طوفان کو تھمانے سے الٰہی قدرت کا نظارہ جلوہ نما ہے۔ اسی طرح کا حیرت افزا نظارہ لعاذر کی قبر پر نظر سے گزرتا ہے ایک طرف انسانی غموں سے مُتاثر ہو کر آنسو بہاتا ہے دوسری جانب لب جاں بخش کو وا کر کے یوں فرماتا ہے "اے لعاذر نکل آ"۔ اور اُس کا دوست اُس کی آواز سُن کر باہر آتا ہے۔ اُس کے کلام میں کئی ایسے مقامات ہیں جن میں وہ ایسے حقوق اور ایسی قدرتوں کا دعوےٰ کرتا ہے کہ اور نبیوں نے ویسا دعویٰ کبھی نہیں کیا۔ وہ انسان کے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔ اور تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہوؤں کو بُلاتا ہے تاکہ اُنہیں آرام دے۔ وہ کہتا ہے کہ جہاں دو یا تین میرے نام پر فراہم ہوں میں اُن کے بیچ حاضر ہونگا۔ وہ خدا کے گلّہ کا گڈریا ہے۔ وہ بھیڑوں کے لئے جان دینے آیا ہے

تا کہ ایک ہی گلہ اور ایک ہی گڈریا ہو۔ وہ اُن سب کو جو اُس کی آواز سُنتے اور اُس کے پیچھے ہو لیتے ہیں ہمیشہ کی زندگی دینے کا دعوےٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری بھیڑیں کبھی ہلاک نہ ہونگی اور نہ کوئی اُنہیں مجھ سے چھین سکیگا۔ اور یہ زندگی ایسے طور پر نہیں دیتا کہ پانے والا زندگی پا کر اُس سے الگ ہو جائے بلکہ تازہ بتازہ پانے کے لئے ہر دم اُسی پر تکیہ کرنا پڑتا ہے اُس سے جُدا اُس کے بندے ڈالیوں کی طرح سُوکھ جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ راہ اور حق اور زندگی مَیں ہوں کوئی بغیر میرے باپ کے پاس نہیں آسکتا۔ مَیں باپ میں اور باپ مجھ میں ہے۔ جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مَیں باپ سے کہونگا اور وہ تسلّی دینے والا بھیجیگا۔ تا کہ تمہیں سکھائے مضبوط کرے اور محفوظ رکھے۔ اور پھر کہتا ہے کہ مَیں خود تسلّی دینے والے کو بھیجونگا اور وہ میرا جلال ظاہر کریگا۔ وہ اپنے تئیں باپ کا ہمراز اور ہمسر ٹھیراتا ہے جب کہ یہ کہتا ہے "جو مجھ سے محبّت رکھتا ہے وہ میرے باپ کا پیارا ہوگا اور مَیں اُس سے محبّت رکھونگا اور اپنے آپ کو اُس پر ظاہر کرونگا ..... اور میرا باپ اُس سے محبّت رکھیگا اور ہم اُس کے پاس آئینگے اور اُس کے ساتھ سکونت کرینگے"۔ اُسے چند روز کے بعد مرنا تھا پر اُس کا مرنا بہتوں کے گناہوں کی معافی کا باعث بتایا جاتا ہے۔ پر اُسے خود اپنے لئے معافی کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اُس نے کوئی گناہ نہ کیا۔

کیا ان باتوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح نہیں کہ اگرچہ وہ انسان تھا مگر تاہم انسان سے ہزار ہا درجہ بڑھکر تھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ وہ اَور آدمیوں کی مانند نہیں۔ البتّہ وہ آزمایا گیا پر اُس کی آزمائشیں ایسی تھیں جو صرف ازلی خدا کے مجسّم بیٹے پر ہی آسکتی تھیں۔ اُس نے دُعا کی پر

اَوروں کے ساتھ شامل ہو کر نہیں۔ اُس کا تعلّق اور رشتہ باپ کے ساتھ بالکل نرالا ہے۔ اور اگرچہ اُس کی دُعاؤں سے کمال درجہ کی خاکساری ٹپکتی ہے۔ پر ساتھ ہی وہ آزادی مترشح ہے جو زندگی کی یکتائی اور درجہ کی یگانگت پر مبنی ہے اور کسی انسان کو حاصل نہیں۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ اب ان ساری باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ازلی رشتہ جو وہ باپ کے ساتھ رکھتا ہے حقیقی اور سچا ہے اور اسی طرح اُس کا اِنسانی رشتہ بھی صحیح اور برحق ہے یہ قصّہ انسان کی ساخت اور ایجاد نہیں ہو سکتا۔ پس یہ وہی مسیح ہے جسے ہم جانتے ہیں۔ جسے تمام مسیحی ساٹھ پشتوں سے دیکھتے اور جانتے ہیں ؛

جو کچھ ہم اب تک تحریر کر چکے ہیں اُس پر کئی اعتراض کئے جا سکتے ہیں اور اب ہم اُنہیں اعتراضوں پر غور کرینگے ؛

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ ہم نے اس سوال کا کہ "اِس کا کیا باعث ہے کہ مسیحی لوگ باوجود طرح طرح کی مشکلات اور حملات کے مسیحی مذہب کو مانتے چلے جاتے ہیں؟" اس طرح جواب دیا ہے۔ کہ مسیحی خواہ شروع میں کسی شہادت کے زور پر مسیحی مذہب کو قبول کریں مگر بعد میں اس لئے اُس کو مانتے ہیں کہ اُسے اپنے شخصی تجربہ میں راست اور برحق پاتے ہیں۔ اور ہم نے اسی دعوے کی توضیح اور تصدیق کیلئے یہ مثال دی تھی کہ ہمارا وہی حال ہے جو بڑھئی کا تھا کہ اگرچہ اُس نے کسی آتے جاتے راہی سے یہ خبر پائی ہوگی کہ مسیح اندھوں کی آنکھوں کو بینا کر سکتا ہے کیونکہ اُس نے یروشلیم میں بھی ایک نابینا کی آنکھ کو روشن کیا ہے اور اگرچہ اُس نے اسی خبر کو سُن کر جس کا کافی ثبوت شائد وہ راہی نہیں دے سکتا تھا۔ پہلے پہل مسیح کی معجزانہ قدرت کو تسلیم کیا ہوگا۔ مگر جب خود اُس کی آنکھیں اُس کی طاقت باکرامت سے وا ہوگئیں تب اُس کو

نہ صرف اس بات کا یقین ہُوا کہ مسیح اندھوں کو بینا کرنے کی قدرت سے مالامال ہے بلکہ اس بات کا بھی پُورا پُورا یقین ہو گیا ہو گا کہ یروشلیم کے اندھے کے بینا ہونے کا جو قصہ میں نے ایک اجنبی سے سُنا تھا وہ بھی صحیح ہے۔ دوسرے الفاظ میں یُوں کہیں کہ جب اُس نے اپنے دوستوں کے چہروں کو۔ یریحو شہر کی گلیوں اور محلوں کو۔ بحیرۂ مُردار کے پانی کو اور کوہستان موآب کو نیلگوں آسمان سے باتیں کرتے دیکھا ہو گا تو اُس کا ایمان شخصی تجربہ کی محکم بنیاد پر قائم ہو گیا ہو گا۔ اسی طرح ممکن ہے کہ مسیحیوں کا اعتقاد شروع شروع میں قدیم روائت پر۔ یا دوستوں کی گواہی پر جو مسیح کے فضل اور مسیحی نجات کے جلال پر دی گئی قائم ہو یا اس یقین پر مبنی ہو کہ مُقدس نوشتے اپنے الہام اور اختیار میں بے نقص ہیں اور بعد میں اُن کو یہ معلوم ہُوا ہو کہ روائت پر اپنے ایمان کی عمارت کو تعمیر کرنا گویا ریت پر گھر بنانا ہے۔ اور اسی طرح دوستوں کی شہادت بھی جو پہلے بڑی زور آور معلوم ہوتی تھی بعد میں اپنا زور کھو بیٹھے بلکہ وہ یہ یاد کرکے کہ ہم نے کس طرح اس گواہی کو صحیح مانا ورطۂ تحیر میں مستغرق ہو جائیں۔ اور اُن مباحثوں سے بھی واقف ہو جائیں جو چاروں انجیلوں کی معتبری اور اصلیت کے متعلق بالعموم جملہ صحائف انبیا کے الہام کی نسبت آجکل زوروں پر ہیں اور نہ جانیں کہ ان مذہبی جھگڑوں کا انجام کیا ہو گا۔ اب اگر ان باتوں کے سبب وہ ابتدائی بنیاد جس پر شروع میں اُن کا ایمان قائم ہُوا تھا ہل جائے تو ہل جائے مگر اُس ایمان کو جو مسیح یسوع پر رکھتے ہیں ہرگز جنبش نہ ہو گی۔ کیونکہ وہ اپنے ذاتی تجربہ کے وسیلے اس بات کو محسوس کر چکے ہیں کہ زندہ مسیح وہ راہ ہے جو باپ تک پہنچاتی ہے۔ اور کہ وہی بنی آدم کا مُنجی اور مالک ہے ٭

مگر ہمارے اس دعوے پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ دیگر مذاہب کے

پیرو بھی اپنے ذاتی تجربہ کی نسبت یہی باتیں کہہ سکتے ہیں جو عیسائی اپنے شخصی تجربہ کی نسبت بیان کرتے ہیں +

مثلاً ایک سرگرم محمدی کہہ سکتا ہے کہ میرا شخصی تجربہ محمد صاحب کے مِن جانب اللہ ہونے کی ویسی ہی تصدیق کرتا ہے جس طرح تمہارا شخصی یا ذاتی تجربہ یسوع مسیح کے مِن جانب اللہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ اب اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا شئے ہے جس کی تصدیق محمدی کا ذاتی تجربہ کرتا ہے؟ کیا اُس کا تجربہ اُسی صداقت کی تصدیق کرتا ہے جو محمد صاحب کے پیغام سے وضاحتاً یا دلالتاً مستنبط ہوتی ہے یا اس سے بڑھکر کسی اَور بات کی تائید کرتا ہے۔ اب محمد صاحب کے پیغام کا لب لباب یہ ہے کہ خدا واحد ہے جس کی عظمت ہیبت انگیز جس کی مرضی مختار کل اور جس کی قدرت ایسی لامحدود ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی شئے ایسی نہیں جو اُس کا مقابلہ کر سکے وہ مومنوں کا محافظ اور مددگار ہے اور سب لوگ اُسی میں طاقت اور دلیری اور سلامتی پاتے ہیں۔ یہ تصورات ذات الٰہی کا گو پورے پورے طور پر کامل نہیں مگر جتنا ہے صحیح ہے (یاد رہے کہ ہم جزئیات کا ذکر نہیں کرتے بلکہ مجملاً اسلام کے عام مسائل کو پیش کرتے ہیں کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ معترض کا اعتراض جس قدر زور حاصل کر سکتا ہے کرے تا کہ اسی قدر ہمارے جواب کا زور بھی محسوس ہو) اب ہمارے محمدی بھائی کا یہ دعوے کہ میرا شخصی تجربہ میرے ایمان کی جو میں خدا کی وحدت اور مہیب عظمت کی نسبت رکھتا ہوں تصدیق کرتا ہے بالکل صحیح ہے اور بُت پرست قوموں کے درمیان اِس عقیدے کو تھامے رکھنے کے واسطے کافی دلیل معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں اس بیان یا اقرار سے ذرا تعرّض نہیں +

مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے تجربے سے محمد صاحب کی ذات خاص کی نسبت کچھ نہیں سیکھ سکتا۔ کیونکہ جس بات کو اُس کا تجربہ راست ٹھیراتا ہے وہ محمد صاحب کے پیغام کے ایک حصہ کی صداقت ہے۔ اور وہ اُس سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جس شخص نے یہ پیغام دیا ہے وہ من جانب اللہ ہے اور ہم اُنکے نتیجے کے استنباط پر بحث بھی نہیں کرینگے۔ پر اگر وہ اس سے بڑھکر یہ نتیجہ نکالے کہ جو کچھ محمد صاحب نے سکھایا اور فرمایا ہے اُس سب کی تصدیق میرا تجربہ کرتا ہے مثلاً جو کچھ اُنہوں نے جنت کی نفسانی لذتوں کی نسبت فرمایا ہے اُسکی سچائی پر بھی میرا ذاتی تجربہ دال ہے تو ہم اس پر ضرور اعتراض کرینگے اور کہینگے کہ جو کچھ ذاتی تجربہ سے صحیح ثابت ہوا ہے اُسے شوق سے مانو مگر یہ یاد رکھو کہ محمد صاحب کا چند صداقتوں کو ظاہر کرنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ سخت غلطیوں میں ہرگز گرفتار نہیں ہو سکتے تھے۔ اُن کی تعلیم کے وہ حصص جن کی صداقت کو تم نے راست پایا تمہیں مجبور نہیں کرتے کہ اُن تعلیمات کو بھی درست تسلیم کرو جو فی نفسہ نادرست ہیں۔ پس وہ تعلیم محمدی جس کی تصدیق نہیں ہو سکتی وہ صرف محمد صاحب کے بیان پر مبنی ہے اور تمہارے ذاتی تجربہ میں کوئی ایسی شئے نہیں جو محمد صاحب کی سند کی حقیقت یا وسعت کو تم پر صحیح صحیح طور پر ظاہر کرے ۔

لیکن یہ اعتراض اس غلط خیال پر مبنی ہے کہ جو کچھ ایک مسیحی کا تجربہ ہوتا ہے وہی ضرور ایک محمدی کا تجربہ بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ در اصل ایسا نہیں ہوتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ محمدی کے تجربہ میں اگر تصدیق ہوتی ہے تو صرف اُس پیغام کے ایک حصہ کی ہوتی ہے جو بارہ تیرہ صدیاں گزریں محمد صاحب کے وسیلے اہل عرب کو ملا لیکن مسیحی جس بات کا ثبوت اپنے تجربہ میں پاتا ہے وہ وہ فضل

کی قدرت ہے جو مسیح کی ذات بابرکات سے برآمد ہوتی ہے۔ جس سچائی کا تجربہ محمدی کو نصیب ہوتا ہے وہ محمد سے ایک خارجی اور بالائی علاقہ رکھتی ہے۔ لیکن مسیحی کے تجربہ میں جو بات صادق ثابت ہوتی ہے وہ یہ نہیں کہ انجیل ایک یا کئی صداقتوں کا مجموعہ ہے جو شروع میں مسیح نے بیان فرمائیں بلکہ وہ ایسی صداقتوں کا مجموعہ ہے جو خود مسیح ہی سے علاقہ رکھتی ہیں یا یوں کہیں کہ تمام انجیل کی جان یا عطر مسیح آپ ہی ہے۔ محمد صاحب نے اپنا پیغام سُنایا لوگوں نے اُسے قبول کیا اور جتنی صداقت اُس میں موجود تھی اُس نے دُنیا میں گھر کیا۔ اور ناممکن نہیں کہ کئی محمدیوں کے تجربوں میں وہ صداقت صحیح ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اہل اسلام کو خود محمد صاحب کا کوئی تجربہ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن عیسائیوں کا یہ تجربہ ہے کہ مسیح خود نجات دیتا ہے کہ مسیح خود ہمیشہ کی زندگی بخشتا اور بُری خواہشوں کو دور کرتا ہے۔ کہ وہ خود تمام مسیحی راستبازی کی قدرت کا چشمہ ہے اور وہ جانتے ہیں کہ خود اُسی کے ساتھ ایمان کے وسیلے یکتائی اور یگانگت پیدا کرکے ہم نے ابدی آرام کی خوشی اور قربتِ الٰہی کی خوشوقتی حاصل کی ہے نہ کہ اُس سے جُدا اُس تعلیم کے وسیلے جو اُس نے دی تھی۔ پس ایک سچے مسیحی کو یہ علم بے واسطہ حاصل ہوتا ہے کہ زندہ مسیح ہی بنی آدم کا نجات دینے والا ہے۔ اب یہ نتیجہ تجربہ سے نہیں نکالا گیا۔ بلکہ اسی کا تجربہ مسیحیوں کو نصیب ہوتا ہے *

پھر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ مسیحی مذہب کے بگڑے ہوئے فرقے بھی اپنی خرابیوں کے ثبوت میں تجربے کی شہادت پیش کرسکتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ایک زود اعتقاد اور باطل پرست رومن کیتھلک جو خون کے گناہ کا مرتکب ہوا اور اب اپنے جرم کے احساس سے بڑی تکلیف اُٹھا رہا

ہے ایک کاہن کے پاس جاکر اپنے گناہ کا اقرار کرتا اور مطمئن دل لیکر واپس آتا ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ اس کا کیا سبب ہے؟ کیا یہی نہیں کہ وہ رومن کیتھلک محسوس کرتا ہے کہ پریسٹ گناہ سے کامل معافی بخش سکتا ہے۔ ہم اس کے جواب میں بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک قیاسی تجربہ ہے۔ جو ایک حقیقی تجربے کو نادرست ثابت کرنے کے لئے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ ہم اُس رومن کیتھلک کے دل کی سلامتی کی نسبت جو اُسے کاہن کی معافی سے میسر آئی کچھ نہیں جانتے۔ پر خیر فرض کیجئے کہ ایک رومن کیتھلک عیسائی نے خون کیا اور اپنے جرم کو محسوس کرکے ایسی تکلیف اُٹھائی کہ پریسٹ کے پاس جاکر اپنے گناہ کا اقرار کیا۔ فرض کیجئے کہ پریسٹ نے اُس کا اقرار سُن کر اُس کو معاف کردیا اور وہ اپنے گناہ کے ازتکاب کی تکلیف اور غم سے رہائی پاکر اپنے گھر کی طرف واپس آیا۔ اب پہلے یاد رہے کہ یہ محض ایک قیاسی یا فرضی بات ہے اور اس میں یہ نقص ہے کہ اس کا امتحان پورے پورے طور پر نہیں ہوسکتا کیونکہ ہم سوائے ایک فرضی مجرم کے جو فرضی معافی سے فرضی رہائی حاصل کرتا ہے اور کچھ نہیں دیکھتے۔ پر اگر حقیقت میں کوئی ایسا شخص ہو جس نے واقعی اپنے جرم کی کاوش سے نجات پائی تو ہم اُس سے چند سوال پوچھینگے۔ مثلاً ہم پوچھینگے کہ جس وقت آپ نے پریسٹ کے پاس اپنے گناہ کا اقرار کیا کیا اُسوقت اُس نے آپ کو یاد دلایا کہ مسیح گناہگاروں کے لئے مرا ہے؟ کیا آپ نے اُس موقع پر اُس پُرمحبت نجات دہندہ کو صلیب پر دیکھا؟ کیا آپ نے مسیح کو جو ابنِ خدا اور ابنِ آدم ہے اور جو دُنیا کے گناہ کے لئے قربان ہُوا معائنہ کیا؟ کیا وہ دلی آرام جو آپ نے حاصل کیا پریسٹ کے ذاتی اختیار پر مبنی ہے یا مسیح کے؟ اب اگر ان سوالوں کے جوابوں سے ظاہر ہو کہ پریسٹ صرف مسیح کی رحمت اور قدرت

کا وسیلہ تھا تو اس رومن کیتھلک کے تجربہ میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو ہمارے تجربے کے برخلاف ہو۔ بلکہ اُس کا تجربہ ہمارے تجربہ کا مُوید ہوگا۔ پر اگر ہم کو یہ جواب ملے کہ وہ تسلی جو اس رومن کیتھلک کو حاصل ہوئی وہ پریسٹ کے اختیار اور فیض پر قائم تھی تو ہم اُس کو ایک فرضی اور وہمی بات سمجھینگے۔

اب ایک اور اعتراض ہے جو کیا جاتا ہے یا کیا جاسکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ تم کیوں مسیح کو مانتے ہو تو وہ ان جوابوں میں سے جو اُوپر رقم ہوئے ایک جواب بھی نہیں دیتے بلکہ برعکس یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم مسیح کو اس لئے مانتے ہیں کہ بائیبل پیدائش سے لیکر مکاشفات تک الہامی کتاب ہے اور اُس کے ایک ایک فقرہ پر الٰہی مُہر لگی ہوئی ہے یا وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ انجیلیں ایسے لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں جن کا ایک ایک لفظ تسلیم کرنے کے لائق ہے اور اُن انجیلوں میں اُن معجزوں کا ذکر ہے جو مسیح نے دکھلائے اور اُن معجزوں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خدا کا بیٹا اور دُنیا کا نجات دہندہ ہے۔ لہذا ہم اُس کو حقیقی مُنجی سمجھکر اُس پر اپنی نجات کے لئے تکیہ کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ البتہ کئی مسیحی شکر گزاری کے ساتھ اس بات کا اقرار کرینگے کہ ہم کو وہ تجربہ حاصل ہے جو اُوپر بیان کیا گیا تاہم اس میں شک نہیں کہ اگر وہ بائیبل کے الہام پر شک لانا شروع کردیں یا اس خیال میں مبتلا ہوجائیں کہ متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا انجیلوں کے لکھنے والے نہیں تو اُنکا ایمان پاش پاش ہوجائیگا۔

اب ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ضرور کئی مسیحی اسی قسم کے جوابات پیش کرینگے۔ اگر اُن سے یہ پوچھا جائے کہ تم مسیح کو کیوں مانتے ہو۔ تاہم اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ وہ جو بائیبل کے الہامی ہونے کے قائل ہیں

اُن میں سے کئی ایسے ہیں جنہوں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ ہمارا ایمان کس بنیاد پر مبنی ہے۔ انہیں کلام الہٰی کے الہام پر کسی طرح کا ظن اور شبہ نہیں لیکن وہ ان کتابوں کی رُوحانی قدرت کے تجربہ کے سوا اور کوئی دلیل نہیں دے سکتے کہ ہم کیوں ان کتابوں کو الہامی مانتے ہیں۔ البتہ وہ کلیسیا کی اس روایت سے تو واقف ہیں کہ ان کتابوں کو الہام یافتہ لوگوں نے لکھا ہے پر قطع نظر اس بات کے تجربہ ہی وہ بنیاد اور وہ بُرہان ہے جس پر اُن کا ایمان قائم ہے۔ اگر اُن سے پوچھا جائے کہ کیا تمہارا ایمان روایت یا علما کے کلام پر مبنی ہے تو وہ بڑے زور شور سے کہینگے کہ نہیں ہمارا ایمان ان باتوں پر مبنی نہیں بلکہ اس یقین پر قائم ہے کہ یسوع مسیح بنی آدم کا نجات دہندہ ہے۔ پر چونکہ اُنہوں نے کبھی اُس تاریخی بُرہان کی خود تحقیق نہیں کی جو کہ انجیلوں کی اصلیت اور معتبری کے متعلق پیش کی جاتی ہے لہذا ظاہر ہے کہ اُن کا ایمان انجیلوں کی تاریخی معتبری پر مبنی نہیں بلکہ کسی اور ہی بات پر قائم ہے اور وہ اُن کا شخصی تجربہ ہے جس کے وسیلے اُنہوں نے مسیح کی الٰہی قدرت کا مزہ چکھا۔ اور انجیلوں کی روحانی تاثیروں کو محسوس کیا۔

اصل بات یہ ہے کہ جس طرح انسان کو بسا اوقات یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے فلاں کام کیوں کیا یا مَیں کیوں اُسے کرنے لگا ہوں؟ اسی طرح اُسے یہ بھی بارہا معلوم نہیں ہوتا کہ میرا اعتقاد یا یقین کون سی دلائل پر قائم ہے ولائت میں بعض بعض جگہ ایسے بیل پاٹے بنے ہیں جن کو دیکھکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا عمارت کا بہت سا حصہ اُنہیں کے اوپر کھڑا ہے مگر وہ بجز زیبائش کے اَور کوئی کام نہیں دیتے اگر اُن کو نکال دیں تو عمارت کو کچھ بھی جنبش نہ ہوگی۔ ایسا ہی حال کئی براہین اور دلائل کا ہوتا ہے جن کے اوپر بہت سی

باتیں قائم معلوم ہوتی ہیں۔ مگر درحقیقت تھامنے والی شئے کچھ اور ہی ہوتی ہے بڑی بڑی دلیلیں اور بڑے بڑے ثبوت مثل پپلیا یوں کے دکھائی دیتے ہیں اور عقل بڑے فخر سے یہ فیصلہ کرتی ہے کہ انہیں کھنبوں پر ایمان کی عمارت کھڑی ہے۔ مگر حقیقت میں ان ستونوں کا تعلق ذرا بھی ایمان کی پائداری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اگر ان کو کہیں کہیں سے کاٹ ڈالیں یا گرا بھی دیں۔ تو بھی ایمان کو کچھ لغزش نہیں ہوتی ؛

معمولی زندگی کے معاملات میں بہتیرے ایسے لوگ ملتے ہیں جو کاروبار کے متعلق نہائت عمدہ اور عملی فیصلہ تجویز کر لیتے ہیں پر اگر اُن سے پوچھا جائے کہ کون کون سی وجوہات کے سبب سے آپ نے یہ فیصلہ کیا تو اس کا جواب وہ نہیں دے سکتے۔ اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ جو نتائج وہ نکالتے ہیں اُنکی حکمت اور دانائی پر دلالت کرتے ہیں مگر وہ دلائل جن سے وہ نتائج اخذ کئے جاتے ہیں بالکل ردی ہوتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ دلیلوں سے نتیجے نہیں نکالتے بلکہ تجربہ اُن کی رہنمائی کرتا ہے جو اُن کو پہلے حاصل ہو چکا ہے اُن کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ پر اُن کے تجربہ کی تاثیر اپنا کام کر جاتی ہے۔ تجربہ ایسی تربیت کر دیتا ہے کہ وہ دلیر بننے کے وقت دلیر بن جاتے ہیں۔ ہوشیار اور چوکنا ہونے کی جگہ ہوشیاری کو کام میں لاتے ہیں جس پر بھروسہ کرنا چاہئے اُس پر بھروسہ رکھتے اور جہاں شک کرنے کی جگہ دیکھتے وہاں شک کرتے ہیں۔ اور یہ سب فیصلے صحیح ہوتے ہیں۔ پس اگر بعض مسیحی اپنے ایمان کی تسلی بخش وجہ یا دلیل پیش نہ کریں تو اس سے متعجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن کا ایمان مضبوط بنیاد پر قائم نہیں۔ اور نہ یہ ہی مطلب ہے کہ جو وجہ وہ اپنے ایمان کی بیان کرتے ہیں لوگ اُسے رد کر کے اُن کے ایمان کو

برباد کر دینگے - کیونکہ جیسا ہم اوپر دکھا چکے یہ ممکن ہے کہ جو دلیلیں انہوں نے پیش کی ہیں اُن میں سے کوئی بھی اُن کے ایمان کی بنیاد نہ ہو اصل بات یہ ہے کہ جو دلائل ایمان کی عمارت کو اُٹھائے ہوئے نظر آتے ہیں درحقیقت وہ خود ایمان پر قائم ہوتی ہیں - لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مسیح کو اس لئے ملنتے ہیں کہ ہم بائیبل کو مانتے ہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ ہم بائیبل کو اس لئے مانتے ہیں کہ مسیح کو مانتے ہیں - وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان انجیلوں کی تاریخی معتبری پر قائم ہے - پر حقیقت یہ ہے کہ انجیلوں کی تاریخی معتبری کا یقین مسیحی ایمان پر مبنی ہے - ہم مسیح کو جانتے ہیں اور انجیلوں میں اسی جانے ہوئے مسیح سے دوچار ہوتے ہیں لہذا ہم یہ مانتے ہیں کہ یہ انجیلیں بھی اعتبار کے لائق ہیں ؎

اب یہ سوال کہ کیا وہ ایمان جو ہم خداوند یسوع مسیح پر رکھتے ہیں اس بات کا ثبوت ٹھیر سکتا ہے کہ پاک نوشتے الٰہی الہام اور اختیار سے لکھے گئے ہیں ایک بڑا وسیع سوال ہے اور ہم اُس پر اس جگہ بحث کرنا ضروری نہیں سمجھتے ہیں - مگر یہ بات کہ آیا مسیحی کا ایمان چاروں انجیلوں کی تاریخی معتبری کے ثبوت کا کام دے سکتا ہے کہ نہیں ایک ایسا سوال ہے جو ہمارے سلسلہ مضمون سے بڑا گہرا تعلق رکھتا ہے - اور اسی پر آئندہ بحث کی جائیگی ؎

آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے ایک جگہ کہا ہے کہ مسیحی انجیلوں کے مسیح میں خدا کے جلال کو دیکھتے ہیں - وہ اُسے جانتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ وہی مسیح ہے جس میں ہماری زندگی کی جڑیں قائم ہیں - جس نے ہمیں گناہ کے جرم سے رہا کیا اور ہماری بد عادتوں کی زنجیروں کو توڑا اور ہمارے نفسانی جذبات کی آگ کو بجھایا - اور وہ طاقت عطا کی جو راستباز زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری ہے - وہ اُس کی آواز اور طرز گفتار کو پہچانتے ہیں -

اناجیل کے وہ الفاظ جو اٹھارہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزرا اس کی زبانِ معجز بیان سے نکلے اب بھی اُن کو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ابھی تازہ تازہ اُس کے لبوں سے برآمد ہو رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ باتیں سوائے اُس کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ دیکھتے ہیں کہ جس طرح زندہ مسیح اُنکے اندرونی خیالات سے واقف ہے اُسی طرح انجیلوں کا مسیح اُن کے دلوں اور گُردوں کو جانتا ہے۔ اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اسی طرح کی ملائمت اسی طرح کی سختی اسی طرح کی شوکت اسی طرح کی خاکساری رکھتا ہے جس طرح کی زندہ مسیح رکھتا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ وہی رفاقت جو مسیح اور باپ میں پائی جاتی ہے اُس رفاقت کی جڑ ہے جو ہم خدا سے رکھتے ہیں ✦

اب سوال یہ برپا ہوتا ہے کہ کیا اس قسم کا تجربہ یا عرفان انجیلوں کی تاریخی معتبری کو ثابت کر سکتا ہے؟ اس کے جواب میں ہم یہ کہنے کی جُرأت رکھتے ہیں کہ اس میں ذرا شک نہیں کہ اس قسم کے تجربہ کی روشنی میں انجیلوں کے بیان کی تاریخی صحت صاف کھُل جاتی ہے گو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ انجیلیں ضرور متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا کی لکھی ہوئی ہیں اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضرور مسیحی کلیسیا کی پہلی پُشت میں تحریر کی گئی تھیں۔ ان باتوں کے ثابت کرنے کے لئے اور دلیلیں ہیں۔ پر اگر یہ نہ بھی ثابت ہو تو بھی کچھ نقص پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ مسیح کی لاثانی شخصیت نے پہلی پُشت کے لوگوں پر ایسا اثر کیا ہوگا کہ اُنہوں نے بے کم و کاست اُسکی شخصیت کا تصور دوسری پُشت کے سپرد کیا اور دوسری پُشت نے تیسری پُشت کے حوالہ کیا۔ کہ اُس کی سیرت میں اور اُس کے اُن رشتوں میں جو وہ خدا اور انسان سے رکھتا ہے کچھ ایسی تازگی پائی جاتی تھی کہ اگرچہ پہلے مسیحی اُن کا تحریری بیان

اپنے پیچھے نہ چھوڑتے تو بھی وہ بہت مدت تک روایت کے وسیلے زندہ رہتے اور اُن میں کسی طرح کا ردوبدل نہ ہوتا۔ پھر نہ صرف اُس کی سیرت اور وہ رشتے جو وہ خدا اور انسان سے رکھتا تھا بے نظیر تھے بلکہ اُس کی تعلیم بھی لاثانی تھی۔ جو کچھ اُس نے سکھایا اور جس طریقے سے سکھایا دونوں باتیں بے مثال تھیں لہٰذا اُس کی تعلیم کی روائتوں میں بھی جلد جلد غلطیوں کے مل جانے کی گنجائش نہ تھی۔ علاوہ بریں ہم تیسری انجیل سے معلوم کرتے ہیں کہ قبل ازیں کہ وہ انجیل تحریر ہوئی کئی لوگوں نے مسیح کی زندگی اور زمینی خدمت کو رقم کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور چونکہ ان تحریروں میں وہی باتیں مندرج تھیں جو اُن لوگوں نے جنہوں نے بچشم خود اُس کے کاموں کو دیکھا تھا دوسری پشت سے بیان کیں لہٰذا اس قسم کے نوشتے موجود تھے جن کی تواریخی صحت پر کوئی کسی طرح کا شک نہیں لا سکتا تھا اور جن کو تیسری یا چوتھی پشت کے مصنف استعمال کر سکتے تھے۔ اور ضرور تھا کہ ان کی تحریروں میں وہی صداقت موجود ہوتی جو چاروں انجیلوں کے بیان میں ظاہر ہے۔ پر جو بات یاد رکھنے کے قابل ہے سو یہ ہے کہ انجیلوں کے مصنفوں کا پختہ اور یقینی طور پر معلوم نہ ہونا اور اس بات کا بھی بیقینی علم نہ ہونا کہ یہ انجیلیں کب لکھی گئیں مسیحیوں کے ایمان کے ضعف یا لغزش کی دلیل نہیں ہے۔ پس لازم ہے کہ وہ سوالات جو علم ادب یا علم زبان سے علاقہ رکھتے ہیں ایمان کی باتوں سے امتیاز کئے جائیں۔ بیشمار علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ہماری انجیلیں اُنہیں لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں جن سے ان کی تصنیف منسوب کی جاتی ہے۔ مگر تو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ علماء کے نتائج کو قبول کرنا ابدی نجات کی شرط نہیں۔ اور نہ یہی کہنا روا ہے کہ علماء کے خیالات اور اُن کا ماننا مسیح پر ایمان لانے کی ضروری شرط

ہے۔ کلیسیا کی روائت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کی زندگی کی تاریخ کے مؤرخ
متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا ہیں مگر تاہم مسیح پر یہ ایمان رکھنا کہ وہ خدا کا
بیٹا اور بنی آدم کا نجات دہندہ ہے ایک مختلف بات ہے اور اسے
اس نکتہ سے کچھ بھی تعلق نہیں کہ انجیلوں کی تصنیف کی نسبت جو روائت کلیسیا
میں متداول ہے وہ غلطی پر مبنی نہیں ✦

مذہبی شکوک کا ان باتوں سے کچھ واسطہ نہیں۔ مذہبی شکوک اور قسم کے
ہوتے ہیں اور اور ہی قسم کی باتوں سے علاقہ رکھتے ہیں۔ مثلاً ان کا تعلق
اخلاقی اور روحانی زندگی کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ عقلی زندگی کے ساتھ۔ وہ
مسیح کی قدرت اور فضل اور جلال کے بارے میں ہو سکتے ہیں نہ کہ علماء کے
نتیجوں اور کلیسیا کی روائت کی نسبت پس اگر آپ کسی دوست سے بات
کرتے ہوئے یا کسی اخبار کو پڑھتے ہوئے یہ محسوس کریں کہ انجیلوں کی تصنیف
کی نسبت جو میری رائے تھی وہ کمزور معلوم ہوتی ہے تو ہرگز یہ نتیجہ نہ نکالیں کہ
انجیلوں کی تصنیف کے بارے میں رائے تبدیل ہوجانا ایمان میں ضعف
آجانے کی دلیل ہے ✦

اس مضمون کے سلسلہ میں ہم ابھی تک یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے
رہے ہیں کہ کیونکر اس زمانے میں جبکہ معترض بائبل پر طرح طرح کے حملے کر رہے
ہیں مسیحیوں کا ایمان قائم اور مضبوط رہا ہے مثلاً ہم نے دکھایا کہ اناجیل کے
اصل مصنفوں کی نسبت جو بحث ہو رہی ہے اور جو طرح طرح کے اعتراض مخالف
اس امر میں پیش کر رہے ہیں۔ اُن کو سن کر اگر مسیحی ان کا تسلی بخش جواب نہ
بھی دے سکیں تو بھی اُن کے ایمان کو کچھ جنبش نہ ہوگی کیونکہ اُن کا ایمان
زندہ مسیح پر قائم ہے۔ یا یوں کہیں کہ ایسے محکم چٹان پر مبنی ہے جسے سخت

سے سخت طوفان کے صدمے بھی کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے ۔

پر تاہم اس بات کا انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ اگر مسیحی نوشتوں کی معتبری غیر ممکن ثابت ہو جائے تو مسیحی زندگی اور مسیحی تصورات میں بڑا خلل پیدا ہوگا۔ پس ہم اس کتاب کے باقیماندہ حصہ میں وہ شہادت ہدیۂ ناظرین کرینگے جس کی بنا پر چاروں انجیلوں کی تاریخی معتبری قابلِ تسلیم سمجھی جاتی ہے۔ پس اس وقت یہ سوال پیش نظر ہے۔ کہ کیا یہ انجیلیں صحیح اور معتبر مانی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ کیا ان میں مسیح کی زندگی کا وہی حال مندرج ہے جو رسولوں اور خداوند کے دوستوں نے مسیحیوں کی پہلی پشت کے حوالہ کیا یا یہ تمام قصہ بعد میں گھڑا گیا؟ لیکن اس بحث کے شروع ہی میں اس بات کو سمجھ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال علم ادب یا علم زبان سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا بلکہ سراسر تاریخ سے متعلق ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو بات تحقیق طلب ہے وہ یہ نہیں کہ آیا متی کی انجیل کو متی نے لکھا یا کسی اور نے بلکہ یہ کہ آیا ان انجیلوں میں جو ہمارے پاس موجود ہیں مسیحی معجزات اور تعلیمات کا وہی بیان مندرج ہے یا نہیں جو اُن لوگوں کی زبان سے برآمد ہوا جو خداوند کو جانتے اور اُس کی وفات کے بعد اُس کے نام کی منادی کرتے تھے۔ لوگ اکثر یہ خیال کیا کرتے ہیں کہ جو بحث مُصنّفوں سے علاقہ رکھتی ہے پہلے اُس کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ اور جب اُس کے بارے میں تمام شکوک و شبہات اُٹھ جائیں تب اناجیل کے بیانات کی معتبری کا موازنہ کرنا لازم ہے۔ چنانچہ وہ یہ دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ ہمیں پہلے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ وہ لوگ کون اور کیسے تھے جو گواہی دیتے ہیں اور جب یہ امر طے ہو جائے تو پھر اُن کی گواہی پر غور کرنا چاہئے کہ آیا اُن کو حقیقی حالات دریافت کرنے کے مواقع حاصل تھے

اور کیا وہ نکتہ سنج دقیقہ رس اور محتاط اشخاص تھے یا جلد باز اور مجذوب؟

لیکن ہم پہلے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جو بیان پہلی تین انجیلوں میں پایا جاتا ہے اُس کی معتبری اس بات پر مبنی نہیں کہ اُن کے لکھنے والے ضرور متی اور مرقس اور لوقا ہوں اور وہ تینوں بڑے صادق اور نکتہ بین اشخاص ہوں اور اُنہیں مسیح کے تواریخی حالات کو جاننے اور دریافت کرنے کا ہر موقع دستیاب ہو۔ گو ان باتوں کو ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس کافی ووافی ثبوت موجود ہے۔ پر اگر بفرض محال نہ بھی ہو۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم کو یہ بھی ماننا پڑے کہ اُن کے نام ایک مشکوک روایت کی بنا پر اور بہت عرصہ بعد ان انجیلوں پر چسپاں کئے گئے تاہم ہمارے اس خیال کو کہ ان انجیلوں کا بیان معتبر ہے ذرا صدمہ نہ پہنچیگا۔ کیونکہ ایسی حالت میں ہم اُس بیان کو صرف اُن تین شخصوں کی شہادت کے زور پر جن سے ان انجیلوں کی تصنیف منسوب کی جاتی ہے قبول نہیں کرینگے۔ بلکہ اُسی پہلی پشت کے زور پر جس نے مسیح کی انجیل اور مسیح کی زمینی تاریخ کو رسولوں اور مسیح کے دیگر اصحاب سے پایا۔

البتہ چوتھی انجیل کی معتبری کسی قدر زیادہ اس بات کے ساتھ وابستہ ہے کہ کس نے اُس کو تصنیف کیا؟ ہماری رائے میں وہ خارجی اور باطنی ثبوت جنکی بنا پر یہ مانا جاتا ہے کہ اُس کا مصنف یوحنا ہے نہ صرف کافی بلکہ فیصلہ کن ہے۔ تاہم اس انجیل کی معتبری کی نسبت بھی سب سے بھاری سوال یہ نہیں کہ آیا اُس کا مصنف یوحنا ہے یا کوئی اور؟ بلکہ یہ کہ جو بیان اس انجیل میں پایا جاتا ہے وہ وہی ہے جو یوحنا دیا کرتا تھا یا نہیں۔ پس جو بات ہمیں ان اوراق میں ثابت کرنا مدنظر ہے وہ یہ ہے کہ ان اناجیل میں جو ہمارے پاس موجود ہیں وہی حالات مندرج ہیں جن کی منادی رسول کیا کرتے تھے۔

اس بات پر کسی کو اعتراض نہیں کہ دوسری صدی عیسوی کے اخیر میں یہ انجیلیں معتبر سمجھی جا کر قبول ہو چکی تھیں۔ اور ان کو وہی اختیار اور اعزاز حاصل تھا جو دیگر الہامی نوشتوں سے منسوب کیا جاتا تھا۔ پر ہم اس دعوے کو فرض ہی نہیں کرینگے بلکہ اُس ثبوت کی چند مثالیں بھی پیش کرینگے۔ جس پر یہ دعویٰ مبنی ہے مثلاً ہم دوسری صدی کے آخر سے اُسی تاریخ کا جو ان کتابوں میں درج ہے سُراغ لگانا شروع کرینگے اور رفتہ رفتہ مسیحیوں کی اُس پشت تک جا پہنچینگے جس نے براہِ راست واقعات مندرجہ اناجیل کو رسولوں سے سُنا۔ مگر چونکہ یہ آسان کام نہیں کہ یہ دلیل ایسی صورت میں پیش کی جائے کہ وہ لوگ بھی جو کلیسیا کی دوسری صدی کی تاریخ سے ناواقف ہیں اُسے فوراً سمجھ لیں۔ لہذا ہم اس جگہ اس تاریخی گواہی کا جس کی بنا پر انجیلوں کی معتبری واجب التسلیم سمجھی جاتی ہے صرف ایک حصہ پیش کرینگے۔ یعنی وہ باتیں جو بڑے بڑے عالموں کے سوائے اَور کوئی نہیں سمجھ سکتا نظر انداز کی جائینگی ؛

پر ممکن ہے کہ معترض اس بات کے ثابت کرنے کے بعد کہ جو بیان انجیلوں میں رقم ہے وہ وہی ہے جو پطرس اور یوحنّا اور یعقوب اور اندریاس اور فیلبوس اور متّی وغیرہ رسولوں کی طرف سے پہنچا ہے یہ اعتراض کرے کہ تم نے اپنے دعوے کو اپنے مخالفوں کے حملوں سے بالکل بری نہیں کیا۔ کیونکہ تم نے صرف یہ دکھایا ہے کہ جو حالات تمہاری انجیلوں میں مرقوم ہیں وہ ان رسولوں کے بیان کئے ہوئے ہیں۔ پر تم نے یہ ثابت نہیں کیا کہ اُن حالات کو رقم کرنے والے لوگ پورے پورے اعتبار کے لائق ہیں ہم اس بات کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اُن کی سچّائی اور دیانتداری کو ثابت کرنا ضروری نہیں سمجھتے کیونکہ اگر ان انجیلوں میں وہی حالات قلمبند ہیں جو وہ اپنے اُس

خداوند کی زندگی کی نسبت بیان کیا کرتے تھے جس کو معبود حقیقی سمجھکر سجدہ کیا کرتے تھے تو اُن کی سچائی خود بخود روشن ہے اور اُن کی معتبری ثبوت کی محتاج نہیں۔اور چونکہ حالات مندرجہ اناجیل اربعہ انہیں کے بیان کئے ہوئے ثابت کئے جا سکتے ہیں لہذا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسیح ہی نے پہاڑی وعظ بیان فرمایا۔ اُسی نے وہ تقریر کی جو یروشلیم کے بالاخانہ سے منسوب کی جاتی ہے۔اُسی نے اندھوں کو آنکھیں۔بہروں کو کان عطا فرمائے۔اُسی نے جیرس کی بیٹی اور بیوہ کے بیٹے کو جلایا اور مریم و مارتھا کے بھائی لعاذر کو مرنے سے چار دن بعد زندہ کیا۔

لیکن اس سلسلۂ تحقیقات میں پہلا سوال جو حل طلب ہے وہ یہ ہے کہ ہم کس طرح اُس شہادت پر غور کریں جو اس بات کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے کہ جو بیان ہمارے خداوند کے کام اور کلام کا چاروں انجیلوں میں پایا جاتا ہے وہ وہی ہے جو اُس کے رسولوں اور اصحاب کے وسیلے ہم کو ملا ہے ؟ اس سوال کا جواب تمام تحقیقات کی جان ہے۔پر ایک جواب اس قسم کا بھی دیا جاتا ہے جو ہر طرح کی تحقیق کو فضول اور غیر ضروری ثابت کرتا ہے۔

ذیل کی سطور سے ہمارا مطلب ظاہر ہو جائیگا۔جس قدر حملات انجیلوں کی تواریخی صحت پر کئے گئے ہیں اُن میں سے زیادہ غور کے لائق وہ ہیں جو سٹراس اور فرڈی نینڈ بار نے کئے ہیں۔مگر سٹراس اُس شہادت کے زور پر جس کی بنا پر مسیحی بیان صحیح اور درست مانا جاتا ہے ذرا غور نہیں کرتا بلکہ شروع ہی سے اس بات کو ماننے لگ جاتا ہے کہ کوئی شہادت اور گواہی اس بارے میں قبول کرنے کے لائق نہیں۔اور جس طرز استدلال سے وہ اپنے اس دعوے کو ثابت کرتا ہے وہ یہ ہے "معجزات ناممکن ہیں۔مگر اناجیل مسیح سے معجزات منسوب کرتی ہیں۔لہذا ان کی تواریخی صحت اعتبار کے لائق نہیں"۔ صاحب موصوف نے

جس نکتہ چینی سے اُس گواہی کا امتحان کیا ہے جس کی بنا پر انجیلوں کی تصنیف پہلی صدی سے منسوب کی جاتی ہے وہ بہت ہی کمزور اور ناقص ہے۔ کیونکہ سٹراس کا یہ مُدّعا نہ تھا کہ وہ یہ دریافت کرے کہ آیا ایسی شہادت مل سکتی ہے یا نہیں جس سے مسیح کی زندگی کا بیان جو اناجیل میں مندرج ہے صحیح ثابت ہو۔ بلکہ اُس کا مقصد یہ تھا کہ انجیلوں کے بیان کو غلط مان کر اس بات کو ثابت کرے کہ یہ انجیلیں کس طرح تحریر ہوئیں۔ چنانچہ جب اُس نے اپنی کتاب موسومہ "مسیح کی زندگی" کی پہلی اڈیشن شائع کی تو اُس وقت وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ دعوےٰ کرے کہ لوگوں نے ارادتاً اور قصداً انجیل کا قصہ ایسا گھڑ لیا ہے جیسا نئے عہد نامہ میں درج ہے۔ بلکہ وہ یہ دعوےٰ کرتا تھا کہ یسوع ناصری کی نسبت اُس کے شاگردوں کی دوسری اور تیسری پُشت کے درمیان جبکہ اُن کی قوتِ واہمہ زوروں پر اور اُن کی تعظیم وجاں نثاری غایت درجہ تک پہنچ گئی تھی قصوں اور کہانیوں کا خود بخود پیدا ہو جانا ممکن نہ تھا۔ اور وہ (سٹراس) یہ بھی مانتا تھا کہ جن لوگوں نے ان انجیلوں کو تصنیف کیا وہ ان قصوں اور کہانیوں کو جو اُن کے زمانہ میں مُروّج تھیں مستند اور معتبر روائتیں تصوّر کرتے تھے۔

سٹراس صاحب کو یہ خیال دامنگیر تھا کہ وہ اس معمّے کو حل کریں کہ مسیح کی کہانی کس طرح پیدا ہوئی۔ لیکن فرڈی نینڈ بار صاحب کے قیاس میں سٹراس صاحب کا گمان یہ عقدہ حل کرنے میں قاصر رہا کہ جن کتابوں میں وہ قصے اور کہانیاں مندرج ہیں وہ کس طرح وجود میں آئیں پس بار صاحب کے نزدیک سٹراس اس بات کے حل کرنے میں بالکل ناکام رہا کہ مرقس اور لوقا کی انجیل اور بالخصوص یوحنّا کی انجیل کس لئے تصنیف ہوئی کیونکہ یوحنّا کی انجیل کو ایسی کہانیوں اور قصوں کا مجموعہ نہیں کہہ سکتے جو مسیحیوں کی قوت متخیلہ سے پیدا

ہوئے ہوں کیونکہ یوحنا کی انجیل تو گویا علم الٰہی کا ایک رسالہ ہے۔ جس میں ایک مسلسل تجویز اور خاص خاص تعلیمی اغراض کے نشان ہویدا ہیں۔ اب اس مشکل کو آسان کرنے کا بیڑا بار صاحب نے اٹھایا اور یہ دعوے قائم کیا کہ اس انجیل کا "رُخ" خاص مسائل کی طرف پایا جاتا ہے۔ لہٰذا وہ کہیں دوسری صدی کے آخری حصہ میں تصنیف کی گئی ہوگی اور اُس کا خاص خاص مسائل کی طرف راغب ہونا عین نیچرل تھا۔ بار صاحب کا یہ مطلب ہے کہ دوسری صدی کے آخر میں مسیحی مذہب کی نسبت طرح طرح کے خیالات اور قسم قسم کے مسائل مُروّج ہو گئے تھے پس یہ انجیل خاص مسائل کو ثابت کرنے کے لئے تحریر کی گئی۔ اسی اصول کے مطابق وہ دیگر اناجیل کے اوقاتِ تصنیف تجویز کرتا ہے وہ خیال کرتا ہے کہ ان انجیلوں میں وہ دلچسپ روایتیں بھی قلمبند ہیں جو کلیسیا نے اپنے وہم سے اختراع کیں۔ مگر ساتھ ہی اُن میں وہ زائد معجزات مندرج ہیں جو اُن کے مصنّفوں نے خود اضافہ کئے تا کہ اُن کی تحریر کو زیادہ زور حاصل ہو۔ اور زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھی جائے۔

لوگ اکثر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسیحی اپنی انجیلوں کی صحت کی تحقیق ایسی حالت میں شروع کرتے ہیں جس میں اُن کے دل پیشتر ہی سے اُن کی صحت کے معتقد ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ کتابیں اُن کے اعتقاد کا سرچشمہ ہیں۔ پر ہم ثابت کر چکے ہیں کہ نئے عہد نامہ کی کتابیں تواریخی بنا پر معتبر ثابت ہوں یا نہ ہوں ہمارا ایمان ایسے حملات سے زک نہیں پاتا۔ تاہم یہ دکھایا جا سکتا ہے کہ جو حملہ مسیحیوں پر کیا جاتا ہے۔ وہی حملہ آوروں پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً سٹراس اپنی کتاب "یسوع کی زندگی" اس پختہ یقین کے ساتھ شروع کرتا ہے۔ کہ معجزات بالکل ناممکن ہیں۔ اور اُن کا کوئی

ثبوت پیش نہیں کرتا۔ گویا تحقیقات شروع کرنے سے پہلے اپنا نتیجہ نکال لیتا ہے یا یوں کہیں کہ گواہ آنے نہیں پاتا اور وہ فیصلہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح مسیحی کلیسیا کے برپا ہونے کی نسبت بار صاحب کا خیال اس فرضی بنا پر قائم ہے کہ چونکہ معجزات تاریخ کی حدود سے باہر ہیں لہذا مسیحی ایمان کی وجہ دریافت کرتے وقت اُن معجزات پر جو مسیح سے منسوب کئے جاتے ہیں لحاظ کرنا بالکل ضروری نہیں حتّٰے کہ اُس کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے پر بھی غور کرنا فضول ہے ۔

اب جیسا ہم اُوپر اشارہ کر آئے ہیں اگر ایسے فرضی خیالوں کے ساتھ سلسلۂ تحقیق شروع کیا جائے تو تحقیق کا ماحصل کچھ بھی نہ ہوگا بجز اس کے کہ عالمانہ ڈھنگ کی بحث میں تضیع اوقات ہو۔ کیونکہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ انجیل کا بیان بالکل صحیح نہیں تو پھر ایسی بحث چھیڑنے سے کیا فائدہ کہ آیا وہ ہمارے خداوند کے رسولوں کا تحریر کردہ بیان ہے یا نہیں ؟

اور نہ ہی کوئی تسلی بخش اور بکار آمد نتیجہ اُس وقت دستیاب ہوگا جبکہ انجیلوں کا بیان یہودیوں کی گزشتہ تاریخ اور مسیحی دین کی مابعد تاریخ سے علیحدہ کیا جائیگا۔ کیونکہ وہ یہودیوں کی گزشتہ تاریخ سے بھی خاص تعلّق رکھتا ہے کیونکہ مسیح اس قوم سے برآمد ہُوا۔ اور اسی طرح مسیحی دین کی مابعد تاریخ سے بھی ایک گہرا تعلّق رکھتا ہے کیونکہ مسیح خود اُس دین کا بانی ہے۔ دوسری صورت میں ہم اپنا مطلب اس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ انصاف یہ طلب کرتا ہے کہ وہ تمام باتیں جو اس تحقیق کے ساتھ علاقہ رکھتی ہیں ملحوظ خاطر رہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عدم توجّہی سے ہمارے خداوند کی زمینی تاریخ اکثر اوقات اُن واقعات ہیں سے کاٹ کر علیحدہ کی جاتی ہے جن کے درمیان اور جن کے

ساتھ وہ وہی علاقہ رکھتی ہے جو جسم کا ہر عضو باقی اعضا کے ساتھ رکھتا ہے ؛
بعض لوگ اس تحقیق کو ایسی صورت میں شروع کرتے ہیں کہ گویا اُن کے نزدیک مسیح یہودیہ اور گلیل میں نہیں بلکہ ہسپانیہ یا چین میں پیدا ہوا تھا۔ اور ایسا خیال کرتے ہیں کہ گویا اُس کے جی اُٹھنے کے بعد بنی آدم کے مذہبی خیالات اور زندگی میں کوئی بڑی تبدیلی سرزد نہیں ہوئی۔ وہ سوچتے ہیں کہ جب دوسری صدی کے مسیحی یا بدعتی مُصنّفوں کی کتابوں میں سے چند اقتباسات پر غور کر لیا جاتا ہے تو چاروں انجیلوں کی معتبری کا کل ثبوت طے ہو جاتا ہے وہ مسیح کی زندگی کو اُن باتوں سے جو اُس کے پہلے اور اُس کے بعد وقوع میں آئیں بالکل علیحدہ کر دیتے ہیں۔ مگر یہ بات صحیح اور درست تواریخی اصول کے بالکل برخلاف ہے۔ انجیلوں کا بیان اگلے اور پچھلے واقعات میں گویا نگینہ کی طرح جڑا ہوا ہے۔ یا یوں کہیں کہ اُس کی جڑ ایک قدیم تاریخ میں پائی جاتی ہے اور اس کے فوق العادت عناصر دُنیا کے انتظام کے ساتھ ایک زندہ رشتہ رکھتے اور اُن بڑے بڑے واقعات کی تصریح و توضیح کے لئے جو بعد میں بنی آدم کی تاریخ میں واقع ہوئے نہائت ضروری ہیں ؛

اب ہم تھوڑے سے عرصہ کے لئے چند خیالات ہدیۂ ناظرین کرنا چاہتے ہیں جو روز روشن کی طرح لائح ہیں اور جن کا مدِ نظر رکھنا اس تحقیق میں مناسب بلکہ انسب ہے ؛

ہمارے اور مسیح کے درمیان قریبًا اٹھارہ یا اُنیس صدیوں کا فاصلہ حائل ہے اور اس کثیر عرصہ کے سبب لاریب کئی مشکلات برپا ہوتی ہیں جو اس بات کو یقینی طور پر دریافت کرنے نہیں دیتی ہیں کہ انجیلی بیان جو ہمارے زمانے تک پہنچا ہے وہ معتبر ہے یا نہیں۔ پس ہم اُس کو اُسی نظر سے نہیں

دیکھ سکتے اور نہ اُس شہادت کو جو اُس کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے اُسی طرح پر وزن کر سکتے ہیں جس طور پر وہ لوگ کر سکتے تھے جو دوسری یا تیسری صدی میں موجود تھے۔ اور وہ قدیم مسیحی تصانیف جن میں اس بحث کے متعلق ضروری مصالح پایا جاتا ہے ہمارے پاس سالم شکل میں موجود نہیں بلکہ اقتباسات کی صورت میں آئی ہیں۔ اور اُن میں سے بعض بعض بالکل کھو گئی ہیں۔ آئرنی اُس اور طرطولین اور کلیمنٹ مقیمی اسکندریہ کے زمانے میں مسیحی روائتوں کا زور نہائت تازہ تھا۔ مگر ان مختلف ثبوتوں میں سے جن کی وجہ سے وہ اس بات کے قائل ہوئے کہ مسیح کا تواریخی بیان بالکل صحیح ہے کئی گم ہو گئے ہیں۔ پس یہ ہمارے لئے کسی قدر مشکل ہے کہ ہم اُن قدیم لوگوں کی جگہ لیں جو رسُولی زمانہ کے اس قدر نزدیک تھے اور پھر اس بحث کو ہاتھ لگائیں۔ تاہم جس قدر ہو سکتا ہے سو کیا جائیگا۔

تاہم یاد رہے کہ اگر کئی باتیں کھوئی گئی ہیں تو کئی اچھی باتیں دستیاب بھی ہو گئی ہیں۔ پس ہم اس تحقیق کو اُن قابل غور واقعات کی راہ سے ہاتھ لگائینگے جو مسیحی دین کے وسیلے سرزد ہوئے ہیں۔ ہم اُس باقدرت تاثیرات سے واقف ہیں جو اس مذہب نے دنیا کی نہائت مُہذّب قوموں کی دینی اور اخلاقی اور عقلی زندگی پر ڈالی ہیں۔ مثلاً ہم جانتے ہیں کہ اسی کے طفیل سے اُن کو ذات باری کے اعلےٰ تصورات نصیب ہوئے۔ اِسی نے اُن کو انسان کے اصل درجہ کا عظیم تصوّر مرحمت فرمایا۔ اسی نے بعض بعض جماعتوں کو جو نہائت محمود اور جمیل تھیں مگر بیکار پڑی تھیں غفلت اور بے قدری کے پنجہ سے چھڑایا۔ اسی نے مذہب کے ہیبت انگیز اور نازک فرامین کو عام اخلاقی فرائض کے ساتھ پیوند کیا۔ اسی نے علوم و فنون میں نیا جوش بھرا اور اُن میں عظمت کی تازہ روح پھونکی۔

اسی نے بیماروں کی تیمارداری اور غم زدوں کی غمخواری اور گرے ہوؤں کی پاسداری کے لئے سب کچھ نثار کرنے والی دلیرانہ طبیعت پیدا کی۔ اسی نے اُس جذبہ کو جس سے مُقدّس لوگ پاکیزگی پر عاشق ہیں اپنی آغوشِ عاطفت میں پالا۔ اسی نے ہر ملک اور ہر زمانہ میں لاکھہا بدچلن لوگوں کو دیانتدار۔ پرہیزگار۔ بُردبار۔ مہربان۔ خوشدل اور قانع بنایا۔ اور اُن تمام خوبیوں کو پیدا کیا جو عام و خاص کی فرحت اور آرام کے لئے ضروری اور سلطنتوں کی سلامتی اور انتظام اور ترقّی کے لیئے لابد ہیں۔ اسی نے لوگوں کو اُن کے غموں میں ڈھارس اور موت کے وقت اُمید سے خوش وقت کیا ہے ۔

یہ سب باتیں اس تحقیق کو ہاتھ لگاتے وقت زیرِ نظر رکھنی چاہئیں کیونکہ یہ وہ نتائج مسیحی دین کی قدرت کے ہیں جن پر کسی طرح کی بحث نہیں ہو سکتی۔ مسیح کی سرگزشتِ مندرجۂ اناجیل کی تواریخی صحت پر غور کرتے وقت اُن کو کسی طرح نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ واقعات جو انجیل میں درج ہیں اور مسیح سے منسوب کیئے جاتے ہیں ایک ایسے شخص سے منسوب ہوتے جسکی تاثیر نے دُنیا کی حالت میں کسی طرح کی تبدیلی پیدا نہ کی ہوتی تو ہم اس قصّے کو لغو سمجھتے۔ پر مسیح کی تعلیم اور نمونہ کی قدرت نے دُنیا کی کایا پلٹ کردی ہے پس ہم کس طرح انجیلی بیان کی صحت کا انکار کریں اب اگر معجزات اُس تاثیر کو تقویّت دیتے ہیں جو اُس کی شخصیت اور تعلیم کی قدرت سے پیدا ہوئی کُچھ مدد دے سکتے تھے۔ اگر وہ ایک بھاری انقلاب کی ابتدائی منزلوں میں اُسکے اصحاب اور خادموں کے ایمان اور وفا اور ہمّت کو دوبالا کرنے میں کُچھ کام آسکتے تھے۔ اگر وہ اِس خیال کو ثابت کرتے ہیں کہ مسیح فوق الانسانی قدرت سے مالامال ہے (اور یہ ایسا خیال ہے کہ اُس کے شاگرد شروع ہی سے مانتے

آئے ہیں) کچھ روشنی دے سکتے ہیں۔ اور اسی طرح اگر اس بات کی تصدیق میں کہ مسیح نہ صرف تعلیم دینے والا بلکہ بنی آدم کا نجات دہندہ بھی ہے۔ (اور یہ بات بھی اُس کے پیرو شروع سے مانتے آئے ہیں) مسیح کے معجزات کارآمد ہو سکتے تھے اور اُس کے آنے کی حقیقی اصلیت کو روشن کر سکتے تھے تو وہ اپنے وقوع کے لئے عمدہ وجوہات رکھتے تھے ۔

واضح ہو کہ ہمارے خداوند کے معجزات کی قدرت صرف اُسی تاثیر کے ساتھ ختم نہیں ہوئی جو دیکھنے والوں پر پیدا ہوئی۔ اور نہ بعد کے زمانوں میں اُن کی قدرت صرف مسیح کے مِن جانب اللہ ہونے کو ثابت کرنے میں کام آئی۔ بلکہ اُن کی دائمی قدرت کئی اَور صورتوں میں بھی کام آتی ہے۔ مثلاً مسیحی مذہب کی بڑی بڑی خوبیوں میں سے یہ بات ہمیشہ ایک بڑی خوبی سمجھی گئی ہے کہ اِس مذہب نے بیماروں اور مصیبت زدوں کی ہمدردی کا سبق دنیا کے لوگوں کو سکھایا ہے۔ کلیسیا کی ابتر سے ابتر حالت میں بھی مصیبت زدوں اور ستم رسیدہ لوگوں کی خبر لینے کا فرض کبھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ یہ صفت مسیحی اخلاق کی جان ہے۔ اور مسیحی کلیسیا کے لئے اس کا انکار کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے خدا کی وحدت یا قیامت کے انصاف کا انکار کرنا ناممکن ہے۔ اور نہ ہم یہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ اس فرض کی شناخت سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحیوں کے درمیان ہمیشہ آفت زدوں کے ساتھ ہمدردی دکھلانے کا ایک جذبہ پایا گیا ہے اور مسیح کے نمونہ کی تقلید کرنے کے لئے ہر مسیحی ملک میں خیراتی انتظامات کی بنیادیں قائم کی گئی ہیں۔ پر ہم پوچھتے ہیں کہ ان باتوں کا نمونہ کہاں ملتا ہے؟ اور مسیح کے پیروؤں نے کہاں سے سیکھا کہ غریبوں کو سیر کرنے اور بیماروں کے لئے ہسپتال بنانے۔ اور بوڑھوں

اور بہروں اور گونگوں اور اندھوں کے لئے پناہ گاہیں تیار کرنے اور ہر طرح کے جسمانی دُکھ کو دُور کرنے کے لئے مکانات بنانے میں وہ مسیح کے نمونے پر چلتے ہیں؟ معجزات کو اُڑادو اور پھر دیکھو کر غریبوں کے ساتھ یوں ہمدردی کرنے کا فرض کس قدر کمزور ہو جاتا ہے۔

مسیح کے معجزات نے مسیحی خیرات کو دستور العمل بنا دیا ہے۔ ہزارہا کوڑھیوں نے دستِ شفقت کی مَس کو محسوس کیا اور اپنے دُکھوں کی کثرت میں اِنسانی ہمدردی سے تسلّی اور آرام پایا ہے اور اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ کہ مسیح کے دل میں گلیل کے کوڑھی کو دیکھکر رحم آیا اور اُس نے اُسے شفا بخشی۔ ہزاروں مرد اور عورت اور لڑکے سیر و آسُودہ کئے جاتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ مسیح نے روٹیوں اور مچھلیوں کی تعداد و مقدار کو بڑھا کر بھوکوں کو آسُودہ کیا۔ سیکڑوں ہسپتال اور اسائیلم بنا کئے گئے ہیں اور ہزارہا بندگانِ خدا نے اِنسانی بیماری اور دُکھ میں مدد کرنے کے لئے اپنی جان تصدّق کی۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ وہ مانتے تھے کہ مسیح نے بھی بیماروں کو چنگا کیا۔ اندھوں کو آنکھیں اور بہروں کو کان اور گونگوں کو زبان عطا فرمائی۔ پس ہم اُس جلالی خدمت کو جو خیراتی کاموں میں رونما ہوئی۔ اس سؤال کا جواب دیتے وقت نظر انداز نہیں کر سکتے کہ کیا وہ معجزے جو مسیح سے منسوب کئے جاتے ہیں درحقیقت دکھائے گئے یا نہیں؟ ہم کو صاف صاف نظر آتا ہے کہ وہ بڑے بڑے کارہائے نمایاں جو مسیح کے دین کی سچّائی اور خوبی کو ثابت کرتے ہیں وہ اُس جوش کے سبب پیدا ہوئے جو اسی اعتقاد پر مبنی ہے کہ انجیل کے معجزات حقیقی واقعات ہیں۔ ہاں اگر کوئی ہم سے پوچھے تو ہم یہی کہینگے کہ معجزات کا دکھانا ہرگز ہرگز بیجا نہ تھا۔ کیونکہ اُنھوں نے ہر زمانہ اور ہر ملک

بس لاکھا بنی آدم کے دِلوں کے اندر رحم اور ہمدردی کے چشمے جاری کردئے ہیں ۔

مگر سوائے اس کے ایک اَور بھی ہے جو اس تحقیق سے بڑا گہرا تعلق رکھتا ہے اور چاہیئے کہ وہ بھی کبھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ مسٹر امرسن صاحب ایک جگہ کہتے ہیں کہ "مسیحی لوگ ایک نفرت انگیز صورت میں مسیح کی شخصیت کے بارے میں مبالغہ کرتے ہیں" پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر مسیحی کلیسیا اس سے بھی وہ چند زیادہ مبالغہ کے ساتھ اپنے تئیں اُس پر سے نثار کردیتی تو اُسکے لئے اچھا ہوتا۔ وہ زیادہ مضبوط اور زیادہ مبارک ہوجاتی۔ مگر مسٹر امرسن کی اس حرف گیری سے ایک بڑی پُر مطلب حقیقت سامنے آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مسیح کے مذہب میں مسیح خود ہی سب کچھ ہے۔ ذرا سا غور کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ نبی اپنی نبوت سے اور یہ پیغامبر اپنے پیغام سے بڑا ہے۔ اور یہ اعتقاد کلیسیا میں ہمیشہ سے اسی طرح چلا آیا ہے۔ چنانچہ اُسے مصلوب ہوئے پچیس یا تیس سال مشکل سے گزرے ہونگے کہ اُس کے شاگرد اُسے ایک عجیب اور عظیم معنی میں "خدا کا بیٹا" ماننے لگ گئے اور رسُولی برکت کے کلمات میں "مسیح کا فضل" "خدا کی محبت اور رُوح القدس کی رفاقت" کے ساتھ ملحق کیا گیا یا یوں کہیں کہ اُن کے برابر سمجھا گیا۔ اُسکے شاگردوں کے نزدیک اُس کی موت بنی آدم کی تاریخ میں ایک عجیب و غریب واقعہ تھی "اس لئے جب ایک سب کے لئے مُوا تو سب مر گئے۔ اور وہ اس لئے سب کے واسطے مُوا کہ جو جیتے ہیں وہ آگے کو اپنے لئے نہ جئیں بلکہ اُس کے لئے جو اُن کے واسطے مُوا اور پھر جی اٹھا" اُس کی موت کا یہ تصور اُس کی شخصیت کا ایک عدیم المثل تصور پیش کرتا ہے۔ سوال بر پا

ہوتا ہے کہ کیا مذکورہ بالا الفاظ کو پڑھکر یہ خیال دل میں نہیں آتا کہ وہ شخص جس کی موت میں "سب مر گئے" اور جس کے جی اُٹھنے میں سب خدا کے لئے جی اُٹھے کیسا لاثانی شخص ہوگا۔ اُس کو صلیب پر چڑھانا ایک قبیح جُرم بتایا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ہم اُسی کے خون سے راستباز ٹھہرتے ہیں اور اُسی کے وسیلے ابدی خدا کے غضب سے نجات پاتے ہیں۔ علاوہ بریں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ دُنیا کا نجات دہندہ دُنیا کا انصاف کنندہ بھی ہے چنانچہ لکھا ہے "ضرور ہے کہ مسیح کے تخت عدالت کے سامنے جاکر ہم سب کا حال ظاہر کیا جائے تاکہ ہر شخص اپنے اُن کاموں کا بدلہ پائے جو اُس نے جسم کے وسیلے سے کئے ہوں خواہ بھلے خواہ بُرے"۔

پر شاید کوئی یہ کہے کہ مسیح کا یہ تصوّر پولوس کا ساختہ ہے۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ جب پولوس نے یعقوب اور پطرس اور یوحنا کے سامنے وہ انجیل بیان کی جس کی منادی وہ کیا کرتا تھا تو اُنہوں نے اُسکو "شراکت کا دہنا ہاتھ" دیا یعنی تسلیم کیا کہ جس انجیل کی منادی وہ کرتا تھا وہ اُسے نامختونوں کے لئے عطا ہوئی جس طرح پطرس کو وہی انجیل مختونوں کے لئے دی گئی تھی پطرس اور پولوس دونوں ایک ہی انجیل کی مُنادی کیا کرتے تھے۔

پھر مکاشفات میں بھی جو چند سال بعد تحریر ہوئی اور جسے وہ لوگ بھی جو انجیلوں کی اصلیت پر شک لاتے ہیں یوحنا کی تصنیف سمجھتے ہیں مسیح کی لاثانی عظمت کے ایسے بے مثل تصوّرات پائے جاتے ہیں جو شوکت اور جلال میں اُن تصوّرات سے کم نہیں جو پطرس اور پولوس کی

تصانیف میں موجود ہیں۔ " دیکھو وہ بادلوں کے ساتھ آنے والا ہے اور ہر ایک آنکھ اُسے دیکھیگی اور جنہوں نے اُسے چھیدا تھا وہ بھی دیکھینگے اور زمین پر کے سارے فرقے اُس کے سبب سے چھاتی پیٹینگے "۔ آسمانی فرشتے اور جاندار اور کلیسیا اُس کی تعریف میں یہ کہتی ہوئی ظاہر کی گئی ہے۔ " ذبح کیا ہؤا برّہ ہی قدرت اور دولت اور حکمت اور طاقت اور عزّت اور تمجید اور حمد کے لائق ہے "۔ اور پھر آگے چل کر یہ لکھا ہے۔ " پھر میں نے آسمان اور زمین اور زمین کے نیچے کی اور سمندر کی سب مخلوق کو یعنی ساری چیزوں کو جو اُن میں ہیں یہ کہتے سُنا کہ جو تخت پر بیٹھا ہے وہ اور برّہ ابدالآباد حمد اور عزّت اور تمجید اور سلطنت کے لائق ہے "۔ مسیح اُس میں (مکاشفات کی کتاب میں) " بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند " بتایا گیا ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کی موت جس طرح پولوس کے خطوط میں ایک عجیب وغریب واقعہ معلوم ہوتی ہے اُسی طرح مکاشفات میں ایک نادر وقوعہ دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً چاروں جاندار اور چوبیس بزرگ یہ نیا گیت گاتے ہیں " تُو ہی اس کتاب کے لینے اور اُس کی مہریں کھولنے کے لائق ہے کیونکہ تُو نے **ذبح ہو کر اپنے خون سے** ہر **ایک** فرقے اور اہل زبان اور اُمّت اور قوم میں سے خدا کے واسطے **لوگوں کو خرید لیا** "۔ یُوحنّا جو کہ مسیح کے ساتھ رہتا تھا۔ یُوحنّا جس کو مسیح پیار کرتا تھا مسیح کو ویسا ہی جلال اور بزرگی منسوب کرتا ہے جیسا کہ پولوس کرتا ہے جس پر مسیح بعد میں ظاہر ہؤا ہ

اب وہ معجزات جو مسیح سے منسوب کئے جاتے ہیں اُسکی عدیم المثل عظمت کے جو یُوحنّا اور پولوس کی تصانیف میں جلوہ نما ہوتی ہے عین شایاں ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس کے معجزات اُس بنیاد کا ایک

حصہ ہیں جس پر مسیح کا الٰہی تصوّر مبنی ہے - اگر مسیح اس دُنیا میں ایسی طاقت
ظاہر نہ کرتا جو انسانی طاقت سے بلند و بالا ہوتی تو اُس کے اصحاب اُسکے
زمین سے اُٹھ جانے کے بعد کب یہ خیال کرتے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے +

پھر اس تحقیق میں ایک اور بات غور طلب ہے - اور وہ یہ کہ ہمارا خداوند
ایک ایسی قوم سے علاقہ رکھتا تھا جو خدا کے عظیم تصوّر سے بہرہ ور تھی - اور یہودی
قوم بے شمار پُشتوں سے ایک نہائت بزرگ نبی اور شہزادے کی راہ دیکھ رہی
تھی جسے وہ یہوواہ کا خادم اور پیغمبر اور مَظہر سمجھتی تھی - انجیلوں کے بیان
کے مطابق ہمارے خداوند نے دعوے کیا کہ میں ہی یہودی نبوّت کا مسیح
ہوں - اور اگر وہ بیان جو اناجیل میں مندرج ہے صحیح ہے تو یہودی نوشتوں
کی نبوّتیں اور یہودی قوم کی اُمّیدیں عجیب طور پر اُس میں پوری ہوئیں - کیونکہ
وہی وہ نبی ہے جس کی الٰہی رسالت بڑی بڑی قوموں نے ہر زمانے میں تسلیم
کی اور وہی وہ شہزادہ ہے جس کی حکمرانی قریبًا ساٹھ یا ستر پُشتوں سے کئی
ممالک میں جاری ہے اور جس کو ایسی کامل فرمانبرداری اور جان نثاری اپنی
رعیّت کی نصیب ہے کہ اُس کی مانند دُنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہوں
کو ایک چھوٹے سے ملک میں بھی کبھی نصیب نہیں ہوئی +

یہ عجیب بات ہے کہ ایسی عجیب اُمّید ایسے عجیب طور پر پوری ہو
اور پھر اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ یہودیوں کی یہ اُمّید کہ اُن کا مسیح تمام
قوموں پر دائم قائم سلطنت کریگا - اُن کے خیال کے مطابق انہیں کی قوم
میں سے ایک شخص میں پوری ہو - مگر ایسی صورت میں جو اُن کے نبیوں کے
خیال اور گمان میں بھی کبھی نہیں آئی تھی - ہاں یہ نہائت ہی عجیب بات ہے
کہ یہ دائمی سلطنت ایک ایسے شخص کے حصہ میں آئے جس کی زمینی زندگی

اُس زندگی سے جو یہودی تصوّر کئے بیٹھے تھے۔ ایسی مختلف تھی کہ اگر اُن تصوّرات سے جو اُن کے درمیان مُروّج تھے مسیح کا احوال تیار کرنا پڑتا تو کبھی تیار نہ ہو سکتا۔ پر اِن تمام عجیب باتوں سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ مسیح کا وہ بیان جو اناجیل میں مرقوم ہے اور جس میں اُس کی قوّت اعجاز کے اظہارات بھی شامل ہیں گویا وہ راہ ہے جس کے وسیلے یہودیوں کی قدیم اُمید مسیح کی موجودہ شوکت اور جلال میں برآئی *

اب ہمارا دعوےٰ یہ ہے کہ چاروں انجیلوں کی تاریخی معتبری پر غور کرتے وقت یہ خیالات نظر انداز نہیں کئے جا سکتے۔ سب سے بڑا اعتراض جو مخالف انجیلوں کی معتبری پر کرتے ہیں (اور ہم کہہ سکتے ہیں فقط وہی ایک اعتراض ہے جو وہ کر سکتے ہیں)، یہ ہے کہ معجزات ناممکن ہیں۔ پر اس بات کے فیصلے میں کہ آیا معجزات ممکن ہیں یا غیر ممکن ہیں اس تمام مُقدّمہ پر جو پیش کیا گیا ہے غور کرنا ضروری امر ہے *

اب اگر یہ دعوےٰ کیا جائے کہ تین یا چار سو سال کا عرصہ گزرا ہندوستان میں ایک شخص نے معجزات دکھائے اور اُن کو ایسے اشخاص نے دیکھا جنکی شہادت پر شک کرنا مشکل ہے۔ پر اگر سوائے معجزات کے اَور کوئی بات اُس سے یادگار کے طور پر باقی نہ ہو تو اس دعوےٰ کا قبول کرنا خواہ وہ عقلمند اور فہیم آدمیوں کی گواہی پر مبنی کیوں نہ ہو بہت مشکل معلوم ہوگا۔ مثلاً اگر اسکی نسبت یہ دعوےٰ کیا جائے کہ اُس نے بیماروں کو چنگا کیا۔ اندھوں کو بصارت اور بہروں کو قوّتِ سمع عطا فرمائی۔ پر اُس کی شخصیّت اور سیرت اور زندگی میں کوئی بات عجیب اور لاثانی نہ ہو۔ کوئی بات ایسی نہ ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ اَور لوگوں کی نسبت زیادہ قربتِ الٰہی میں زندگی بسر کرتا تھا۔ کوئی ایسی بات

موجود نہ ہو جس سے یہ ظاہر ہو کہ اُس نے بنی آدم کی اخلاقی اور مذہبی حالت میں ایک عظیم الشّان تبدیلی اور اصلاح پیدا کی اور اُنہیں خدا کی ذات کے اعلےٰ اور زیادہ مُؤثّر تصوّرات عطا کئے۔ اور اُن کو خدا کی راستبازی کی زیادہ تعظیم کرنی سکھائی اور خدا کی محبّت کی نعمتوں کا وارث بنایا۔ اگر اِن میں سے کوئی بات بھی اُس سے منسوب نہ کی جائے تو اُس کے معجزات کو قبول کرنا نہائت مشکل بلکہ محال ہوگا۔ البتّہ وہ گواہی جو اُن کے وقوع کی نسبت پیش کی جائیگی ایک عجیب تاریخی معمّا بن جائیگی۔ مگر اُس کی بِنا پر اُن معجزات کو تواریخی واقعات سمجھنا جبکہ مذکور الفوق باتوں میں سے کوئی بات بھی معجزہ دکھانے والے میں نہیں پائی جاتی ناممکن ہوگا۔ کیونکہ اُس کے معجزات کو دُنیا کی تاریخ میں کوئی جگہ حاصل نہیں ٭

مگر مسیح کے معجزات دُنیا کی تاریخ میں گُندھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ ایسے شخص کی زندگی اور کام سے مربوط ہیں جس نے بڑی بڑی قوموں کی اخلاقی اور دینی حالت کو بالکل تبدیل کر دیا اور یہ تبدیلی اُن کی بھلائی کا باعث ہوئی جس کی طاقت اُنیس صدیوں کے گزر جانے کے بعد بھی ایسی ہی تازہ ہے جیسی پہلے تھی۔ جن کتابوں میں مسیح کے معجزات قلمبند ہیں اُن کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے معجزات اُس کی سب باتوں سے زیادہ عجیب نہ تھے بلکہ مسیح کی لاثانی تعلیم اُس کی لاثانی شخصیّت اور اُس کی اِلٰہی کاملیّت جو اُسکی انسانی زندگی کے ایّام میں اُس کی سیرت سے عیاں ہوئی اُس کے معجزوں سے بھی عجیب تر تھی۔ مزید براں اُس کا آنا گویا اُس اُمّید کا پورا ہونا تھا جو صدیوں تک اُس کی قوم کی جمعیت اور تقویّت اور تسلّی کا باعث تھی۔ پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مسیح نے معجزات دکھائے بلکہ تعجب اُس وقت ہوتا جب

وہ معجزات نہ دکھاتا۔

اور ہم میں سے وہ لوگ جو مسیح سے واقف ہیں۔ جو جانتے ہیں کہ وہ زندہ خداوند اور بنی آدم کا نجات دہندہ ہے۔ اور باپ تک پہنچانے کی راہ اور ہمیشہ کی زندگی کا دینے والا ہے اُن کا تجربہ جس کی تصدیق ہزارہا دیگر مسیحیوں کا تجربہ کرتا ہے مانع ہے کہ وہ اُس کی قوتِ اعجاز کے متعلق کسی طرح کی چون وچرا کریں۔

اگر آپ اپنے تجربے سے زندہ اور جلالی مسیح کو جانتے ہیں۔ اگر آپ نے اُس میں خدا کو پایا ہے۔ اگر آپ نے اُس کی نجات کی برکتیں حاصل کی ہیں تو آپ چاروں انجیلوں کی تاریخی صحت پر اس بنا پر شک نہیں لائینگے کہ چونکہ مسیح سے معجزات منسوب کئے جاتے ہیں لہذا انجیلوں کی تاریخی معتبری تسلیم کے لائق نہیں کیونکہ آپ نے اُن سے بڑی بڑی معجزانہ تاثیروں کا تجربہ کیا ہے جن کے ہم سب گواہ ہیں"۔

مسٹر اس صاحب نے تحقیق کا سلسلہ اس فرضی دعوے کے ساتھ شروع کیا کہ "معجزات ناممکن ہیں لہذا وہ بیان بھی جو اناجیل میں درج ہے معتبر نہیں ہے"۔ لیکن ہم اس دعوے کو فرض کرکے تحقیقات شروع کرتے ہیں کہ معجزات ناممکن نہیں کیونکہ زندہ خدا موجودات کی طاقتوں پر حاوی اور اُن سے بلندوبالا ہے۔ اور چونکہ ہم جانتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا اور بنی آدم کا نجات دہندہ ہے لہذا اغلب ہے کہ اُس کی زمینی ہستی کے ایام میں بھی اُس سے خدا کی محبت اور فضل کے ایسے عجیب کام سرزد ہوئے ہوں جنہیں فقط خدا ہی انجام دیسکتا ہے اور اس غرض سے سرزد ہوئے کہ اُس کی الٰہی عظمت کا پتہ ملے۔ یا یوں کہیں کہ یہ دعوے کہ "معجزات ناممکن ہیں" ایک دعوے بے دلیل ہے۔

لیکن یہ دعوے کہ مسیح نے یہ معجزات دکھائے ہزارہا مسیحی اشخاص کے شخصی تجربہ اور مسیحی دین کی فتوحات اور عجیب جلالی اظہارات پر مبنی ہے ٭

یوسیبئیس

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ جو بیان مسیح کے کام اور اُس کی ذات وصفات کا موجودہ اناجیل میں قلمبند ہے وہ وہی ہے جو رسولی زمانہ میں متداول تھا۔ اور چونکہ اُس دلیل کے متعلق جو ہم اس دعوے کے ثبوت میں ہدیۂ ناظرین کرنے والے ہیں ایک غلط فہمی برپا ہوسکتی ہے لہذا ہم شروع ہی میں اُس کے دُور کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ لوگ یہ کہیں کہ دوسری صدی عیسوی کے دوسرے حصے کی تصنیفات سے جو شہادت اثبات و احقاق اناجیل کے لئے مستنبط کی جاتی ہے وہ چنداں وزندار نہیں پس ہم اس گواہی کو قبول نہیں کرسکتے۔ ہم اس اعتراض کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ۱۵۰ء سے پہلے نئے عہدنامے کی کتابوں کو چھوڑ کر جو کتابیں دین عیسوی کے متعلّق تصنیف ہوئیں وہ شمار میں بہت ہی کم تھیں اور اُن میں سے بہت سی کھوگئی ہیں۔ تاہم اُن کے نام ہم کو معلوم ہیں اور جو کچھ اب محفوظ ہے اُس سے کافی اور وافی طور پر اناجیل کی صحت اور اصلیت پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے۔ چوتھی صدی کے آغاز میں قیصریہ کے مشہور بشپ یوسیبئیس نے جو دولتِ علم وفضل سے مالا مال تھا اپنی مشہور کتاب "تاریخ کلیسیا" تصنیف کی۔ جس میں ان کھوئی ہوئی کتابوں میں سے بہت سے مقامات اقتباس کئے گئے ہیں۔ گو یہ کتابیں اب معدوم ہوگئی ہیں۔

تاہم یقین ہے کہ ان میں سے کئی ایک کے نسخے مشرقی خانقاہوں کے کھنڈرات تلے دبے ہوئے ہونگے اور ممکن ہے کہ کسی وقت دستیاب ہو جائیں ؎

یوسیبیئس سنہ ۲۶۰ء سے تھوڑی مدت بعد پیدا ہُوا۔ گو یہ پختہ طور پر معلوم نہیں کہ کہاں پیدا ہُوا۔ لیکن نیس کی کونسل میں اُس نے ایک عقیدہ پیش کیا اور کہا کہ یہ عقیدہ میں نے قیصریہ میں سیکھا جبکہ میں ہنوز بچہ تھا اور مذہبی تعلیم پاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے بچپن کا زمانہ قیصریہ میں صرف کیا۔ اور قیصریہ میں بپتسمہ پایا۔ وہیں وہ عہدہ پرسبٹر پر مامور ہُوا اور وہیں سنہ ۳۱۳ء سے تھوڑی مدت بعد عہدہ اُسقفت پر مقرر ہُوا اور جب سنہ ۳۳۹ء یا سنہ ۳۴۰ء میں جاں بحق ہُوا تو اُس وقت بھی اُسی جگہ کا اُسقف تھا ؎

یوسیبیئس اپنی جوانی کے ایام میں اربابِ علم وفضل کے ساتھ بہت ربط ضبط رکھتا تھا خصوصاً پمفیلس (Pomphilus) کا بڑا دوست تھا جو اُس کا ہمخدمت پرسبٹر اور اسکندریہ کے مشہور اریجن کا سرگرم شاگرد تھا۔ یوسیبیئس کو بڑے بڑے کُتب خانوں میں جانے اور مسیحی تصنیفات کو پڑھنے کے عمدہ مواقع حاصل تھے۔ خاص کر دو بڑے کُتب خانے اُسکے زمانے میں مشہور تھے۔ ایک وہ جو سکندریہ میں پمفیلس کے زیر اہتمام تھا۔ اُس میں بیشمار اور بیش قیمت کتابیں پائی جاتی تھیں۔ اور دوسرا وہ تھا جو کہ یروشلم کے اُسقف اسکندر نے تیسری صدی کے پہلے نصف حصہ میں یروشلم میں کھولا تھا۔ یوسیبیئس بڑا محنتی آدمی تھا۔ اُس نے تیس سے زیادہ کتابیں تحریر کیں۔ جن میں سے بعض تواریخی مضامین سے متعلق تھیں اور بعض نوشتوں کی صداقت اور معتبری ثابت کرنے کے لئے اور بعض دینی

مسائل پر اور بعض علوم تفسیر وتشریح پر تصنیف کی گئی تھیں۔ علاوہ ان کتابوں کے اُس کی کئی فصیح تقریریں اور سرمن بھی قلمبند کئے گئے تھے۔ کونسل نیس میں اُس کو بڑی عزت اور مقدرت حاصل ہوئی اور اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ شہنشاہ قسطنطین سے بڑی دوستی رکھتا تھا۔ اور کہتے ہیں کہ تمام اُسقفوں میں وہی اکیلا بادشاہ کے دلی خیالات سے واقفیت رکھتا تھا چنانچہ وہ اُسکے خاص مشیروں میں شامل اور اُن خاص مشیروں کی جماعت کا سکتر تھا۔ وہی بادشاہ کے خیالات کا شارح۔ عبادت اور بندگی میں اُس کا رہنما اور اُس کی کمزوریوں کے اقرارات کو سُننے کے لیئے اُس کا کنفیسر (Confessor) تھا۔

کونسل نیس کے فراہم ہونے سے پیشتر اُس نے ایریس کی مدد کا بیڑا اُٹھایا اور سکندریہ کے رہنے والے اسکندر کو ملامت کی کیونکہ اُس نے ایریس کو اُس کے عہدے سے برطرف کردیا تھا۔ اور جب اُس کا وہ عقیدہ ج اُس نے کونسل کے رُوبرُو پیش کیا تھا کسی کسی جگہ تبدیل کیا گیا اور اُس میں و الفاظ داخل کئے گئے جو عقیدہ نیس میں پائے جاتے ہیں یا یُوں کہیں ک بیٹے کی نسبت یہ مانا گیا کہ اُس کی اور باپ کی ماہیت ایک ہے اور کہ وہ مخلوق نہیں بلکہ تولد ہوا۔ تو یوسیبئیس اس عقیدے پر دستخط کرنے سے ہچکچایا۔ کیو وہ نئی اصطلاحات کو پسند نہیں کرتا تھا بلکہ اُسی عقیدے کو جس پر اُس ۔ بپتسمہ پایا تھا کافی واضح اور لائح سمجھتا تھا۔ اور نہ اُن لعنت کے کلمات پسند کرتا تھا جو ضمیمہ کی طرح نئے عقیدے کے ساتھ چسپاں کئے گئے تھ تاکہ ایرین ازم پر ہمیشہ فتوے لگاتے رہیں۔ لیکن دن بھر غور وفکر کر کے بعد اُس نے آخر اس عقیدے پر دستخط کردئے مگر ساتھ ہی ایک خ قیصریہ کی طرف اس مضمون کا روانہ کیا کہ "اگر میری کلیسیا کے مرُوجہ عقید

ہیں کوئی شخص ایسی تبدیلی کرے جو اُس کی حقیقت کو بالکل بدل ڈالے تو میں
آخر تک اُس کا مقابلہ کرونگا۔ پس اگر میں نے نئی تبدیلیوں کو قبول کیا ہے
تو صرف اس لئے کیا ہے کہ ان سے کسی طرح کا نقصان برآمد نہ ہوگا بلکہ فضول
جھگڑے دور ہو جائینگے"۔

بات اصل یہ ہے کہ یوسیبیئس تھیولاجیکل (علوم الٰہیہ کے متعلق)
اختلافات کی چنداں پروا نکرتا تھا یا شائد یہ کہنا بہتر ہو کہ وہ اس قسم کے
اختلافات کے متعلق لڑنا پسند نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ وہ اس بات کا قائل
تھا کہ خدا کی ازلی ہستی کے بھید نہ انسانی وہم میں سما سکتے ہیں اور نہ انسانی
زبان کے وسیلے بیان کئے جا سکتے ہیں۔ پس وہ اپنے دوستوں کے
ساتھ جو ایریئس کے خیالات میں پھنس گئے تھے سختی سے پیش آنا نہیں
چاہتا تھا گو خود اُسی قدیم اعتقاد کا معتقد تھا جو پُشتوں سے متداول
چلا آرہا تھا۔

اُس کے زمانے میں سات کتابیں جو اب نئے عہد نامہ میں مندرج
ہیں زیر بحث تھیں۔ بعض کلیسیائیں کہتی تھیں کہ وہ رسُولوں کی تصنیف نہیں
ہیں اور بعض کہتی تھیں کہ ہیں۔ پس جب یوسیبیئس نے تاریخ کلیسیا کو تالیف
کرنا شروع کیا تو منجملہ اَور مقاصد کے اُس کا ایک یہ مقصد تھا کہ اپنی کتاب
کے وسیلے اس سؤال پر روشنی ڈالے کہ کس درجہ تک ان کتابوں کا الہامی
دعوے قبول کرنے کے لائق ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ نئے عہد نامے کی کتابیں مختلف مصنّفوں نے مختلف
ممالک میں اور مختلف موقعوں پر تصنیف کیں۔ لہذا اُن کی نسبت کئی سؤال
کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ کس وقت یہ کتابیں دیگر مسیحی

تصانیف سے علیحدہ کی گئیں اور "پاک نوشتوں" کی حیثیت سے ایک مجموعہ میں
جمع کی گئیں۔ کس کے اختیار سے یہ انتخاب کیا گیا؟ اور کس بنا پر بعض کتابیں
الہامی مانی گئیں اور بعض رد کی گئیں؟ ان اہم سوالات کی بحث آپ کو اُن
کتابوں میں ملیگی۔ جو نئے عہد نامہ کے کینن (قانون) پر لکھی گئی ہیں۔ اُن کتابوں
کے مطالعہ سے آپ کو بخوبی معلوم ہو جائیگا کہ دوسری صدی کے آخر میں یا یوں
کہیں کہ ۱۸۰ء کے قریب اُن تمام کتابوں کو جو ہمارے نئے عہد نامہ میں مندرج
ہیں کلیسیا نے الہامی مان لیا تھا۔ مثلاً آئرنی اس گواہی دیتا ہے کہ "تمام
نوشتے کامل ہیں کیونکہ وہ خدا کے کلمے اور اُس کی روح کا کلام ہیں" اور نوشتوں
سے اُس کی مراد پرانے اور (باستثناء چند) نئے عہد نامہ کی سب کتابیں ہیں
پس چند کتابوں کو چھوڑ کر باقی سب کتابیں جو نئے عہد نامہ میں مندرج ہیں
دوسری صدی سے کم از کم بیس برس پہلے الہامی اور متبرک تسلیم ہو چکی
تھیں۔ اور اُس زمانہ کے مسیحی اُن کی ایسی تعظیم کرتے تھے جیسی ہم کرتے ہیں
پس آئرنی اس کے ہمعصر مسیحیوں کے نزدیک جو کہ جابجا پھیلے
ہوئے تھے انہیں چاروں انجیلوں میں جو ہمارے پاس موجود ہیں خداوند
مسیح کی زندگی اور کام کا الہامی اور معتبر بیان قلمبند تھا اور وہ اُسی اعمال کی
کتاب کو جو ہمارے نئے عہد نامہ میں مندرج ہے مسیحی کلیسیا کے ابتدائی زمانہ
کی سچی تاریخ کا ماخذ سمجھتے تھے۔ اور اسی طرح پولس کے تمام خطوط جو موجودہ
نئے عہد نامہ میں درج ہیں۔ اور پطرس کا پہلا خط اور یوحنا کا پہلا خط اُن
رسولوں کی تصنیف سمجھے جاتے تھے جو یسوع مسیح کے نام کی منادی کیا کرتے تھے
یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ کتابیں اور مسیحی کتابوں سے کسی کونسل کے
فیصلے یا کسی تھیولوجن (عالمِ علمِ الٰہی) اور اُسقف کی صلاح سے علیحدہ نہیں

لی گئی تھیں۔ بلکہ سب مسیحی کلیساؤں کی مرضی سے جو دُنیا کے ہر حصّہ میں موجود تھیں علیحدہ کی گئی تھیں۔ اور یہ نتیجہ آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ وقوع میں آیا۔ اور گو کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ کس طرح وقوع میں آیا۔ تاہم اتنی بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ ۴۰۰ء کے قریب مذکور الفوق کتابیں الہامی مانی اور پاک نوشتوں میں شامل کی گئیں۔ یعنی سب کلیساؤں نے اُن کو الٰہی اختیار اور الہام ربانی پر مبنی اور پُرانے عہد نامہ کی کتابوں کے برابر تسلیم کر لیا ؂

لیکن عبرانیوں کے خط اور یعقوب اور یہوداہ کے خط اور پطرس کے دوسرے خط اور یوحنّا کے دوسرے اور تیسرے خط کی نسبت کلیسیا کے فیصلے میں اختلاف تھا۔ مکاشفات کی کتاب دوسری صدی میں جابجا قبول کی گئی لیکن تیسری صدی میں لوگ اُس پر اعتراض کرنے لگے۔ پس ان ساتوں متنازعہ فیہ کتابوں کو ایک ملک کی کلیسیائیں رسُولوں کی تصنیف سمجھتی تھیں اور دوسرے ملک کی کلیسیائیں اس کے برخلاف دعوے کرتی تھیں چنانچہ بڑے بڑے علما اور اسقف اس معاملے میں مختلف رائیں رکھتے تھے۔ پس مدّت تک اس سؤال کا کچھ فیصلہ نہ ہُوا ؂

یوسیبئس نے جیسا ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں اپنی کتاب "تاریخ کلیسیا" اسی غرض سے شروع کی کہ اس بات کو ظاہر کرے کہ کلیسیا کے ابتدائی زمانوں میں ان کتابوں کے متعلق جن پر اُسکے زمانے میں بحث ہوتی تھی مسیحیوں کی کیا رائے تھی۔ اور وہ اُن کو کس طرح استعمال کرتے تھے۔ نیز اُس نے یہ ارادہ کیا کہ اگر مجھے اُن کتابوں کی نسبت جو الہامی مانی جا چکی ہیں کوئی دلچسپ بات معلوم ہوگی تو میں اُسے بھی ہدیۂ ناظرین کرونگا۔ مگر وہ اس بات کی انجام دِہی میں دونوں قسم کی تصنیفات کے متعلق جداگانہ طریقے اختیار کرتا ہے۔ مثلاً وہ

وعدہ کرتا ہے کہ اگر مجھے کسی کلیسیا کے کسی مصنّف کی کسی کتاب میں ان زیر بحث
کتابوں میں سے کوئی اقتباس یا کوئی اشارہ ملیگا تو مَیں ناظرین کو اُس کی طرف
متوجّہ کرونگا۔ اور اس قسم کا ہر اقتباس اور ہر حوالہ اس بات کو ظاہر کریگا کہ
وہ کتاب قدیم مسیحیوں کی نظر میں کیا وقعت رکھتی تھی لہذا اس بات کے
فیصلہ میں بڑی مدد ملیگی کہ آیا وہ کتاب مُقدّس نوشتوں میں شامل کی جائے
یا نہ کی جائے۔ لیکن جن کتابوں کے متعلّق کوئی تنازعہ درپیش نہ تھا اُن کے
اقتباسات یا اشارات کو قلمبند کرنا ضروری نہیں کیونکہ اُن کے الہام و اختیار
کے سب قائل ہیں اور کوئی معترض نہیں۔ پر اس کے ساتھ ہی وہ یہ وعدہ
بھی کرتا ہے کہ اگر مجھے قدیم مسیحیوں کی کتابوں میں کوئی دلچسپ بیان یا کوئی
قابل غور نئی بات معلوم ہوگی خواہ وہ اُن کتابوں سے تعلّق رکھتی ہو جو رسولی
تصنیف مانی گئی ہیں خواہ اُن سات سے جو زیر بحث ہیں مَیں اُسے بھی اپنی
کتاب میں درج کردونگا۔

اب جس اُصول کے مطابق اُس نے اپنی کتاب شروع کی اُس کے
بموجب اس بات کی ضرورت نہ تھی کہ وہ اُن حوالوں کو بھی اپنی کتاب میں
درج کرتا جو یُوحنّا کے پہلے خط اور پطرس کے پہلے خط کے متعلّق پُرانی
کتابوں میں مندرج تھے کیونکہ اُن کی اصلیت اور معتبری پر کوئی اعتراض
نہ تھا۔ تاہم وہ اس قسم کے حوالوں کی طرف بھی ہمیں متوجّہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر
لائٹ فٹ صاحب فرماتے ہیں کہ "شائد اُس کا یہ خیال تھا کہ ایسا کرنے
سے اُس خاموشی کا مطلب کھُل جائیگا جو پطرس کے دوسرے اور یُوحنّا کے
دوسرے اور تیسرے خطوط کے بارے میں پائی جاتی تھی"۔

یوسیبیس بڑا ذی علم آدمی تھا اور اُن بڑے بڑے کُتب خانوں تک

جو اُس کے زمانے میں موجود تھے رسائی رکھتا تھا۔ کئی کتابیں جواب کھو گئی ہیں اُس کے پاس موجود تھیں وہ اُن میں سے کئی دلچسپ اور مفید مقامات اپنی کتاب میں درج کرتا ہے اور شروع ہی میں صاف صاف بتا دیتا ہے کہ پُرانی مسیحی تصنیفوں میں جو کچھ مجھے نئے عہدنامہ کی زیر بحث کتابوں کے بارے میں یا اُن کتابوں کی نسبت جو پاک نوشتوں میں شامل ہو گئی ہیں معلوم ہوگا اُسے جمع کرونگا اور اپنی کتاب میں داخل کرونگا۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ منصفانہ مزاج اور عالمانہ خیالات و عادات کا آدمی تھا۔ پر اِس شخص کی کتاب کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں کہیں اِس بات کا اشارہ نہیں کہ ہماری چاروں انجیلوں کی سچائی اور معتبری پر کلیسیا میں کبھی شک و شبہ نے راہ پائی ہو۔ اور نہ اُس میں کوئی ایسی بات پائی جاتی ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ کتابیں اُن لوگوں کی وفات کے بعد شائع ہوئیں جو اِن کے مصنف سمجھے جاتے ہیں۔ اور کب ممکن تھا کہ مسیحی کلیسیائیں جو ایک دوسری سے آزاد تھیں اور مختلف اقسام کی روایتیں اپنے قبضہ میں رکھتی تھیں اور مختلف ممالک میں قائم تھیں اِن کتابوں کو متی اور یوحنا۔ مرقس اور لوقا کی تصنیف قبول کرتیں۔ اگر وہ اِن لوگوں کی وفات کے بعد شائع ہوتیں اور کوئی ثبوت اپنی اصلیت کا پیش نہ کرتیں؟ اور اگر دیر میں شائع ہونے کا کوئی ثبوت پیش کرتیں تو پھر یہ ناممکن تھا کہ اُس ثبوت کا کوئی نشان باقی نہ رہتا۔ پُرانے مسیحیوں کی جو کتابیں اب موجود ہیں اُن میں ایسے ثبوت کا کوئی اشارا نہیں پایا جاتا۔ اور اگر کوئی اشارا اُن کتابوں میں ہوتا جو اب مفقود ہو گئی ہیں۔ پر یوسیبیئس کے پاس موجود تھیں تو وہ ضرور اُس کی خبر ہم کو دیتا ۔

یوحنا کی انجیل مثال کے طور پر لیجئے۔ اور غور کیجئے کہ اگر یوحنا کی

انجیل جس میں علم الٰہی کے متعلق نادر خیالات مندرج ہیں یوحنّا کی موت سے تیس یا چالیس یا پچاس سال بعد شائع ہوتی تو کیا یہ ممکن تھا کہ بے چون وچرا اُس کے دعاوی قبول کئے جاتے؟ کیا کوئی مسیحی مصنف اُس کی تاریخ سے واقف ہونے کی آرزو ظاہر نہ کرتا؟ اور کوئی یہ سوال نہ پوچھتا کہ اگر یہ کتاب یوحنّا کی تصنیف ہے تو کیوں تیس یا چالیس یا پچاس برس پہلے شائع نہ ہوئی؟ دوسری صدی کے وسط تک بلکہ اُس کے بعد بھی بہت ایسے اُسقف موجود تھے جو خود یوحنّا یا اُس کے دوستوں سے واقف تھے اور مختلف ملکوں میں رہتے تھے۔ کیا وہ یہ نہ پوچھتے کہ اِس کا کیا سبب ہے کہ یہ انجیل جس سے ہم ناواقف ہیں اب یوحنّا کے نام پر مشتہر کی جاتی ہے اور اگر اِس قسم کے سوالات کئے جاتے تو کیا ممکن نہ تھا کہ جس شخص نے اپنی مصنوعی انجیل کو رسول سے منسوب کیا وہ اتنی جرأت اَور بھی کرتا کہ اِن سوالات کے مصنوعی جوابات گھڑ کر پیش کر دیتا؟ کیا اُس کی وہ لیاقت جسے معجزانہ لیاقت کہنا چاہیئے جس سے اُس نے مسیح کے کام اور زندگی کا ایسا قصّہ ایجاد کیا جو اتنی صدیوں سے بنی آدم کو حیرت اور تعظیم سے بھرتا چلا آیا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کیا اُس کی ایسی نادر لیاقت ایک اَور کہانی اختراع نہیں کرسکتی تھی جو یہ بتاتی کہ کس طرح یہ کتاب اتنی دیر تک چھپی رہی اور کیوں اتنی دیر کے بعد شائع ہوئی؟ اگر ایسی کہانی ایجاد کی جاتی تو نہایت دلچسپ اور دلپسند ثابت ہوتی۔ اور اپنی خوبصورتی اور دلپذیری کے باعث کبھی کلیسیا کے حافظہ سے دُور نہ ہوتی۔ پس ظاہر ہے کہ اگر اِس کتاب کی نسبت ایسے سوال کئے جاتے اور اُن سوالوں کے جواب دئے جاتے تو یوسیبیئس اُن کی خبر ہم کو ضرور دیتا۔ کیونکہ وہ وعدہ کرتا ہے کہ مجھے جو کچھ زیر بحث یا غیر زیر بحث کتابوں کی

ابت معلوم ہوگا میں اُس کا ذکر کرونگا - اور خاص کر وہ یہ وعدہ کرتا ہے کہ
چاروں انجیلوں کے بارے میں جو کچھ قدماء نے کہا ہے میں اُسے رقم کرونگا
(دیکھو اُس کی کتاب "کلیسیا کی تاریخ" جلد سوم باب چہارو ہم) پر وہ نہ ایسے
سوالوں کی نسبت جو اُوپر رقم ہوئے کچھ لکھتا ہے اور نہ اُن جوابوں کی نسبت جو
ایسے سوالوں کو ملنے چاہیئے تھے کچھ کہتا ہے ؛

اور یہ کہنا کہ اگر یہ انجیل یُوحنّا کی وفات سے بیس یا تیس برس بعد شائع
ہوتی تو تو بھی بدون بحث قبول کی جاتی درست نہیں - اور جب ہم اِس
انجیل کے مضامین پر اور اُن مباحثوں پر جو دوسری صدی میں کلیسیا کے
گلے کا ہار بن رہے تھے غور کرتے ہیں تو یہ دعوے بالکل ناقابل یقین ثابت
ہوتا ہے - ناسٹیسزم نے (یعنی اُس فرقہ نے جو الٰہی بھیدوں کو جاننے کا دعوے
کرتا تھا) اِس انجیل کی قدرت کو بالکل تباہ کر دیا تھا کیونکہ اُس نے اُسے
فلسفہ میں تبدیل کرنے کی کوشش کی اور وہ لوگ جو اُس رسُولی عقیدہ کے
لئے جو مقدّسوں کو ہمیشہ کے لئے مرحمت کیا گیا تھا لڑتے تھے ناسٹیسزم کو سخت
مخالفت کی نظر سے دیکھتے تھے - لیکن اِس خوفناک بدعت کے اصطلاحی الفاظ
میں وہی الفاظ شامل ہیں جو یُوحنّا کی انجیل میں ایک خاص جگہ رکھتے ہیں۔
مثلاً "اکلوتا" "زندگی" "سچّائی" "فضل" "معموری" "کلمہ" "نور"۔
اب سؤال یہ ہے کہ کیا ناستکوں نے یہ الفاظ یُوحنّا سے لئے یا یُوحنّا کی
انجیل کے نامعلوم مصنّف نے یہ الفاظ ناستکوں سے لئے؟ جس طرح یہ الفاظ
ویلینٹی نس کے فلسفہ میں جو ایک ناستک تھا خاص جگہ رکھتے ہیں اُسی طرح
یُوحنّا کی انجیل میں خاص جگہ رکھتے ہیں - لیکن اتنا فرق ہے کہ یُوحنّا کی
انجیل میں وہ مختلف معانی اور مختلف زور کے ساتھ استعمال کئے گئے ہیں۔

پر کس نے پہلے اُن کو استعمال کیا؟ چوتھی انجیل نے یا ویلنٹی نس نے؟

اب اگر چوتھی انجیل ۱۲۰ء سے بعد شائع ہوتی تو وہ لوگ جو ناستک مت کو مسیحی کلیسیا کا جانی دشمن سمجھ کر اُس کی مخالفت کر رہے تھے کب اُسے قبول کرتے۔ شہر ڈبلن کے مشہور پروفیسر سالمن صاحب نے جو مثال اِس نکتہ کو واضح کرنے کو بیان فرمائی ہے وہ نہایت موزوں ہے۔ فرض کیجئے کہ اگر اُس وقت جبکہ ریفارمیشن کے متعلق مباحثہ زوروں پر تھا یہ خبر دی جاتی کہ پولوس کے کسی نامعلوم خط کا ایک نسخہ کسی پرانے کتب خانے سے ابھی دستیاب ہوا ہے۔ اب اگر وہ شائع ہو جاتا اور اُس کی اشاعت کے بعد معلوم ہوتا کہ وہ ایسے ایسے الفاظ سے پُر ہے جیسے "ٹرنسبس ٹنشی ایشن" (Transubstantiation مسئلہ تغیر جوہر) "پرگیٹوری" (Purgatory اعراف) اِن ڈل جنسز (Indulgences رومن کیتھلک عقیدہ کے موافق کلیسیا کی طرف سے گنہگار کا اُن گناہوں کی معافی پانا جو توبہ کے بعد سرزد ہوں) تو ہر ایک پراٹسٹنٹ اُسے جعلی سمجھ کر رد کر دیتا۔ یا اگر وہ خط دس یا بیس یا تیس سال قبل اِس کے کہ لوتھر نے اپنے اصول وٹنبرگ کے گرجا کی دیوار پر لٹکائے شائع ہوتا اور اُس کی اصلیت قبول کی جاتی تو کیا یہ ممکن تھا کہ ریفارمیشن کے زمانہ میں اُس کی اصلیت کی نسبت کسی طرح کا مباحثہ برپا نہ ہوتا؟

اسی طرح اگر یوحنا کی انجیل ۱۲۰ء کے قریب جبکہ ناستک مت زور پکڑتا جاتا تھا شائع ہوتی تو وہ کلیسیائیں جو قدیم عقیدہ کو ثابت قدمی سے مان رہی تھیں کبھی اُس کو اصلی اور الہامی نہ مانتیں یا اگر یہ انجیل اِس سال سے تھوڑا عرصہ پہلے کسی رسول کی تصنیف مانی جاتی۔ فرض کیجئے کہ ۱۲۰ء سے

پہلے بیس سال کے اندر اور کمزور شہادت کے زور پر الہامی مانی جاتی تو اُسکی اصلیت اور اختیار پر ضرور اعتراضات کئے جاتے اور مباحثہ کا کوئی نہ کوئی نشان ضرور باقی رہتا ؛

پس ہم پھر کہتے ہیں کہ دوسری صدی کے مسیحیوں کی جو تصنیفات ہمارے پاس موجود ہیں اُن میں اِس قسم کے مباحثے کا کوئی نام و نشان موجود نہیں۔ اور یوسیبیس کی خاموشی ثابت کرتی ہے کہ جو کتابیں گم ہو گئی ہیں۔ اُن میں بھی کوئی ایسا اشارہ موجود نہ تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ یُوحنّا کی انجیل کی اصلیت پر کبھی کسی طرح کا مباحثہ برپا ہوا ہے۔ پس یہ نتیجہ لازمی ہے کہ یُوحنّا کی انجیل کی اصلیت پر اُس زمانے میں کبھی بحث نہیں ہوئی کیونکہ کبھی کسی نے اُس کی اصلیت پر شک نہیں کیا اور شک نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ یُوحنّا کے حین حیات میں شائع ہوئی اور اُس کے تمام احباب جانتے تھے کہ وہ کتاب اُسی کی تصنیف ہے ؛

اسکندریہ کا رہنے والا کلیمنٹ اور طرطولین

کوئی شخص اِس بات پر اعتراض نہیں کرتا کہ دوسری صدی کے آخر میں سب مسیحی کلیسیائیں اُن چاروں انجیلوں کو جو ہمارے پاس موجود ہیں مسیح کی زمینی زندگی کا سچّا تاریخی بیان سمجھتی تھیں اور نہ کوئی اِس بات پر اعتراض کرتا ہے کہ یہ چاروں انجیلیں اُس وقت متّی۔ مرقس۔ لوقا اور یُوحنّا سے منسوب کی جاتی تھیں۔ یہ بات ہمارے لئے نہایت مفید ہے

جب ہم مسیحی مذہب کے ابتدائی زمانے کی طرف دیکھتے ہیں جس میں وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے اِن مقدس کتابوں کے مصنفوں کو دیکھا اور اُن سے انجیل کی تعلیم پائی اور مسیح کے معجزات اور تعلیم اور دُکھ اور بعثت کی نسبت گفتگو کی تو ہمیں وہ زمانہ بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اُنیس صدیوں کا فاصلہ جو بیچ میں حائل ہے ہماری نگاہ کو اکثر پراگندہ کر دیتا اور ہمارے خیال کو ورطۂ تحیر میں ڈال دیتا ہے اور ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہم کس طرح اس کثیر فاصلے کو جس میں قسم قسم کی مشکلات درپیش ہیں طے کریں۔ لیکن ہم اِس فاصلے میں سے سترہ صدیوں کا عرصہ طے کر کے اُس زمانہ میں پہنچ جاتے ہیں جس میں آئرنی اس اور طرطوبین اور کلیمنٹ اور اریجن کی تصنیفات ہمارے ہاتھ میں آجاتی ہیں۔ یہ بزرگ ہماری چاروں انجیلوں کو اُنہیں مصنفوں سے منسوب کرتے ہیں جن سے ہم کرتے ہیں۔ اب سوال برپا ہوتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ شہادت عامہ کسی پختہ اور محکم بنیاد پر قائم نہیں؟

شائد یہ بہتر ہوگا کہ ہم مخالفوں کے اعتراض اور دعاوی کو مدنظر رکھکر یہی سوال ایک اَور صورت میں پیش کریں۔ ہمارے مخالف یہ دعوے کرتے ہیں کہ موجودہ انجیلیں دوسری صدی میں تحریر کی گئیں اور اُس صدی کے آخر میں اُن کو وہ رتبہ اور اختیار اور بزرگی حاصل ہوئی جو اَب حاصل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کیا وہ ایسے عالمگیر طور پر قبول کی جا سکتی تھیں۔ اگر اُنہیں نامعلوم اشخاص۔ نامعلوم جگہوں اور نامعلوم زمانوں میں دوسری صدی کے پہلے نصف حصے میں رسولوں اور اُن کے ہمعصر بزرگوں کے گزر جانے کے بعد تصنیف کرتے؟ دو خیال اس کمزور دعوے کی تردید میں پیش کئے جا سکتے ہیں (۱) مسیحی کلیساؤں کا دور دور ممالک میں قائم ہو جانا (۲) اِن کلیساؤں

کا ایک دوسرے سے آزاد رہنا۔

ہمارے خداوند کی وفات کے بعد تیس سال کے اندر اندر یروشلم اور قیصریہ اور انطاکیہ اور روم میں کلیسیائیں قائم ہوگئی تھیں۔ اور اسی طرح ایشیائے کوچک کے وسط اور اُن شہروں میں بھی جو ساحل پر واقع تھے مسیحی کلیسیائیں موجود تھیں۔ اور فلپی اور تسلونیقہ اور کارنتھ بھی اُن سے خالی نہ تھے۔ اس زمانے کے بعد جو چالیس سال کا عرصہ آتا ہے اُس کی نسبت ہم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ مسیحی مذہب کس طرح اور کہاں کہاں پھیلا۔ لیکن دوسری صدی کے شروع میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایشیائے کوچک کے شمال میں بے شمار مسیحی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ پلنی جو شہنشاہ ٹریجن کی طرف سے اس ملک میں بھیجا گیا تھا بادشاہ سے بذریعہ خط وکتابت دریافت کرتا ہے کہ میں اُن لوگوں سے جو اس عجیب بطالت، (یعنی مسیحی مذہب) کو ماننے کے "جرم" میں گرفتار ہیں کس طرح پیش آؤں۔ کیونکہ یہ "جرم" اُس وقت بھی جبکہ ایذا رسانی کا بازار گرم تھا سرزد ہوتا تھا۔ اور پلنی بادشاہ کو خبر دیتا ہے کہ اگر میں اُن سب کو جو اس مذہب کی پیروی کرتے جاتے ہیں اور سمجھانے سے باز نہیں آتے سزا دیتا جاؤں تو بیشمار لوگ سزا پائینگے "کیونکہ جن پر اس عقیدے کی پیروی کا الزام لگایا جاتا ہے اور آئندہ لگایا جائیگا وہ بے شمار ہیں اور اُن میں چھوٹے بڑے۔ امیر۔ غریب۔ اور مرد عورت سب شامل ہیں۔ اور اس وبا نے نہ صرف بڑے بڑے شہروں کو گھیرا ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہات کو بھی گھیر لیا ہے"۔ پلنی کا خیال تھا کہ اگر کوئی عمدہ حکمت علی کام میں لائی جائے تو اصلاح ہوسکتی ہے اور مذہب عیسوی کی ترقی مسدود کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "اس میں شک نہیں کہ وہ مندر جو بالکل بند ہوگئے

تھے اب پھر کھل گئے ہیں اور اُن میں پوجا شروع ہوگئی ہے - اور متبرک
رسوم مدتِ مدید کے بعد پھر تازہ ہونے لگ گئی ہیں اور ذبیحے جو پہلے کم بکتے
تھے اب جا بجا خریدے جاتے ہیں"۔ پر اِس کے ساتھ ہی اپنا یہ خیال بھی
ظاہر کرتا ہے کہ" اگر توبہ کرنے والے معاف کئے جائیں تو شائد بہت لوگ
اپنے پُرانے مذہب کو پھر اختیار کرلیں"۔ اب یہ خط ۱۱۰ء سے پہلے
لکھا گیا تھا - اور اِس سے پچاس سال بعد مسیحی مذہب اس قدر پھیل گیا تھا کہ
جسٹن اپنی کتاب" ڈائلاگ وتھ ٹرفو" (ٹرفو کے ساتھ گفتگو) میں کہتا ہے کہ
"کوئی قوم ایسی نہیں خواہ وہ یونانی کہلاتی ہو یا بربری - یا کسی اَور نام سے
موسوم ہو خواہ خیموں میں رہتی ہو یا گاڑیوں پر سوار ہوکر آوارہ پھرتی ہو جس میں
ایسے لوگ موجود نہیں جو مصلوب یسُوع کا نام لیکر اپنی دُعائیں دُنیا کے خالق
خدا باپ کے حضور پیش نہیں کرتے"۔ مؤرخ گبن جو اِس مقام کو اپنی کتاب
میں اقتباس کرتا ہے کہتا ہے کہ یہ ایک" بڑا مبالغہ ہے جسے اِس زمانہ میں
بھی مشکل سے بنی آدم کی حقیقی حالت پر چسپاں کرسکتے ہیں"۔ مانا کہ" جسٹن
کے کلام میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ تاہم اِس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ جسٹن کبھی
ایسا پُر مبالغہ کلام استعمال نہ کرتا اگر یہ بات مشہور نہ ہوتی کہ اِس نئے دین نے
دُنیا کے دُور دور ممالک میں اپنا سکہ جمالیا ہے - اور ہمیں دیگر وسائل سے بھی
خبر ملتی ہے جس میں ذرا شک نہیں کہ دوسری صدی کے وسط سے پہلے
مسیحی کلیسیائیں رومی سلطنت کے ہر صوبہ میں قائم ہوگئی تھیں ؛

(۲) دوسری بات غور کرنے کے لائق یہ ہے کہ مسیحی کلیسیائیں اُس
وقت بالکل آزاد تھیں - یا یوں کہیں کہ ابھی کوئی مذہبی حکومت برپا نہیں
ہوئی تھی جو تمام کلیسیاؤں پر غالب ہوکر اُنہیں اتفاق پر مجبور کرتی - اس میں

شک نہیں کہ جب پولوس جیتا تھا تو وہ اُن کلیساؤں کی جو ایشیا اور یورپ میں موجود تھیں نگرانی کیا کرتا تھا لیکن دوسری صدی کے خاتمہ سے قریباً تیس برس پہلے وہ اِس دُنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ اور اسی طرح جب یوحنّا زندہ تھا تو وہ بھی ایشیائے کوچک کی کلیساؤں کا ملاحظہ کیا کرتا تھا مگر یوحنّا بھی دوسری صدی کے آخر میں رحلت کر گیا تھا۔ اور نہ ابھی اُن جنرل کونسلوں کا زمانہ آیا تھا جن کی تقریب پر جگہ جگہ سے خادمانِ دین ایک جا فراہم ہوا کرتے تھے۔ پس اِن کلیساؤں میں اب تک کوئی ایسا کلیسیائی رابطہ پیدا نہیں ہوا تھا جسکی وجہ سے اُن کے درمیان یگانگت پیدا ہوتی۔ البتّہ اُن میں دوستی اور محبّت کا رشتہ قائم تھا مگر کسی خارجی اختیار یا حکومت نے اُن کو کبھی کسی بات پر متحد ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا تھا۔ اور نہ اب تک کوئی ایسا تھیولوجن (عالم) پیدا ہوا تھا جس کی ترغیب سے یہ اتحاد پیدا ہوتا۔ البتّہ قدیم کلیساؤں کی جنہیں رسولوں نے قائم کیا تھا عزّت کی جاتی تھی۔ اور کلیسیائے رُوم دارالسلطنت میں واقع ہونے کے سبب کسی قدر زیادہ اعزاز کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ مگر نہ رُوم کو اور نہ انطاکیہ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ دیگر کلیساؤں پر حکومت کریں۔ پس ہر ایک کلیسیا اپنی اپنی روائتوں کے مطابق دینِ عیسوی کی پیروی کرتی تھی اور اگر اِن روائتوں میں تبدیلی وارد ہوتی تھی تو صرف اِس صورت میں کہ وہ کلیسیا کبھی کبھی اُن کلیساؤں کی بات کو مان لیتی تھی جنہیں وہ رسولی عقائد کی تقلید میں زیادہ وفادار سمجھتی تھی۔ مگر اطاعت ضروری اور لازمی نہ تھی اور نہ کوئی اتّحاد کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ بلکہ بعض بعض رسومات کی نسبت بڑی بحث ہوا کرتی تھی مثلاً دوسری صدی کے آخر میں ایسٹر (مسیح کے جی اُٹھنے) کی عید کے بارے میں مشرق اور مغرب کے مسیحیوں میں بڑی بحث ہوئی۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ کس طرح سنہ ۲۰۰ء سے کئی سال پہلے اِن کلیساؤں نے جو مختلف قوموں سے مشتمل تھیں جنہیں سمندر اور پہاڑ ایک دوسری سے جُدا کرتے تھے جو رُوم اور ایشیاے کوچک اور فرانس اور شمالی افریقہ میں جابجا قائم تھیں۔ اِن چاروں انجیلوں کو مقدّس نوشتوں کے طور پر قبول کیا اور یہ مانا کہ وہ متی اور مرقس اور لوقا اور یُوحنا کی تصنیف ہیں؟ ہم پھر کہتے ہیں کہ جس حال کہ کوئی ایسا مشہور تھیولوجن موجود نہ تھا جو مختلف کلیساؤں کو اِس خصوص میں متفق ہونے کی ترغیب دیتا۔ اور نہ ایسا زمانہ ابھی آیا تھا کہ لوگوں کو ذاتی رائے ظاہر کرنے کی ممانعت ہوتی۔ اور نہ کوئی ایسی خارجی حکومت موجود تھی جو ان کلیساؤں کو اتفاق کرنے پر مجبور کرتی۔ پھر کس طرح اِن کلیساؤں میں ان چاروں انجیلوں کے بارے میں اتفاق پیدا ہوگیا؟

اِس سوال کا فقط ایک ہی جواب ہے۔ اور وہ یہ کہ ہماری انجیلیں ضرور پہلی پُشت کے مسیحیوں کے زمانہ میں لکھی گئی ہونگی۔ اگر وہ بعد میں مروّج ہوتیں تو وہ کلیسائیں جنہیں رسولوں نے قائم کیا تھا اُن کو قبول نہ کرتیں۔ اور اگر ایک آدھ کلیسا کسی جگہ اس دھوکے میں آجاتی تو دوسری کلیسائیں اُس کو آگاہ کر دیتیں۔ پس ان انجیلوں کا سنہ ۲۰۰ء سے پہلے جابجا قبول کیا جانا ثابت کرتا ہے کہ اُنہیں نامعلوم مصنّفوں نے سنہ ۱۰۰ء اور سنہ ۱۵۰ء کے درمیان تصنیف نہیں کیا۔

اب ہم اِس دلیل کو جو کلیساؤں کے اتفاق عامہ سے برآمد ہوتی ہے چھوڑ کر دو مشہور بزرگوں کی گواہی جو اُس زمانہ میں موجود تھے پیش کرتے ہیں۔ وہ کلیمنٹ اور طرطولین ہیں۔ کلیمنٹ اسکندریہ کا اور طرطولین کارتھج کا رہنے والا تھا۔ دونوں میں عقلی اور مذہبی معاملات کے متعلق بڑا فرق تھا اور

دونوں ایسی مسیحی جماعتوں سے علاقہ رکھتے تھے جن کے اوضاع و اطوار مختلف اور مذہبی روایات جُدا جُدا تھیں ؂

کلیمنٹ

شہر اسکندریہ اپنے عظیم الشان کتب خانہ کے لئے جو اُس زمانے کی زینت سمجھا جاتا تھا نہایت مشہور تھا۔ اور دوسرا سبب اُس کی شہرت کا یہ تھا کہ اُس میں ایک یونیورسٹی (دار العلوم) پائی جاتی تھی جس کے سبب سے طالبانِ علم دُور دُور سے آکر مشہور پروفیسروں سے جن کے نام اب تک زندہ ہیں تعلیم پاتے تھے۔ اس شہر کے باشندوں میں ہر قوم کے لوگ شامل تھے۔ جو ہر ملک کے علم و ہنر کی قدر کیا کرتے تھے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں پہلے پہل یونانی اور مشرقی فلسفہ کو باہم ترکیب دینے کی کوشش کی گئی۔ اور اسی جگہ یہ بات دکھانے کی کوشش کی گئی کہ غیر قوموں نے اپنے فلسفہ سے جو کچھ دریافت کیا ہے اُس کا لب لباب موسےٰ کی کتابوں میں موجود ہے۔ علم ادب۔ صرف و نحو کری ٹیسزم (تنقید)۔ ریاضی۔ نجوم اور طب غرضیکہ جس علم کی طرف طبیعت راغب ہو اُسی کا مطالعہ اس جگہ قابل اُستادوں کے زیر سایہ اور سرگرم طلبا کی سنگت میں کیا جاسکتا تھا ؂

دوسری صدی کے شروع میں بے شمار مسیحی اس شہر میں موجود تھے۔ جن میں سے کئی ایک نے بڑے سے لائنڈیز اور ویلنٹی نس اور دیگر ناستکوں کی پیروی اختیار کی۔ اس صدی کے آخر میں اسکندریہ کا سکول ایسا نامور ہوگیا کہ غیر قوموں کے فلسفے اور مذہب پر حملہ کرنے کا مضبوط مرکز وہی سمجھا جاتا

تھا۔ صبح سے شام تک یہ سکول برابر کھلا رہتا تھا اور مردوں اور عورتوں
کو آنے اور مفت تعلیم پانے کی اجازت تھی۔ واضح ہو کہ عین اِس جگہ جہاں
درس تدریس کا بازار گرم تھا۔ جہاں لوگوں کی عقلی قوتیں تربیت پاکر نہایت
روشن اور مضبوط ہوگئی تھیں اور نئی نئی باتوں کی تحقیق میں لگی ہوئی تھیں
مسیحی علما نے بڑے بھروسے کے ساتھ یہ بیڑا اُٹھایا کہ دُنیا پر ثابت کریں
کہ وہ حکمت الٰہی جو مسیح میں ظاہر ہوئی ہے اپنی خوبی اور جلال میں لاثانی
ہے اور یہ بھی واضح ہو کہ اِس مشکل اور بھاری کام کو انجام دینے کے لئے
اُن کے پاس کافی سامان موجود تھا۔ کلیمنٹ تیرہ سال تک اِس سکول کا مہتمم
یا زمانۂ حال کی اصطلاح کے مطابق پرنسپل رہا (سنہ ۱۹۰ء سے سنہ ۲۰۳ء تک)۔

اُس نے غالباً شہر اینتھنز میں جو دوسری صدی میں بھی اپنی علمی
فضیلت کے سبب مشہور تھا تعلیم پائی۔ اور اُس کی بعض بعض باتوں سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیحی مذہب کو قبول کرنے سے پہلے بُت پرست تھا۔
اور بُت پرستوں کے بعض نفیس اور عمدہ خیالات کو ہمیشہ پسند کرتا رہا۔ وہ
ایسے وسیع خیالات کا آدمی تھا کہ اسکندریہ کے مشہور سکول کا مہتمم ہو کر بھی
اِس بات کو مانتا رہا کہ حکیم افلاطون کے بعض بعض خیالات الہامی ہیں۔ وہ
کہتا تھا کہ خدا تمام عمدہ اور نیک چیزوں کا بانی ہے اور اُسی نے یونانیوں
کو فلسفہ عطا کیا جس طرح یہودیوں کو شریعت بخشی تاکہ اُس سے راستبازی
تربیت پائے اور وہ لوگوں کو مسیح کے پاس لانے میں پیڈاگاگ یعنی اُستاد
کا کام دے۔ پس اس بارے میں اُس کا یہ اعتقاد تھا کہ یا تو فلسفہ کی
بے بہا نعمت خود خدا باپ نے اپنی روح پاک کے وسیلے عطا فرمائی ہے
یا فلاسفروں نے عبرانی انبیا کی مقدّس کتابوں سے پائی ہے۔ اگر دوسرا

خیال درست ہے تو وہ پرومیتھی اُس کی مانند ہیں جو ایک یونانی قصہ کے مطابق بنی آدم کے فائدے کے لئے آسمان سے آگ چُرالایا تھا لیکن آگ اور اُس کی روشنی دونوں چیزیں خدا سے تھیں خواہ کسی طرح سے حاصل کی گئیں *

صاف ظاہر ہے کہ کلیمنٹ بڑا عالم اور صلح جو آدمی تھا۔ اگرچہ اُسکے اور ہمارے درمیان سترہ سَو سال کا فاصلہ حائل ہے پر اُس کے خیالات ایسے پاک اور ایسے شُستہ ہیں جیسے وہ جنہیں ہم جدید تہذیب اور علم کا پھل سمجھکر پسند کرتے ہیں۔ ہاں کلیمنٹ علم وفضل میں یگانۂ روزگار اور ایک تعلیم یافتہ کلیسیا کا رہبر تھا اور ایسے شہر میں رہتا تھا جہاں ہر قسم کے علوم کا چرچا ہو رہا تھا۔ اب اگر کلیمنٹ جیسا شخص جو آخری رسول کی وفات کے بعد عرصہ سَو سال کے اندر موجود تھا اور معلّم کا کام کیا کرتا تھا۔ چاروں انجیلوں کی اصلیّت اور معتبری کو بے چون وچرا تسلیم کرے اور اِس بات پر کبھی شک نہ لائے کہ اُنہیں متّی اور مرقس اور لوقا اور یوحنّا نے تصنیف کیا ہے تو یہ اِس بات کا پختہ ثبوت ہے کہ دوسری صدی کے آخر میں وہ روائت جس پر انجیلوں کی اصلیّت اور معتبری قائم تھی قدیم اور عالمگیر اور فیصلہ کن سمجھی جاتی تھی *

جو مقامات اِن انجیلوں سے اُس نے اپنی کتابوں میں اقتباس کئے ہیں اُن کی فہرست اس لئے پیش کرنا کہ ثابت ہو جائے کہ وہ اُن کی اصلیّت اور معتبری کا قائل تھا ایسا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے جیسا یہ کہ مسٹر سپرجن یا کینن لڈن کی تصنیفات سے انجیل کی آیات دکھا کر یہ ثابت کیا جائے کہ وہ انجیل کے الہام کے قائل تھے۔ البتہ یہ دکھانا

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے نہ انجیل اور نہ دیگر مقدّس نوشتوں کو بے تحقیق قبول کیا۔ چنانچہ اُس نے ایک کتاب میں جس کا نام ہائی پوٹی پوسز تھا اپنی تحقیقات کے نتائج قلمبند کیئے۔ وہ کتاب گم ہو گئی ہے۔ مگر اُس کے کئی حصے یوسیبیئس کی کتاب میں محفوظ ہیں۔ یوسیبیئس کہتا ہے کہ کلیمنٹ اِس کتاب میں انجیلوں کی ترتیب کے متعلّق وہ روائت پیش کرتا ہے جو قدیم یا اب سے پہلے پرسبٹرز (بزرگوں) سے چلی آئی تھی کلیمنٹ بتاتا ہے کہ "جن انجیلوں میں نسب نامے درج ہیں وہ پہلے لکھی گئی تھیں اور مرقس کی انجیل مفصلہٗ ذیل صورت میں تحریر ہوئی۔ جب پطرس نے شہر رُوم میں سب کے سامنے کلام کی منادی کی اور رُوح کی ہدائت سے انجیل کا مژدہ دیا تو بہت سے لوگوں نے جو حاضر تھے مرقس سے جو دُور سے اُس کے ساتھ آیا تھا اور اُن باتوں کو جو بیان کی گئی تھیں بخوبی جانتا تھا یہ درخواست کی کہ تم ان باتوں کو قید کتابت میں لاؤ۔ پس اُس نے اُنکی درخواست کے مطابق عمل کیا اور اُن باتوں کو تحریر کر کے اُن کے حوالے کیا۔ جب پطرس کو یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے نہ اُس کے برخلاف کچھ کہا اور نہ اُس کی تائید کی۔ سب سے پیچھے جب یوحنّا نے دیکھا کہ وہ باتیں جو انجیل میں ہمارے خداوند کے جسم (یعنی وہ باتیں جو ہمارے خداوند کی زندگی اور کام کے انسانی پہلو) سے علاقہ رکھتی ہیں مفصّل بیان ہو چکی ہیں تو اُس نے اپنے دوستوں کی درخواست اور روح پاک کی تحریک سے ایک روحانی انجیل تحریر کی"۔ پھر وہ ایک قول کے بارے میں جو مسیح سے منسوب کیا جاتا تھا بحث کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بیشک وہ ایک اپاکرفل انجیل میں پایا جاتا ہے مگر "ان چاروں انجیلوں میں جو پشت بہ پشت ہمارے پاس چلی

آئی ہیں اُس کا کوئی سراغ نہیں ملتا "۔

کلیمنٹ کی گواہی کے متعلق ایک اور بات قابل غور ہے - وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی کتاب "سٹرامیٹا" اِس واسطے لکھی ہے کہ بڑھاپے میں میرے کام آئے - اور میں اُن پُر زور اور پُر تاثیر تقریروں کو بھول نہ جاؤں جو میں نے ایسے لوگوں سے سُنی ہیں جو فی الحقیقت بڑے لائق اور مبارک آدمی تھے - اور جنہوں نے اُس مذہبی تعلیم کو جو اُنہوں نے خود پطرس اور یعقوب اور یوحنّا اور پولوس سے پائی محفوظ رکھا - وہ کہتا ہے کہ "یہ خدا کی مرضی تھی کہ مذہبی صداقت کو قدیم اُستاد اِس طرح اپنے شاگردوں کے سپرد کریں جس طرح باپ اپنی میراث کو فرزندوں کے سپرد کرتے ہیں - اگرچہ اِس میں شک نہیں کہ اِن شاگردوں میں سے بہت تھوڑے اپنے اُستادوں کے رتبے کو پہنچے"۔ جن لوگوں سے اُس نے مذہبی تعلیم پائی اُن سے وہ یونان اور اٹلی اور مشرقی ممالک میں دوچار ہوا - ان میں سے ایک مصر کا رہنے والا تھا - ایک یہودی عیسائی تھا جس کے ساتھ اُس کی ملاقات فلسطین میں ہوئی - ایک ارام میں پیدا ہوا تھا اور جو سب سے فاضل تھا (شاید پنتینس) وہ اُسے مصر میں ملا - جب اُس کی ملاقات اس آخری شخص سے ہوئی تب اُس نے مسیح میں دل اور دماغ کا دائمی آرام پایا - اب ہمارے ناظرین پر واضح ہوگیا ہوگا کہ کس طرح مختلف وسائل کے ذریعے قدیم کلیسیا کے اعتقادات اِس شخص تک پہنچے - اور کہ یہ ماننا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو جُدا جُدا ممالک کے باشندے تھے اور ایسی روایات کو مانتے تھے جو کئی پشت تک دوسرے ممالک کی روائتوں سے بالکل آزاد چلی آئی تھیں یک بیک متفق ہوکر ماننے لگ گئے کہ چاروں انجیلیں اُنہیں لوگوں کی تصنیف سے ہیں جو اُن کے مصنّف مانے جاتے ہیں حالانکہ وہ محض

جعلی کتابیں تھیں اور رسولوں اور اُن کے ہمعصروں کی وفات کے بعد تحریر ہوئی تھیں ؛

طرطولین

اب ہم اسکندریہ کو چھوڑ کر کارتھیج کی طرف متوجہ ہوتے ہیں - یہ شہر قیصر اگستس کے عہد میں بحال ہوا اور تھوڑے سے عرصے میں دولت اور حشمت کے سبب مشہور ہو گیا - اُس کی آبادی میں طرح طرح کے لوگ شامل تھے - چنانچہ کچھ حصہ اُس کا اُن قدیم فینیکیوں کی اولاد سے مشتمل تھا جنہوں نے اپنی جمہوری سلطنت کو ایسے پایۂ تک پہنچایا کہ روم بھی اُسے مشکل سے اپنے قبضے میں لاسکا - اور کچھ حصہ اُن رومیوں سے مشتمل تھا جو ہمیشہ کے لئے اس شہر میں آبسے تھے - ماسوائے اُن کے ہر ملک کے لوگ یہاں موجود تھے جو کارتھیج کی تجارت کے سبب اپنا وطن چھوڑ آئے تھے ظاہری تہذیب میں یہ شہر روم کا پیرو تھا - چنانچہ یہاں کئی سکول موجود تھے جہاں فن تقریر کے اصول سکھائے جاتے تھے اور رومن قانون کی تعلیم دی جاتی تھی - لیکن مذہبی خصائص کو دیکھکر ظاہر ہو جاتا تھا کہ قدیم کارتھیج کے بانی فینیکی تھے - لوگوں کے مزاج کی تیزی اور تندی افریقیہ کی تُرش ہوا کی حدت اور تلخی سے مشابہت رکھتی تھی ؛

کارتھیج کے مسیحی بھی عقلی اور اخلاقی خصوصیات میں شہر کے باقی باشندوں کی مانند تھے - چنانچہ کلیسیا بیرونی رنگ ڈھنگ میں دیگر مشرقی کلیسیاؤں کی مانند نہ تھی بلکہ رومن معلوم ہوتی تھی - یا یوں کہیں

کہ جس قدر عملی معاملات کی طرف متوجہ تھی اُس قدر گیان دھیان کی طرف مائل نہ تھی۔ اُس کے شرکاء کسی قدر سخت گیر تھے پس جن باتوں کو وہ ناجائز سمجھتے تھے اُن کی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ مسیحی جوش سے بھر کر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ اور مدتِ مدید تک سخت سخت ایذاؤں کے مقابلے پر ڈٹے رہنے اور اگر ضرورت ہو تو اپنی جانیں بھی مسیح کے لئے نثار کرنے کو تیار رہتے تھے۔ لیکن جب ایذا رسانی کا وقت آیا تو اُن میں سے کئی لوگ پھر گئے اور اپنی وفاداری میں ایسے ثابت قدم نہ نکلے جیسے دیگر کلیساؤں کے شرکاء نکلے جو نہ اپنی دینداری پر اہل کارتھج کی طرح فخر کیا کرتے تھے اور نہ اُن کی طرح بُت پرستوں کو لعن طعن کیا کرتے تھے +

اِس عظیم کلیسیا کی مضبوطی اور کمزوری مشہور طرطولین کی طبیعت سے بخوبی ظاہر ہے۔ طرطولین سنہ ۱۵۰ع اور سنہ ۱۶۰ع کے درمیان کسی وقت کارتھج میں پیدا ہوا۔ وہ ایک اعلےٰ خاندان سے علاقہ رکھتا تھا اور اُن تمام علوم سے جو اُس وقت رائج تھے بخوبی واقف تھا۔ چنانچہ فلسفے اور تاریخ اور فن تقریر اور قانون میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ اُس کے والدین بُت پرست تھے اور معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت وہ عیسائی ہوا اُس وقت اُس کی عمر تیس یا چالیس سال کی تھی اور سات سال کے اندر اُس نے پندرہ یا سولہ کتابیں تصنیف کیں۔ اُن میں سے بعض مسیحی مذہب کی صداقت ثابت کرنے کے لئے لکھی گئیں اور بعض مباحثے اور علم اخلاق اور ریاضت سے متعلق تھیں +

گو یہ کتابیں اُس نے مسیحی ہونے کے بعد سات برس کے اندر تحریر کیں تاہم اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے دینی اصول اِس تھوڑے ہی سے عرصے میں نہایت پختہ ہو گئے تھے بلکہ اُن میں ایک قسم کی سختی پیدا

ہو گئی تھی۔ مثلاً بُت پرستی کی نسبت اُس کے خیالات کو دیکھئے۔ وہ کہتا ہے کہ بُت پرستی کی حمایت کرنا سخت جُرم ہے کیونکہ بُت پرستی سب گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ باقی سب گناہ اُس میں شامل ہیں لہذا جو شخص بُت پرست ہے وہ خون کرتا ہے۔ زنا کرتا ہے اور کفر بکتا ہے۔ تھیئٹروں اور سرکسوں میں جانا اور تماشہ دیکھنا بھی گناہ ہے کیونکہ جو کچھ وہاں کیا جاتا ہے وہ دیوتاؤں کے نام اور بزرگی کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے جاتے ہیں اُن سے قطع تعلّق کرنا چاہئے کیونکہ اُن سے مِلنا جُلنا بھی گناہ ہے۔ نہ بُت پرستوں کے تہواروں میں شریک ہونا چاہئے کیونکہ یہ بھی گناہ ہے۔ اہل کارتھج کے درمیان یہ دستور تھا کہ وہ بعض بعض تہواروں کے موقعوں پر قرض ادا کیا کرتے تھے اور بعض کی تقریب پر انعام بانٹا کرتے تھے۔ طرطولین اِس کی بھی مخالفت کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اس رسم میں بھی بُت پرستوں کے ساتھ موافقت کرنا گناہ ہے۔ لہذا لازم ہے کہ مسیحی ایسے دن قرض ادا اور انعام تقسیم کیا کریں جو دیوتاؤں کے لئے مخصوص نہ ہو۔ جو چیزیں بُت پرستی میں کام آتی ہیں۔ اُن کا بنانا اور فروخت کرنا بھی گناہ ہے۔ اور چونکہ مجسٹریٹ کو بعض بعض مواقع پر بُت پرستوں کے مندروں کے متعلّق کچھ کام کرنا پڑتا ہے لہذا کسی مسیحی کو عہدہ مجسٹریٹی اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ اور نہ کسی عیسائی کو مُعلّم بننا چاہئے کیونکہ سکول ماسٹروں کو بھی بُت پرستوں کے علم الاصنام پر درس دینا پڑتا ہے اور جو فیس پہلی دفعہ طالب علموں سے وصول کی جاتی ہے وہ دیوتاؤں کے لئے مخصوص کی جاتی ہے اور اُستادوں کو سکولوں کے اُن جلسوں میں شامل ہونا پڑتا ہے جو دیوتاؤں کی یاد میں منعقد کئے جاتے ہیں۔

کارتھج میں کئی ایسے بپتسمہ یافتہ لوگ تھے جو طرطولین کی تعلیم کی کچھ پروا

نہیں کرتے تھے اور کئی ایسے بھی تھے جو اُس سے ناراض رہتے تھے اور جب اُس نے کتھلک کلیسیا کی خرابی کو یعنی اُس کی عیاشی اور زر پرستی اور بزدلی اور دُنیاداری کو دیکھا جس میں خادمانِ دین اور دیگر مسیحی مبتلا تھے تو وہ بالکل مایوس ہوگیا اور آخر کار یہ ماننے لگ گیا کہ مسیحی زندگی کا کامل نمونہ فقط فرقہ مانٹے نسٹ[۱] میں پایا جاتا ہے۔ اِس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُسکی تعلیم آگے سے بھی زیادہ سخت ہوگئی۔ چنانچہ اب وہ یہ ماننے لگ گیا کہ ایذاؤں سے بھاگنا بڑا عیب ہے۔ مانٹے نس کے پیرو اس باب میں اِس طرح تعلیم دیا کرتے تھے۔ ”اے لوگو تمہیں شہادت کے جلال سے شرمندہ نہیں ہونا چاہیئے۔ جب تم خطرات میں مبتلا ہوتے ہو اُس وقت تمہیں مسیح کے لئے دُکھ اُٹھانے کا موقع مِلتا ہے۔ جو شخص آدمیوں کے سامنے بے عزّت نہیں کیا جاتا وہ خداوند کے سامنے بے عزّت کیا جائیگا۔ اپنے بستروں پر مرنے کی تمنّا نہ رکھو بلکہ شہادت کی جستجو میں لگے رہو تاکہ وہ جس نے تمہارے لئے دُکھ اُٹھایا جلال پائے۔“ طرطولین اِس بات سے بدل و جان مُتّفق تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ”جو سپاہی لڑائی میں نیزہ سے زخمی ہوتا ہے اُس سے جو اپنا بدن سالم لیکر بھاگ جاتا ہے بدرجہا بہتر ہے“۔ اِسی طرح وہ روپیہ دیکر جان بچانے کو بھی معیوب جانتا تھا۔ چنانچہ وہ کہا کرتا تھا کہ مسیح نے قیمت دیکر اپنے بندوں کو شرارت کی روحوں اور اِس زندگی کی تاریکی اور ابدی سزا اور ہمیشہ کی موت سے چھڑایا ہے اور جب تم اطلاع دینے والوں یا کسی سپاہی یا کسی نالائق اور راشی حاکم کو روپیہ دیتے ہو تو تم یہ ظاہر کرتے ہو

---

[۱] وہ لوگ جو مانٹے نس کے پیرو تھے مانٹے نسٹ کہلاتے تھے۔ اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیحیوں کے درمیان نبوّت کا انعام جاری ہے۔ اور وہ کلیسیائی انتظام میں نرمی کو روا نہیں رکھتے تھے +

کہ گویا اُس کے بندے چوری کا مال ہیں حالانکہ مسیح نے دُنیا کے سامنے اُنہیں خریدا اور آزاد کیا ہے۔ بیشک مسیح نے اپنے شاگردوں کو کہا کہ اگر لوگ تمہیں کسی جگہ ستائیں تو تم اُس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاؤ۔ مگر یہ حکم اُس نے اپنے شاگردوں کو اِس لئے نہیں دیا تھا کہ اپنی جان بچاتے پھریں بلکہ اِس لئے کہ اُن کا کام بڑا ضروری تھا اور وقت اُن کے پاس بہت تھوڑا تھا۔

جو سختی مسیحی اخلاق کی بحث اور مسیحی خادمان دین اور دیگر مسیحیوں کے چال وچلن کے متعلق اُس کی تصانیف میں نظر آتی ہے وہی اُن کتابوں میں دکھائی دیتی ہے جو اُس نے غیر قوموں اور بُت پرستوں کے برخلاف تحریر کیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا اور حقارت آمیز الفاظ سے اُن پر حملہ کیا کرتا تھا۔ مثلاً ایک کتاب موسومۂ اپالوجی میں کہتا ہے کہ بُت پرست مسیحیوں پر شرمناک گناہوں کا جھوٹا الزام لگاتے ہیں اور سبب اس کا یہ ہے کہ خود اُن کے درمیان اُس قسم کے دستورات پائے جاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ مسیحیوں کے درمیان بھی اِس قسم کی خراب رسومات مروّج ہونگی۔ وہ اپنے دیوتاؤں سے نہایت قبیح حرکات منسوب کرتے ہیں اور خود اُن میں مبتلا ہوتے ہیں۔ پھر وہ بڑی سختی سے مگر سچّائی کے ساتھ اُن ظالمانہ اور شہوانی حرکات کی فہرست پیش کرتا ہے جن میں سب غیر قومیں مبتلا تھیں۔ اور پھر بڑی ظرافت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ غیر قوموں کے معبود انسانی نیکی کو اپنی بیعزتی کا باعث سمجھتے ہیں اور بُت پرستوں کی طرف مخاطب ہوکر کہتا ہے کہ "اگر تم اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنا چاہتے ہو تو اُنہیں جو چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں دیوتا بناؤ"۔

اب ہم نے دیکھا کہ کلیمنٹ تو اس بات کی توقع رکھتا تھا کہ غیر قوموں کے فلسفہ میں ضرور کہیں کہیں ایسے خیالات موجود ہونگے جو بعض مسیحی اصول سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اور اِس اُمید کے مطابق وہ بت پرستی کے تاریک عالم میں اِس بات کی تلاش کرتا تھا کہ کسی جگہ اُس نور کی کرنیں دستیاب ہوں "جو ہر شخص کو جو دُنیا میں آتا ہے روشن کرتا ہے"۔ لیکن برعکس اِسکے طرطولین بُت پرست قوموں کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ دونوں کے مزاج اور طبیعت اور خیالات میں زمین اور آسمان کا فرق تھا۔ لیکن دونوں چاروں انجیلوں کی تعظیم میں متفق تھے ؀

اور جس بنا پر طرطولین اِن انجیلوں کے اختیار کا قائل تھا وہ ذیل کے مقام سے ظاہر ہے جو اُس کی ایک کتاب سے جو کہ مارکیان کے جواب میں تحریر کی گئی تھی لیا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے "سب لوگ اِس بات کو مانتے ہیں کہ جو قدیم ہے وہ برحق ہے اور جو شروع سے ہے وہ قدیم سے ہے اور جو رسولوں کے زمانے سے ہے وہ شروع سے ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اسی طرح یہ بات بھی مانی جائیگی کہ جو باتیں رسولوں کی کلیسیاؤں میں محفوظ چلی آئی ہیں جن میں کسی طرح کی ردّ و بدل نہیں ہوئی وہ روایت کے وسیلے رسولوں سے وصول ہوئی ہیں۔ آؤ ہم دیکھیں کہ کرنتھیوں نے کونسا دودھ پولوس کی تعلیم سے پیا؟ اور کس اصول کی پابندی کے لئے اُس نے گلاتیوں کو ملامت کی؟ فلپّی تسلونیقی اور افسی کس کی تلاوت کیا کرتے ہیں اور رومیوں کی کیا گواہی ہے جن کے پاس پطرس اور پولوس نے انجیلی تعلیمات کا ذخیرہ جمع کیا۔ اور اُس پر اپنے خون کی مُہر لگائی۔ علاوہ بریں یوحنا کی قائم کی ہوئی کلیسیائیں بھی ہمارے درمیان موجود ہیں اور اگر مارکیان

یوحنا کے مکاشفات کو رد کرتا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں مگر وہ اس بات کو رد نہیں کرسکتا کہ اُن اُسقفوں کا سلسلہ جو اُن کلیسیاؤں میں پایا جاتا ہے اگر اِس کا سراغ لگایا جائے تو یوحنا کے رسُولی اختیار پر مبنی ثابت ہوگا اور اسی طرح دیگر کلیسیاؤں کا سلسلہ بھی درست مانا جاتا ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ اُن کلیسیاؤں میں بلکہ مجھے یوں کہنا چاہئے کہ نہ صرف رسولی کلیسیاؤں میں بلکہ تمام کلیسیاؤں میں جو مسیحی رفاقت میں اُن کے ساتھ وابستہ ہیں لوقا کی انجیل جس کی تائید ہم بڑی سرگرمی سے کر رہے ہیں شروع ہی سے سچی مانی گئی ہے"۔

"اور رسولی کلیسیاؤں کی یہ گواہی دیگر اناجیل کی بھی تائید کرتی ہے .... میرا مطلب اُن انجیلوں سے ہے جو متی اور یوحنا رسول کی ہیں۔ گو وہ انجیل بھی جو مرقس نے شائع کی پطرس کی ثابت کی جاسکتی ہے کیونکہ مرقس پطرس کا مترجم تھا۔ اور لوقا کا بیان عموماً پولوس سے منسوب کیا جاتا ہے کیونکہ یہ جائز ہے کہ جو شاگرد شائع کریں وہ اُن کے اُستادوں کا مضمون سمجھا جائے"۔

طرطولین کی یہ بحث بالکل درست ہے۔ کیونکہ جن کلیسیاؤں کو رسولوں نے قائم کیا اُنہوں نے اپنے بانیوں کی کتابوں کو بڑی محافظت سے رکھا۔ مثلاً تسلونیقی اور کارنتھ اور افسس کی کلیسیاؤں نے پولوس کے اُن خطوں کی حفاظت کی جو اِن شہروں کے مسیحیوں کی پہلی پشت کے نام لکھے گئے تھے اور جو خط گلاتیہ کی کلیسیا کو بھیجا گیا اُس کو اُس کلیسیا نے محفوظ رکھا اور اِسی طرح رومیوں نے اُس خط کی حفاظت کی جو اُن کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اور جن کلیسیاؤں کو یوحنا نے قائم کیا اُنہوں نے اُس کی کتابوں کی حفاظت کی۔ ایسے

چاروں انجیلیں بھی جن میں لوقا کی انجیل شامل ہے جس کی نسبت طرطولین اور مارشن (مارکیان) کے درمیان بحث تھی کلیسیاؤں میں محفوظ چلی آئی تھیں۔ ہاں تمام مقدس کتابیں ایسی سوسائٹیوں کے قبضے میں تھیں جن کے ممبر اُن کو خدا کے الہام کی معتبر کتابیں سمجھتے تھے اور یہ مانتے تھے کہ ہماری زمینی زندگی کا دستور العمل اور ابدی خوشی اور اُمید کا سرچشمہ یہی کتابیں ہیں۔ اب یہ اعتراض کرنا کہ طرطولین عمدہ کریٹک (بات کو اچھی طرح جانچنے والا) نہ تھا لہذا اُس کی رائے قبول کرنے کے قابل نہیں درست نہیں ہے۔ کیونکہ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ بڑا قابل کریٹک تھا۔ اور اس واسطے جو رائے وہ انجیلوں کی اصلیت اور معتبری پر پیش کرتا ہے اُسے قبول کرنا چاہیئے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ دوسری صدی کے خاتمہ سے پہلے جو رتبہ اور اختیار ان انجیلوں کو کلیسیا کے لٹریچر اور زندگی میں حاصل تھا اُس کا گواہ طرطولین ہے اور اس معاملے میں اُس کی گواہی فیصلہ کُن ہے۔

آئرنی اُس

اب ہم ایک اور بزرگ کا ذکر ناظرین کے ملاحظہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ معلوم ہو کہ اُس کی گواہی سے بھی موجودہ انجیلوں کی اصلیت اور معتبری ثابت ہوتی ہے۔ اس بزرگ کا نام آئرنی اُس ہے۔

آئرنی اُس کے شخصی حالات رقم کرنے سے پہلے اُس کے زمانے کا مختصر سا حال تحریر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو شہنشاہ اُس کے زمانے میں سریر سلطنت پر متمکن تھا اور عنانِ انتظام اپنے دست اختیار

میں رکھتا تھا اُس کا نام مرقس آرکی لی اُس تھا۔ یہ شہریار شہنشاہوں کے درمیان فلاسفر اور فلاسفروں کے درمیان فقیر منش آدمی سمجھا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اُس کی طبیعت فرمانروائی کی طرف بالکل مائل نہ تھی اور نہ اُسے شاہانہ شان و شوکت کی کچھ پروا تھی۔ اگر اُس نے عہدہ شہنشاہی اختیار کیا تو صرف اِس لئے اختیار کیا کہ وہ افلاطون کے اِس مقولے کو دل وجان سے مانتا تھا۔ کہ اگر شہزادے فلاسفر ہوں یا فلاسفر شہزادے ہوں تو ضرور ہے کہ ہر ملک اقبالمندی سے ہمکنار ہو۔ اور وہ جانتا تھا کہ میں اپنی فلسفانہ تربیت کے باعث اُن بے شمار بندگان خدا کے کام آسکتا ہوں جو رومی سلطنت کے زیر سایہ زندگی بسر کرتے ہیں؛

جو اصول اور قواعد اُس نے اپنی رہنمائی کے لئے تجویز کئے اُن سے روشن ہے کہ وہ اپنے منصب کی آزمائشوں سے بخوبی واقف تھا چنانچہ وہ اپنے لئے ایک جگہ لکھتا ہے "خبردار قیصر نہ بننا۔ اور کبھی اِس رنگ سے رنگین نہ ہونا۔ کیونکہ ایسی باتیں اکثر ہوجایا کرتی ہیں۔ پس اپنے تئیں دایک سادہ۔ نیک۔ پاک اور سنجیدہ (آدمی) بنائے رکھ۔ شوق نمائش سے بچ انصاف کا دوست اور دیوتاؤں کا عابد بن۔ لوگوں سے مہربانی اور پیار سے پیش آ اور اچھے کاموں کو محنت سے انجام دے۔ جیسا فلسفہ چاہتا ہے کہ تُو بنے ویسا ہمیشہ بنا رہ۔ دیوتاؤں کی تعظیم اور لوگوں کی مدد کر۔ زندگی چند روزہ ہے ...... سب کام ایسے طور پر کر جس طرح انٹونی کے شاگرد کو کرنے چاہئیں۔ یاد کر کہ وہ کس طرح ہر کام میں جو عقل سے مطابقت رکھتا تھا لگا رہتا تھا ...... وہ کیسا خوش خلق تھا اور شہرت سے کیسی نفرت رکھتا تھا ...... دیکھ وہ کس طرح اُن کی برداشت

کیا کرتا تھا جو ناحق اُس پر تہمت لگایا کرتے تھے۔ اور کبھی اُن پر لوٹ کر الزام نہیں لگاتا تھا۔ وہ کوئی کام عجلت سے نہیں کرتا تھا اور لوگوں کی طعنہ زنی کی طرف ہرگز کان نہیں لگاتا تھا۔ دیکھ وہ کس برداشت سے اُن لوگوں کی باتیں سُنا کرتا تھا جو اُس کے خیالات کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ اور جب کوئی شخص اُس کو اچھی بات بتاتا تو وہ کیسا خوش ہوتا تھا۔ وہ کیسا دیندار تھا اور کبھی کسی باطل پرستی میں گرفتار نہیں ہوتا تھا۔" جیسے مرقس کے اصُول تھے ویسی ہی اُس کی سیرت بھی تھی۔ چنانچہ وہ بڑا محنتی اور دلیر اور راستباز اور مہربان اور کشادہ دل آدمی تھا۔ اب حیرت آتی ہے تو اِس بات سے آتی ہے کہ باوجود اِن تمام نیک صفات کے اُس کے زمانے میں مسیحیوں پر سخت مصیبتیں آئیں۔ رومیوں کی حکمت عملی مذہبی معاملات میں یہ تھی کہ سب مذاہب کو عبادت کی آزادی دی جائے۔ چنانچہ گبن کہتا ہے کہ "عبادت کی مختلف صورتیں جو رومی دُنیا میں مروّج تھیں عام لوگوں کے نزدیک سب کی سب برحق مانی جاتی تھیں۔ لیکن فلاسفروں کے نزدیک سب کی سب غلط اور حکّام کے نزدیک سب کی سب مفید سمجھی جاتی تھیں۔" پر اِس آزادگی سے مسیحی مذہب محروم تھا کیونکہ وہ برملا سلطنت کے دیگر تمام مذاہب سے ہمیشہ جنگ کرتا رہتا تھا۔ جس نفرت سے لوگ اُس کی طرف دیکھا کرتے تھے گو وہ ہمیشہ ایذاؤں کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ تاہم ہمیشہ لوگوں کے دلوں میں سرسبز رہتی تھی۔ مرقس آرے لی اس کے عہد میں بڑی تندی سے ظاہر ہوئی۔

اِس بات کا فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہے کہ آرے لی اس خود اِس معاملے میں کس درجے تک ذمّہ دار تھا۔ واضح ہو کہ اُس کے عہد سلطنت میں

طرح طرح کے حادثے ملک میں سرزد ہوئے اور آثار سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی اَور بڑی بڑی مصیبتیں آئینگی۔ لوگوں کے دل اِن حوادث کو دیکھکر دہشت سے بھر گئے تھے۔ اور وہ سوچتے تھے کہ جو قحط اور وبائیں اور بھونچال جان کا جنجال ہو رہے ہیں اُن کا کیا سبب ہے؟ اور وہ کونسی غیر مرئی اور مخالف طاقتیں ہیں جنہوں نے سرحدی وحشیوں کو بغاوت پر آمادہ کردیا ہے؟ کیا اِس کا یہ سبب نہیں کہ دیوتا ہم سے ناراض ہوگئے ہیں کیونکہ لوگوں نے اپنے پُرانے مندر چھوڑ کر مسیحی مذہب اختیار کرلیا ہے اور اب قدیم دستورات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں؟ +

ممکن ہے کہ عام لوگوں کے اِس خوف نے آخر کار یہ فیصلہ کیا ہو کہ جو لوگ اِس نئے مذہب کی پیروی اختیار کر بیٹھے ہیں وہی ناراض دیوتاؤں کو بھینٹ چڑھائے جائیں۔ بادشاہ نے دیکھا ہوگا کہ اس وقت اُن کی طرفداری کرنا نہ صرف قرینِ مصلحت ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اور چونکہ مسیحی انٹونی نس کے عہد میں بھی جسے وہ فلسفانہ خوبیوں کا ایک اعلےٰ نمونہ سمجھتا تھا ستائے گئے تھے۔ اور چونکہ اُن پر الحاد کے الزام کے علاوہ یہ تہمت بھی لگائی جاتی تھی کہ وہ خلوت میں طرح طرح کے قبیح جرموں کے مرتکب ہوتے ہیں لہذا اِس بادشاہ نے سوچا ہوگا کہ وہ حقیقت میں گردن زدنی ہیں۔ ناممکن نہیں کہ اُس کے دل میں یہ اندیشہ بھی پیدا ہوا ہو کہ اِس نئے عقیدے کا پولیٹیکل اثر ملک پر اچھا نہ پڑیگا کیونکہ عبادتوں کا اتحاد گویا ملکی اتحاد کی ایک پختہ شرط سمجھا جاتا تھا۔ لہذا دین کے عام دستورات میں شامل ہونے سے انکار کرنا گویا حاکمِ وقت سے انحراف کرنا تھا +

اُس کی حکمت عملی کی یہ شرح درست ہو یا نہ ہو اِس میں شک نہیں کہ

اُس کے تمام عہد میں مسیحی طرح طرح کی ایذاؤں کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ گبن بتاتا ہے کہ " مرقس اپنے تمام عہد میں باعتبار فیلسوف ہونے کے مسیحیوں سے نفرت کرتا رہا اور باعتبار بادشاہ ہونے کے اُن کو سزا دیتا رہا ۔

۱۷۷ء کے قریب جنوبی گال میں ایذا رسانی کا بازار گرم ہوا۔ اور لوگوں کی نفرت اِس قدر بڑھ گئی کہ وہ مسیحیوں کو نہانے کی جگہوں اور بازاروں اور گلی کوچوں میں دیکھ نہیں سکتے تھے ۔ اور جب کبھی اتفاق سے نظر آجاتے تھے تو اُن پر حملہ کرتے تھے ۔ پتھر پھینکتے تھے اور جو کچھ اُن کے پاس ہوتا تھا چھین لیتے تھے ۔ اِس بد انتظامی کو روکنے کے لئے لوکل حکام نے یہ فیصلہ کیا کہ عیسائی قید کئے جائیں اور جب صدر اعلےٰ آئے تو اُس وقت اُن کا فیصلہ کیا جائے ۔ ایک خط جو گال کے شہروں لیانز (Lyons) اور وین (Vienne) سے مسیح کے خادموں نے اپنے اُن بھائیوں کے نام جو ایشیا اور فرگیہ میں رہتے تھے لکھا۔ اُن مصیبتوں کا بیان کرتا ہے جو مسیحیوں نے پہلے رعیّت کے ہاتھ سے اور پھر حاکموں سے اُٹھائیں ۔ اِن کلیساؤں کے غیر تمند ممبر گرفتار کئے گئے ۔ اور اُن کی ہمّت پست کرنے کے لئے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں ۔ کوڑے لگائے گئے ۔ کئی ایک جلتے ہوئے لوہے کی چوکیوں پر بٹھائے گئے ۔ کئی قید خانوں میں بدسلوکی کے سبب جاں بحق ہوئے البتہ بعض بعض اُن میں سے شدید اور سنگین سزاؤں کے سبب اپنے ایمان سے منحرف ہوئے مگر زیادہ تر اپنے ایمان میں ثابت قدم رہے جنھوں نے رومی حقوق کا دعوے کیا وہ گردن مارے گئے اور جو باقی بچے

وہ سب مع گے سب پبلک کھیلوں کے موقعوں پر خونخوار درندوں کے سامنے پھینکے گئے ۔

جو لوگ اِس ایذا رسانی میں شہید ہوئے اُن میں لیانز کا مشہور اُسقف پاتھی نس بھی شامل تھا۔ اُس کی عمر اُس وقت نوّے برس کی تھی اور کچھ پیری کے سبب اور کچھ بیماری کے باعث نہایت ضعیف ہو گیا تھا جب اُسے کچہری سے لئے جاتے تھے اُس وقت وہ لوگ جن کے بیچ سے وہ گزر رہا تھا اُس کے ساتھ بُری طرح سے پیش آئے۔ کوئی اُسے تھپڑ اور کوئی لات مارتا تھا۔ کوئی اُس کی عمر کا لحاظ نہ کرتا تھا۔ اور جو اُس سے دور کھڑے تھے وہ اگر اور کچھ نہیں کرتے تھے تو اِتنا وہ بھی کرتے جاتے تھے کہ جو کچھ اُن کے ہاتھ میں آتا تھا وہی اُس پر پھینکتے جاتے تھے اور اِس نیت سے کہ اُس بے عزّتی کا بدلہ لیں جو دیوتاؤں کو اُس کے سبب سے اُٹھانی پڑی۔ اِس بزرگ کی طاقت اُن صدموں سے کافور ہو گئی۔ اور دو دن کے عرصے میں مرغِ روح قفسِ تن سے پرواز کر گیا ۔

پاتھی نس کی وفات کے بعد آئرنی اُس جو اُس وقت لیانز کی کلیسیا کا ایلڈر تھا اُسقف مقرر ہوا۔ یہ شخص ایشیائے کوچک کا رہنے والا تھا۔ اُس نے اپنی جوانی کا زمانہ سمرنا میں کاٹا تھا جہاں اُسے پالیکارپ کی جو یوحنا کا شاگرد تھا صحبت نصیب ہوئی۔ اُن دنوں ایشیائے کوچک اور جنوبی گال (فرانس)، کی کلیسیاؤں میں ایک گہرا دوستانہ تعلق پایا جاتا تھا۔ غالباً ایشیائے کوچک کے مسیحیوں کے وسیلے جنوبی گال میں کلیسیائیں قائم ہوئی تھیں۔ اور ایشیائے کوچک کے عیسائیوں نے گال کے مسیحیوں کی مصائب اور تکالیف کا حال کچھ اُسی دلچسپی اور ہمدردی سے سُنا ہوگا جس ہمدردی اور

دلچسپی سے ایک عرصہ ہوا کہ انگلستان کی کانگریگیشنلسٹ کلیسیا نے مڈگاسکر کے عیسائیوں کی ایذاؤں اور دکھوں کا حال سنا۔ کیونکہ ابتدا میں اسی کلیسیا کے مشنریوں کے وسیلے باشندگان مڈگاسکر کو مسیح کے فضل اور جلال کی خبر پہنچی۔ آئرنی اس ایذا رسانی کے شروع میں ایک مرتبہ روم بھی بھیجا گیا تھا تاکہ روم کے اسقف الیوتھرس کے پاس جاکر فرقہ مانٹینسٹ کی سفارش کرے جو ایشیائے کوچک اور فرگیہ میں سخت عقوبت اٹھا رہا تھا۔ اور جب وہ عہدۂ اسقف پر مامور ہوا تو اس نے اور بھی سرگرمی ظاہر کی چنانچہ غیر قوموں کو مسیح کے پاس لانے اور بدعتیوں کی مخالفت کرنے میں بڑا جوش دکھایا۔ اور کلیسیا کی بھلائی اور بہبودی کے لئے بڑی عرقریزی سے کام کیا۔

آئرنی اس کی سب سے مشہور کتاب "بدعتوں کے برخلاف" (Against Heresies) کہلاتی ہے۔ یہ کتاب غالباً ۱۸۰ء اور ۱۸۵ء کے درمیان کسی وقت لکھی گئی۔ اس میں وہ ان چاروں انجیلوں کو اسی طرح آزادگی سے استعمال کرتا ہے جس طرح زمانہ حال کے مسیحی لوگ کرتے ہیں اور ویسی ہی ان کی تعظیم بھی کرتا ہے۔ ایک مقام یہاں ناظرین کے ملاحظہ کے لئے درج کیا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:۔

"جس بنیاد پر یہ انجیلیں قائم ہیں وہ ایسی محکم اور مضبوط ہے کہ خود بدعتی اس پر گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک انہیں کتابوں کو لیتا اور انہیں سے اپنے خاص تعلیمی دعوے قائم کرتا ہے۔ مثلاً ابیونی (ایک بدعتی فرقہ) جو کہ صرف متی کی انجیل کو استعمال کرتے ہیں اور خداوند کی نسبت اسی انجیل میں سے جھوٹے دعوے پیش کرتے ہیں اسی انجیل کی رو سے قائل کئے جا سکتے ہیں۔ اور مارشن (یا مارکیان) جس نے لوقا کی

انجیل میں سے کئی حصوں کو غیر معتبر سمجھکر نکال دیا ہے اُسی انجیل کے اُنہیں حصوں کی رو سے جن کو وہ مانتا ہے خدائے واحد کے حق میں کفر بکنے والا ثابت کیا جا سکتا ہے۔ اور اسی طرح وہ لوگ جو یسوع اور مسیح میں امتیاز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یسوع میں جو مسیح تھا اُس پر کسی طرح کی کوئی کیفیت طاری نہیں ہوئی بلکہ فقط اُس نے جو یسوع تھا دُکھ اُٹھایا مرقس کی انجیل کو ترجیح دیتے ہیں۔ پر اگر وہ اُس انجیل کو صداقت دوست بن کر پڑھیں تو اُسی انجیل سے اُن کی غلطیوں کی اصلاح ہو جائے۔ اور جو لوگ ویلنٹی نس کے پیرو ہیں۔ اور یوحنا کی انجیل کو زیادہ استعمال کرتے ہیں وہ اُس انجیل کے وسیلے مبتلائے سہو ثابت کئے جا سکتے ہیں۔ اب چونکہ ہمارے مخالف ہمارے شاہد ہیں اور اُنہیں انجیلوں کو استعمال کرتے ہیں (جنہیں ہم کرتے ہیں) لہذا وہ ثبوت جو ہم اِن انجیلوں سے پیش کرتے ہیں وہ ایک مضبوط اور سچا ثبوت ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ انجیلیں شمار میں چار سے کم ہوں یا زیادہ۔ کیونکہ جس طرح ہماری دُنیا میں چار منطقے اور چار بڑی بڑی ہوائیں ہیں اُسی طرح لازم ہے کہ کلیسیا بھی جو تمام دُنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور جس کا ستون اور بنیاد اِنجیل اور زندگی کی رُوح ہے چار ستونوں پر قائم ہو جن سے زندگی اور بقا نکل کر چاروں طرف پھیل جائے۔ اور بنی آدم کو از سر نو تر و تازہ کرے۔ پس اِس سے صاف ظاہر ہے کہ اُس کلمہ نے جو سب کا بنانے والا ہے جو کرو بیم پر سوار ہے جو سب کچھ اپنے میں شامل رکھتا ہے۔ اور جو بنی آدم پر (مجسّم ہو کر) ظاہر ہوا۔ ہم کو یہ انجیل چار صورتوں میں مگر ایک ہی روح سے معمور کر کے عطا کی۔ اور اسی طرح داؤد بھی جو کہ اُس کے اظہار کا متمنی تھا یہ کہتا ہے۔ "اے تو جو کروبیم پر تخت نشین ہے۔ جلوہ گر ہو۔"

پر کروبیم بھی چار مُنہ رکھتے تھے اور اُن کے مُنہ خدا کے بیٹے کے زمانوں کی علامت تھے "۔

واضح ہو کہ انجیلوں کے بارے میں آئرنی اُس کی یہ گواہی ایک اکیلے عیسائی کی گواہی نہیں۔ کیونکہ آئرنی اُس یہاں وہی بات بیان کرتا ہے جسے اُس کے زمانے کے سب عیسائی مانتے تھے۔ البتہ کوئی بدعتی فرقہ متی کی انجیل کو ترجیح دیتا تھا اور کوئی مرقس کی انجیل کو۔ کوئی لوقا کی انجیل کو کام میں لاتا تھا اور کوئی یوحنا کی انجیل کو۔ اور شائد کسی فرقہ نے کسی انجیل سے اور کسی نے کسی سے ناروا آزادی برتی ہوگی۔ لیکن جو کلیسیائیں رسولی روایت کو وفاداری سے مانتی تھیں وہ اُن چاروں انجیلوں کی صداقت کی مُقر تھیں اور اُن کی ہر طرح محافظت کرتی تھیں۔ آئرنی اس لیانز کا بشپ تھا لہذا مجاز تھا کہ جنوبی گال کی کلیسیاؤں کی طرف سے اِن انجیلوں پر گواہی دے۔ اور چونکہ وہ روم ہو آیا تھا اِس لئے اُسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ آیا روم کی کلیسیا اِن انجیلوں کو اصل مانتی ہے یا نہیں اور اُن کو انہیں مصنفوں سے منسوب کرتی ہے یا نہیں جن کے نام اِن انجیلوں پر لکھے ہوئے ہیں۔ اور اسی طرح وہ ایشیائے کوچک کی کلیسیاؤں کی طرف سے بھی گواہی دے سکتا تھا کیونکہ وہ ایشیائے کوچک میں پیدا ہوا تھا اور ماسوائے اِس کے جنوبی گال اور ایشیائے کوچک کی کلیسیاؤں میں گہرا تعلق پایا جاتا تھا۔ پس اُس کی گواہی گویا ایشیائے کوچک اور روم اور گال کی کلیسیاؤں کی گواہی تھی۔ پس ۱۸۵ء میں یہ کلیسیائیں ہماری چاروں انجیلوں کی نسبت یہ مانتی تھیں کہ اُن کو متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا نے لکھا ہے۔ اور اُس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ مگر آئرنی اس کے الفاظ پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ ہم اُس آدمی

کی رائے کی کیا وقعت کریں جس کا طرز استدلال یہ ہے کہ چونکہ دُنیا میں چار ہوائیں اور چار منطقے اور چار کرّ و بیم ہیں لہذا انجیلیں بھی چار ہیں۔ پر ہم اِس کے جواب میں یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم یہاں اُس کے طرز استدلال کی داد نہیں چاہتے ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ آئرنی اُس کے پاس بہت سے ذریعے موجود تھے جن کے وسیلے وہ اچھی طرح معلوم کر سکتا تھا کہ میرے زمانے میں اور میرے زمانے سے پہلے اِن کتابوں کی نسبت کلیسیا بالعموم کیا رائے رکھتی تھی۔ وہ بڑا عالم شخص تھا مگر اپنے زمانے کے دیگر عالموں کی طرح وہ بعض باتوں کو بعض دیگر حقیقتوں کی علامتیں سمجھا کرتا تھا۔ مگر اِس سے ہماری دلیل میں ضعف نہیں آتا بلکہ اُس کی تائید و تقویت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ تعظیم اور اعتقاد جس سے آئرنی اُس اِن کتابوں کی طرف دیکھتا ہے بہت دیر میں پیدا ہوتے ہیں۔ پس یہ کتابیں قدیم ہی سے متبرک مانی جاتی تھیں اور آئرنی اُس اور اُس کے معاصرین کو قدیم پشتوں سے بطور بیش بہا خزانے کے دستیاب ہوئی ہونگی۔

علاوہ بریں ہم کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئیے کہ وہ ایشیائے کوچک کا باشندہ تھا۔ اور ایشیائے کوچک ہی میں یُوحنا اپنی زندگی کے آخری حصہ میں رہا کرتا تھا۔ ۱۵۰ء میں کئی لوگ موجود ہونگے جو یُوحنا کے دوستوں سے بخوبی واقف تھے۔ اور آئرنی اُس خود پالیکارپ شاگرد یُوحنا سے اچھی طرح واقف اور اُس کی تعلیم سے بہرہ ور تھا اور اِسی طرح وہ اور لوگوں سے بھی جو یُوحنا کو جانتے تھے ناآشنا نہ تھا۔ اُس کی کتاب مذکورۂ بالا میں کئی مقام آتے ہیں جن میں پالیکارپ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مگر سب سے زیادہ دلچسپ مذکور اُس مقام میں آتا ہے جہاں وہ ایک شخص مسمی فلاری نس کو جو اُس

پُرانا دوست تھا بدعتی بن جانے کے سبب ملامت کرتا ہے۔ پہلے وہ جتاتا ہے کہ اے فلاری نس تیرے موجودہ خیالات اُن تعلیموں سے موافقت نہیں رکھتے جو" ہم کو اُن بزرگوں سے جو ہم سے پہلے تھے اور رسولوں کے شاگرد تھے" پہنچی ہیں۔ پھر اُس کے بعد یوں تحریر کرتا ہے:-

"میں نے تجھے اُس وقت دیکھا جبکہ تُو ایشیائے نشیب میں پالیکارپ کے قدموں میں زندگی بسر کرتا اور ہر طرح اُسکی نظر میں پسندیدہ بننے کی کوشش کرتا تھا۔۔۔ میں اُس زمانے کے واقعات کو جدید واردات کی نسبت زیادہ اچھی طرح یاد رکھتا ہوں کیونکہ وہ سبق جو بچپن میں سیکھے جاتے ہیں روح کے ساتھ ساتھ بڑھ کر اسکے ہمشکل ہو جاتے ہیں۔ لہذا میں اُس جگہ کا جہاں مبارک پالیکارپ بیٹھکر تعلیم دیا کرتا تھا اور اُس کے آنے جانے اور اُس کے طرز معاشرت اور اُسکی شکل و شباہت کا نقشہ کھینچ سکتا ہوں اور وہ تقریریں جو وہ لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتا تھا بتا سکتا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ وہ کس طرح اُس رفاقت اور مجالست کا ذکر کیا کرتا تھا جو وہ یُوحنّا اور دیگر اشخاص کے ساتھ رکھتا تھا جنھوں نے خداوند کو دیکھا تھا۔ اور کس طرح اُن کی باتیں دُہرایا کرتا تھا۔ اور کیونکر وہ اُن باتوں کو جو اُس نے خداوند اور اُس کے معجزوں اور اُس کی تعلیم کی نسبت اُن سے سُنی تھیں بالکل نوشتوں کے مطابق سُنایا کرتا تھا کیونکہ اُس نے اُن سب باتوں کو اُن ہی سے پایا تھا جو کلمہ کی سوانح عمری اپنی آنکھ سے دیکھنے والے تھے۔ میں اِن (باتوں) کو خدا کے فضل سے جو مجھ کو مرحمت ہوا بڑی توجہ سے سُنا کرتا تھا اور اُنہیں کاغذ پر نہیں بلکہ اپنے دل پر لکھ لیتا تھا اور اب بھی اُن پر خدا کے فضل سے ہمیشہ وفاداری کے ساتھ غور کرتا رہتا ہوں"۔

ان لفظوں سے ظاہر ہے کہ پالیکارپ کا مقدس چہرہ اور اُس کی شکل آئرنی اُس کی آنکھوں میں پھرتی اور اُس کی آواز اُس کے کانوں میں گونجتی رہتی تھی۔ وہ اُس شخص کو جس نے اپنی جان مسیح کے لئے تصدق کردی کب بھول سکتا تھا؟ اُسے وہ وقت یاد تھا جبکہ وہ بڑی تعظیم کے ساتھ پالیکارپ کی باتیں اُس شاگرد کے بارے میں جسے یسوع پیار کرتا تھا اور نیز مسیح کے دیگر اصحاب کے بارے میں جن سے پالیکارپ واقف تھا سُنا کرتا تھا۔ غرضیکہ مسیح کے معجزوں کا بیان جو پالیکارپ سُنایا کرتا تھا۔ مسیح کی تعلیمات جو پالیکارپ دُہرایا کرتا تھا اور خداوند کے کلام کی وہ تشریحیں جو پالیکارپ نے یوحنا کی زبان سے سُنی تھیں۔ اور اسی طرح وہ روائتیں جو پالیکارپ نے یسوع کے دیگر اصحاب سے پائی تھیں۔ آئرنی اُس کے لئے ایک بے زوال اور بے قیاس خزانہ تھا۔ وہ اُس کی طالب علمی کا زمانہ تھا اور وہ عہدۂ ایلڈری اور اُسقفی کے لئے تیار ہو رہا تھا۔

پس جو کچھ اُس نے پالیکارپ سے سُنا تھا وہ اُس کے نزدیک ایک نہایت متبرک میراث تھی اور وہ اُس کی محافظت کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اب کیا یہ ممکن تھا کہ وہ اُس انجیل کی اصلیت اور معتبری کو جو یوحنا کی تصنیف بتائی جاتی تھی قبول کر لیتا اگر پالیکارپ نے اُس کی نسبت کچھ نہ کہا ہوتا۔ یہ ثابت ہے کہ جب آئرنی اُس پالیکارپ سے تعلیم پاتا تھا اُس وقت یوحنا زندہ نہ تھا۔ بلکہ اُسے فوت ہوئے کئی سال گزر گئے تھے۔ پس اگر اُس وقت یوحنا کا شاگرد پالیکارپ اس انجیل کی نسبت جو یوحنا کی تصنیف بتائی جاتی تھی کچھ نہ کہتا تو ہم کو یقین نہیں کہ آئرنی اُس اُس انجیل کو پالیکارپ کے اُستاد اور دوست کی تصنیف مان لیتا۔

آئرنی اُس نے اَور بزرگوں سے بھی جو کہ رسولوں سے واقف تھے
روایات پائی تھیں اور نیز اُن لوگوں سے بہت سی باتیں سُنی تھیں جو رسولوں
کے دوستوں کے واقف تھے۔ ہم مانتے ہیں کہ یہ سب روائتیں معتبر نہیں
ہوسکتی ہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اُن لوگوں نے جن سے آئرنی اُس کو روائتیں
پہنچیں رسولوں کا اصل مطلب سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ یا کچھ دنوں کے بعد جو کچھ
انہوں نے شروع میں سُنا تھا اُس کے ساتھ اپنے نتائج کو خلط ملط کردیا ہو۔
اور یہی بات اُن روائتوں کی نسبت کہی جاسکتی ہے جو اُس نے
پلیکارپ سے پائیں۔ ممکن ہے کہ پالیکارپ نے یُوحنّا کی بعض بعض باتوں
کے سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ اور وہ کلمات اور فقرات جو اُس کے حافظہ میں جمع
ہوئے تھے کچھ مُدّت کے بعد اُس کے خیالات کے زیر و زبر ہونے سے کسی
قدر بدل گئے ہوں۔ رسولوں کے کلام اور گفتار کی روائتیں اندھا دُھند نہیں
مانی جاسکتی ہیں۔ اور خصوصاً جب وہ روائتیں ایسے شخصوں کی طرف سے
ہمارے پاس آئیں جنہوں نے خود رسولوں کو کلام کرتے نہیں سُنا تھا تو اور
بھی احتیاط سے اُنہیں قبول کرنا چاہئے۔ لیکن اگر بحث فقط اِس سؤال پر
ہے کہ آیا وہ باتیں جو یُوحنّا کی انجیل میں ہمارے خداوند کی نسبت لکھی ہوئی
ہیں مضامین و مطالب کے اعتبار سے وہی ہے یا نہیں جو یُوحنّا اپنے شاگردوں
کے سامنے بیان کیا کرتا تھا؟ تو یُوحنّا کے شاگردوں کی اور اُس کے شاگردوں
کے شاگردوں کی گواہی بڑی قدر کے لائق ہے۔ پس اگر وہ اُس کی انجیل کو
قبول کریں اور اُس پر کوئی اعتراض نہ کریں تو ہم مجبور ہیں کہ ہم بھی اُسے اُسکی
تصنیف مانیں۔
اب یہی بات ہے جس پر اِن دنوں بحث ہورہی ہے۔ جو لوگ یہ

کہتے ہیں کہ چوتھی انجیل کو یوحنا نے نہیں لکھا وہ یہ دعوے کرتے ہیں کہ اِس
انجیل میں مسیح کا ایسا بیان پایا جاتا ہے کہ اگر یوحنا کوئی انجیل لکھتا تو ایسا
بیان کبھی رقم نہ کرتا۔ کیونکہ چوتھی انجیل جب یہ بتاتی ہے کہ مسیح ازلی کلام
ہے جو مجسّم ہوا تاکہ باپ کو ظاہر کرے اور دُنیا کو بچائے۔ تو وہ خدا کی ہستی
کے بارے میں گویا فلسفانہ خیالات پیش کرتی ہے جو گلیل کے ایک مچھوے
کی کھوپڑی میں نہیں سما سکتے تھے کیونکہ وہ بالکل بے علم آدمی تھا۔ اور پھر
یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اِس انجیل کی آزادگی بھی یوحنا کے مذہبی تعصب سے
مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ وہ مختونوں کا رسول تھا۔ اور وہ پولوس کے
جو ڈے ازم سے منحرف ہونے کو بُری نظر سے دیکھتا تھا۔ اُن کے نزدیک
وہ اخلاقی تقریریں جو پہلی تین انجیلوں میں پائی جاتی ہیں مسیح کی اصل تعلیم کی
حقیقت اور خاصیت ظاہر کرتی ہیں۔ لہذا اُس کے رسولوں میں سے کوئی وہ
پُرراز باتیں اور تقریریں جو چوتھی انجیل میں پائی جاتی ہیں مسیح سے منسوب
نہیں کرسکتا تھا۔ پس اِن معترضوں کے خیال کے بموجب یوحنا چوتھی انجیل کبھی
لکھ ہی نہیں سکتا تھا ٭

پر اُن کا یہ خیال غلط ہے یا یُوں کہیں کہ اُن کا یہ دعوے درست نہیں
کیونکہ اگر یوحنا اپنے جیتے جی اُن باتوں کا کبھی ذکر نہ کرتا جو چوتھی انجیل میں
درج ہیں۔ بلکہ اُس کا بیان اُن کے برعکس ہوتا تو اُس کے شاگرد کبھی
یوحنا کی انجیل کی اصلیت کو نہ مانتے اور نہ کسی کو ماننے دیتے ٭

انگلستان میں ایک مشہور و معروف شخص گزرے ہیں جن کا نام پیوزی
تھا۔ اُنہوں نے کلیسیا اور کہانت اور سکرامنٹوں پر بہت کچھ لکھا ہے
اب فرض کیجیے کہ ڈاکٹر پیوزی صاحب اِن مضامین پر کبھی ایک لفظ

لکھتے بلکہ اپنی زندگی کے ایّام میں آکسفورڈ کے طالب علموں کے سامنے
کئی پشتوں تک فقط بذریعہ تقریر اپنے خیالات ظاہر کرتے رہتے۔ اب اگر انکی
وفات سے (جو ۱۸۸۲ء میں واقع ہوئی) بیس یا تیس یا چالیس سال بعد
ایک رسالہ شائع ہوتا جو بڑے شدومد کے ساتھ اُسقف کے عہدے کے
جواز پر حملہ کرتا اور یہ تعلیم دیتا کہ عیسائیوں کی ہر جماعت ایک سچی کلیسیا ہے
اور اُسے مسیح کی طرف سے اختیار حاصل ہے کہ اپنے خادمانِ دین آپ
چُنے اور اپنا انتظام اپنی مرضی کے مطابق کرے۔ اور نیز یہ رسالہ یہ تعلیم دیتا
کہ بپتسمہ پانے کے وقت نئی زندگی کا ملنا لازمی امر نہیں۔ اور نہ عشائے
ربانی میں مسیح شخصی طور پر حاضر ہوتا ہے بلکہ زوئنگلی نے جو کچھ سکرامنٹوں
کی نسبت تعلیم دی ہے وہ صحیح ہے۔ اور اگر یہ رسالہ ڈاکٹر پیوزی سے
منسوب کیا جاتا جو اِن باتوں کے بالکل برعکس تعلیم دیا کرتے تھے تو کب وہ
لوگ اس رسالے کو ڈاکٹر پیوزی کی تصنیف مانتے جنھوں نے ڈاکٹر پیوزی
یا اُس کے شاگردوں سے کلیسیا اور سکرامنٹوں کے بارے میں تعلیم پائی
تھی؟ کیا آپ مان سکتے ہیں کہ اگر ایسا رسالہ ڈاکٹر پیوزی کے فوت ہونے
سے تیس یا چالیس برس بعد وجود میں آتا تو اُس پر کسی طرح کی بحث نہ ہوتی؟

اِسی طرح اگر یوحنا اپنی زندگی میں ایسی باتیں بیان نہ کرتا جیسی کہ
یوحنا کی انجیل میں درج ہیں تو کب اُس کی وفات کے بعد اُس کے شاگرد
اور اُس کے شاگردوں کے شاگرد اِس انجیل کو اُس کی تصنیف قبول کرتے؟
اور کب ممکن تھا کہ وہ اُس پر کوئی اعتراض نہ کرتے؟ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ
اُن لوگوں میں سے جو سالوں تک یوحنا کی صحبت میں رہے اور اُس کو پیار
کرتے اور بزرگ جانتے تھے کوئی اِس انجیل کی اصلیت پر اعتراض نہیں کرتا

اور اِس میں شک نہیں کہ وہ سب عالم اور اُسقف جو یُوحنّا کے دوستوں کے دوست تھے اور جنھوں نے اُس کے دوستوں سے اُس کی پاکیزگی اور تعلیم کی خبر پائی تھی اُس کی انجیل کی نسبت صدق دل سے مانتے تھے کہ اُس میں ہمارے خداوند کے کام کا معتبر حال قلمبند ہے اور اُسے یُوحنّا نے تصنیف کیا ہے۔ پس ہمیں اِس بات میں ذرا شک نہیں کہ جو بیان ہمارے خداوند کی شخصیّت اور تعلیم کے بارے میں چوتھی انجیل میں پایا جاتا ہے وہ وہی ہے جو یُوحنّا ایشیا کی کلیسیاؤں کو اپنی منادی میں سُنایا کرتا تھا۔

ٹیشین (طاطیان) کی گواہی

ٹیشین ملک اسور میں پیدا ہوا۔ اُس کی ایک کتاب موسوم ایڈریس ٹو دی گریکس (*Address to the Greeks*) سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے جوانی کے ایّام میں یونانیوں کے قوانین او علم ادب اور مذہبی عقیدوں سے خوب واقفیت پیدا کی۔ اور چونکہ اُسے سیر و سیاحت کا بہت شوق تھا لہذا وہ بہت سے ممالک کے فلسفانہ طریق اور بہت سی قوموں کے دستوروں اور مذہبی رسوم کا عمدہ علم رکھتا اور اُن کے تمام بھیدوں کو جانتا تھا۔ جب اُس نے مذہبی تحقیقات کا سلسلہ شرو کیا تو کچھ عرصہ کے بعد اُسے وہ کتابیں ملیں جنھیں وہ شروع میں "بربری نوشت یا یوں کہیں کہ غیر مہذب لوگوں کی کتابیں تصور کرتا تھا۔ مگر چند دن بعد اُس معلوم ہوگیا کہ اِن نوشتوں میں بعض بعض کتابیں ایسی ہیں جو ہومر اور دیگ قدمائے یونان کی تصنیفوں سے بھی زیادہ پُرانی ہیں۔ رفتہ رفتہ اُن یہود

نوشتوں کی عبارت کی سادگی اور سلاست نے اور یہودی مصنفوں
کی صداقت اور اُن کے بیان کی حقیقت نے اور اُن پیشیں گوئیوں نے
جو اُن کتابوں میں پائی جاتی ہیں اُسے جلد اپنا معتقد بنا لیا۔ اور جب اُس
نے دیکھا کہ پرانے عہدنامے کی نبوّتیں مسیح میں پوری ہوتی ہیں تو سرِ نیاز
اُس کے آستانۂ فضل پر جھکایا اور اُسے شافع روزِ جزا سمجھ کر اُسکی
پیروی اختیار کی *

یہ شخص دوسری صدی کے وسط میں شہر روم میں مقیم تھا۔ اور
جسٹن شہید سے گہری دوستی رکھتا تھا۔ دونوں مسیحی مذہب کی صداقتوں
کے ثابت کرنے میں ہمہ تن مصروف اور مسیحی اصول اور مسائل کو مخالفوں
کے حملات سے بچانے میں نہایت کوشاں تھے۔ ٹیشین بتاتا ہے کہ
ایک فلاسفر جس کا نام کرے سنس تھا اُن کا سخت دشمن تھا اور کوشش
کرتا تھا کہ اُن کو جان سے مروا ڈالے۔ جب تک بزرگ جسٹن جیتا رہا
تب تک ٹیشین رسولی تعلیم کے مطابق مذہب عیسوی کو مانتا رہا۔ مگر اُس
کی وفات کے بعد ٹیشین کے خیالات میں کچھ کچھ فرق آگیا۔ اور وہ بعض
بدعتی خیالات میں مبتلا ہو گیا۔ مثلاً وہ "جسم" کی بدی پر نامناسب طور پر
زور دیتا تھا۔ چنانچہ وہ سکھاتا تھا کہ شادی کرنا سخت جرم ہے کیونکہ اُس سے
روح اعلےٰ درجے کی زندگی تک نہیں پہنچ سکتی۔ ماسوائے اِس کے
اُس پر یہ الزام بھی لگایا گیا کہ وہ ویلنٹی نس کے بعض بعض خیالات کو بھی
مانتا ہے۔ ویلنٹی نس ناستک تھا۔ اب ٹیشین روم سے روانہ ہو کر
مشرقی ممالک کی سیر کرتا ہوا اپنے وطن کو لوٹا اور کسی جگہ دریائے فرات
کے کنارے پر مقیم ہو کر اپنے ہموطنوں کو انجیل سُناتا رہا *

وہ جسٹن کو بہت پیار کرتا تھا۔ مگر جسٹن میں اور اُس میں بڑا فرق تھا۔ مقدم الذکر اپنے پرانے فلسفانہ اشغال کو بڑے ذوق سے یاد کیا کرتا تھا۔ اور جو لوگ اپنے طبعی غور و فکر سے حقائق موجودات اور معارف ذات بابرکات کی دریافت میں سرگرداں تھے اُن کا ذکر بڑی دلسوزی اور ہمدردی سے کیا کرتا تھا۔ مگر ٹیشین جو جسٹن کی نسبت غالباً زیادہ عالم شخص تھا۔ اِنسانی فلسفے کے ہر طریق کو حقارت کی نظر سے دیکھتا اور بڑی سختی کے ساتھ اُس پر حملہ کیا کرتا تھا۔ وہ فیثاغورث اور افلاطون اور ارسطو اور ہراکلیتس اور دیو جانس وغیرہ تمام حکما کو ٹھٹھوں میں اُڑایا کرتا تھا۔ اور اُن روائتوں کو جن سے اِن حکیموں کی کمزوریاں اور نقص ٹپکتے تھے (اور بعض بعض اُن میں سے بالکل اعتبار کے لائق نہ تھیں) لے کر اِن فیلسوفوں کی حکمت کو مضحکہ میں اُڑایا کرتا تھا

آج سے چند سال پہلے اگر پوچھا جاتا کہ اِس شخص کی تصانیف میں سے کون کون سی کتابیں موجود ہیں ؟ تو ہمیں شاید یہ کہنا پڑتا کہ "ایڈریس ٹو دی گریکس" کے سوائے اُس کی سب کتابیں گُم ہوگئی ہیں۔ لیکن تھوڑا عرصہ ہوا کہ اُسکی کتابوں میں جو سب سے بڑی کتاب تھی وہی مل گئی جس سے محقق عالموں کو اِس قدر خوشی اور حیرت ہوئی کہ اُس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اِس کتاب کے دستیاب ہونے کی تاریخ ایسی دلچسپ ہے کہ اُسکا مختصر سا بیان خالی از لطف نہ ہوگا۔

اِس کتاب کا نام "ڈیا ٹے سے ران" ہے۔ اور اِس کی حقیقت مفصلہ ذیل بیان سے آپ ہی کھُل جائیگی۔ قدیم مسیحی مصنفوں کی کتابوں میں اِس کی نسبت اشارے پائے جاتے ہیں مثلاً یوسیبیئس کہتا ہے:-

"ٹیشین نے اناجیل میں ایک قسم کا ربط پیدا کیا یا اُن میں سے (ایک مسلسل بیان) تالیف کیا۔ گو میں یہ نہیں جانتا کہ کس طرح۔ اور اُس کا نام

ڈیاٹے سے ران رکھا۔ یہ کتاب بعض بعض جگہ اب تک مروج ہے"۔

اپیفانی اس (۳۱۵ء سے ۴۰۳ء تک) بتاتا ہے کہ:۔

"انجیل ڈیاٹے سے ران کی نسبت کہتے ہیں کہ اُسے اُس نے (ٹیشین نے) تیار کیا۔ بعض اس کو عبرانیوں کی انجیل کہتے ہیں۔

اُسقف تھیوڈورٹ بیان کرتا ہے:۔

"اُس نے (یعنی ٹیشین نے) وہ انجیل تیار کی جو ڈیاٹے سے ران کہلاتی ہے اور اس طرح کہ نسب نامے اور وہ مقامات جو جسم کی رو سے خداوند کو داؤد کی نسل بتاتے ہیں نکال ڈالے۔ یہ کتاب نہ صرف اُسی کے فرقہ میں مروج تھی بلکہ اُن کے درمیان بھی مستعمل تھی جو کہ رسولی تعلیم کے پابند تھے۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اِس کتاب کے نقص سے واقف نہ تھے پس وہ بڑی سادہ لوحی سے اِس کتاب کو بہ سبب اُس کے اختصار کے استعمال کرتے رہے۔ میں نے خود اپنے علاقے کی کلیسیاؤں میں اُس کی دو سَو سے زیادہ کاپیاں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ میں نے اُن سب کو جمع کرکے الگ کر دیا اور اِن کی جگہ چاروں مبشروں کی انجیلیں جاری کیں"۔

یہ شہادت نہایت زبردست ہے۔ تھیوڈورٹ نے اِس کتاب کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور پڑھا۔ اُسقف تھیوڈورٹ کی گواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ہماری چاروں انجیلوں سے تالیف کی گئی تھی۔ گو بعض بعض مقامات جو ٹیشین کی بدعت سے موافقت نہیں رکھتے تھے اُس میں درج نہیں کئے گئے۔

اِسی طرح اس کتاب کا حوالہ ایک اَور کتاب میں پایا جاتا ہے۔ جو ڈاکٹرن آف اڈائے (Doctrine of addai) کہلاتی ہے

یہ کتاب افسانے کے پیرایہ میں لکھی گئی تھی اور اس غرض سے کہ اُس سے
معلوم ہو کہ ملک اڈیسہ میں مسیحی مذہب کس طرح داخل ہوا۔ یا یوں کہیں کہ اُس میں
اڈیسہ کے بادشاہ ابگارس کا قصہ قلمبند ہے جو ایک لا علاج بیماری میں مبتلا
تھا۔ جب اُس نے مسیح کے معجزوں کا حال سُنا تو اُس کے پاس پیغام بھیجا اور
بڑی منت اور سماجت سے اڈیسہ میں آنے کی التجا کی۔ کلیسیا کی عبادت
اڈیسہ میں جس طرح کلیسیا مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد عبادت
کیا کرتی تھی اُس کی کیفیت اِس کتاب میں یوں مرقوم ہے :-

"وہ اُس گرجا میں جسے ایڈیس نے بادشاہ ابگارس کے حکم سے تعمیر
کیا تھا مسیحی خدمات کو انجام دیتے رہے۔ اُن کو جو کچھ خدا کے گھر کے لئے درکار
تھا اور جو کچھ غریبوں کے لئے چاہیئے تھا وہ سب بادشاہ اور اُس کے اُمرا
کے اموال سے ملتا تھا۔ اور (گرجا میں) لوگوں کی بڑی بھیڑ ہر روز جمع ہو جاتی
تھی یہ لوگ عبادت کے وقت دُعاؤں اور پرانے عہد کے پڑھنے اور نئے
میں سے ڈیاٹے سے ران کی تلاوت میں شامل ہوا کرتے تھے۔" جو قصہ اس
کتاب میں درج ہے وہ تو اعتبار کے لائق نہیں پر اُس سے اتنا ضرور ثابت
ہوتا ہے کہ جب یہ کتاب لکھی گئی اُس وقت آرامی کلیسیا کے درمیان کتاب
ڈیاٹے سے ران مروّج تھی ؛

علاوہ بریں ایک اور گواہی ڈیاٹے سے ران پر آرام کے اسقف
بر صلیبی سے ملتی ہے جو بارھویں صدی کے آخر میں موجود تھا۔ وہ کہتا
ہے کہ ٹیشین کی ڈیاٹے سے ران یوحنا کی انجیل کی پہلی آیت سے
شروع ہوتی ہے۔ اور آرام کے افرائیم نے (۳۰۶ع سے ۳۷۳ع تک)
جو ایک بڑا تھیولوجن۔ شاعر۔ آریٹر (فصیح بیان) اور سینٹ (مقدس شخص

سمجھا جاتا ہے اُس پر تفسیر بھی لکھی ہے۔ برصلیبی کے یہ الفاظ ہیں :-

"ٹیشین جسٹن شہید کا جو فلاسفر بھی تھا شاگرد تھا۔ اُس نے چاروں انجیلوں سے مقامات انتخاب کرکے اور اُنہیں آپس میں ربط دیکر ایک انجیل تیار کی جسے وہ ڈیا ٹے سے راں کہتا ہے ...... اِس کتاب پر مار افرائیم نے ایک تفسیر لکھی ہے جو اِس آیت سے شروع ہوتی ہے۔ "ابتدا میں کلام تھا" وغیرہ ۔

اب جس وقت ڈاکٹر لائٹ فٹ صاحب نے ٹیشین پر وہ آرٹیکل تحریر کیا جو مئی ۱۸۷۷ء کے کنٹمپوریری ریویو (ایک اخبار) میں شائع ہوا۔ اُس وقت ڈیا ٹے سے راں کی بابت جو کچھ اوپر رقم ہوا اُس سے زیادہ معلوم نہ تھا۔ لیکن مخالف اس گواہی کو قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا تھا کہ دوسری صدی کے وسط میں نہ صرف ہماری چاروں انجیلیں مروج ہی ہوگئی تھیں بلکہ اُن کی اصلیت اور قدامت پر کسی طرح کی چون و چرا نہیں کی جاتی تھی۔ حتےٰ کہ ٹیشین جیسا بدعتی بھی مجبور رہا کہ اُنہیں معتبر سمجھ کر قبول کرے اور مسیح کی زمینی زندگی کا احوال اُنہیں سے تالیف کرے۔ اس میں شک نہیں کہ جن گواہوں کی شہادت اوپر رقم کی گئی ہے اُن میں سے کم از کم یوسیبئیس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ اُس نے اس کتاب کو خود نہ دیکھا ہو۔ اور اپیفانی اس کی بابت تو پختہ یقین ہے کہ اُس نے اُسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور مغربی مصنفوں میں سے تو کوئی بھی اُس سے واقف نہ تھا۔ البتہ کیپوا کے وکٹر کو چھٹی صدی کے وسط میں انجیلوں کی ایک تطبیق ملی جس کی نسبت اُس کو خیال گزرا کہ وہ ٹیشین کی ڈیاٹے سے راں ہے جس کا ذکر یوسیبئیس اپنی تاریخ میں کرتا ہے۔ مگر وکٹر اُسے ڈیاپنٹے کہتا ہے

علاوہ بریں وہ یوحنا کی انجیل کی پہلی آئت کے بجائے لوقا کی انجیل کی پہلی آئت سے شروع ہوتی ہے۔ پس اس کتاب کی نسبت اگر کوئی تسلی بخش گواہی تھی تو وہ صرف تھیوڈورٹ اور ڈاکٹرن آف اڈائے اور برصلیبی کی تھی۔ مگر باوجود ان دقتوں کے ڈاکٹر لائٹ فٹ صاحب بڑی تائید وتاکید کے ساتھ اس بات کو مانتے رہے کہ کلیسیا میں جو روائت مروج ہے کہ ٹیشین نے ہماری چاروں انجیلوں میں سے خداوند کی زندگی کا حال تالیف کیا اور اس کا نام ڈیاٹے سے ران رکھا بالکل صحیح ہے ؛

اب اگر وہ تفسیر جو افرائیم نے اس کتاب پر لکھی تھی مل جاتی تو تمام عقدے حل ہوجاتے کیونکہ اس سے کتاب کی ساخت کا عام حال کھل جاتا اور نیز اس میں اس کتاب کے کئی اقتباسات بھی ملتے۔ پر افسوس کہ پچھلی صدی کے شروع میں وہ جہاز جو بے شمار کتابوں سے لدا ہوا پوپ کلیمنٹ یازدہم کے لئے آرہا تھا دریائے نیل میں غرق ہوگیا۔ اور اس کے ساتھ افرائیم کی کتابیں بھی غرق ہوگئیں۔ اب دریائے نیل کی تہ سے ان خزانوں کو نکالنا بڑا مشکل کام تھا۔ پس اب ان کھوئی ہوئی کتابوں کے پھر ملنے کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ مگر خدا کی قدرت دیکھئے کہ جب ڈاکٹر لائٹ فٹ صاحب ٹیشین پر اپنا آرٹیکل تیار کر رہے تھے اس وقت افرائیم کی تفسیر یا لکچر ان کی المار[ی] میں موجود تھے۔ اور کئی برسوں سے وہاں پڑے تھے۔ واضح ہو کہ افرائیم کے لکچروں کا ترجمہ آرمینیا کی زبان میں کیا گیا تھا جسے فرقہ میکیتار کے درویشوں نے ۱۸۳۶ء میں شائع کیا۔ یہ درویش جزیرہ سین لزارو میں رہا کرتے تھے۔ اس فرقے کا بانی میکیتار آرمینی الاصل تھا۔ میکیتار ۱۶۷۶ء کو شہر سوار میں پیدا ہوا جو پنطس اور کپدوکیہ کی سرحد

واقع تھا اور ۱۶۹۹ء میں پریسٹ کے عہدے پر مقرر ہوا۔ تھوڑے عرصہ بعد اُس کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ اپنے ہموطنوں کی عقلی اور روحانی ترقی کے لئے جو کچھ کر سکتا ہے سو کرے۔ اس خیال سے اُس نے قسطنطنیہ میں ایک انجمن قائم کی۔ مگر چند دن بعد ایسی مشکلات برپا ہوئیں کہ اُسے قسطنطنیہ چھوڑ کر اپنی سوسائٹی موریا کے شہر موڈان میں قائم کرنی پڑی۔ موریا اُس وقت وینس کے قبضے میں تھا۔ یہاں آگرہ وہ اور اُس کے رفیق ۱۴ سال تک بڑی سرگرمی سے کام کرتے رہے۔ مگر جب موریا کو ۱۷۱۵ء میں ترکوں نے پھر لے لیا تو میکیتار کا کانونٹ بھی ٹوٹ گیا۔ لیکن وینس کی سرکار سے اُس کو جزیرہ لزارو عطا ہوا اور اُس وقت سے لیکر آج تک یہ جگہ میکیتاری درویشوں کا مرکز اور اُن کے علم وفضل کا گھر سمجھی جاتی ہے۔ اس فرقہ کے درویشوں نے اپنی تصنیفات کے وسیلے اپنی قوم پر بڑا اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے اُن کتابوں کے وسیلے جو تاریخ اور جغرافیہ اور علم زبان اور نیچرل سائنس پر تحریر کی گئی ہیں اور جو وائنا اور وینس کے مطبعوں میں چھپ کر فارس سے ہند تک آپہنچی ہیں اپنی قوم میں پڑھنے کا شوق اور علم کی محبت پیدا کر دی ہے ؂

اِن درویشوں کے کتب خانے میں بارھویں صدی کے دو مسودے موجود ہیں۔ وہ افرائیم کی سُریانی تفسیر کا جو اُس نے تطبیق اناجیل پر تحریر کی ارمینی ترجمہ ہیں۔ ۱۸۳۶ء میں اِن درویشوں نے افرائیم کی کتابوں کو ارمینی زبان میں چار جلدوں کے اندر شائع کیا۔ دوسری جلد میں یہ تفسیر پائی جاتی ہے ؂

ڈاکٹر لائٹ فٹ صاحب ۱۸۸۹ء میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "کئی

سال سے میرے پاس اِس کتاب کی ایک کاپی موجود تھی .... اور بار بار میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ ناممکن نہیں کہ اِس کتاب سے یہ پتہ لگے کہ افرائیم انجیلوں کے بارے میں کیا کہتا ہے کیونکہ یہ مجھے معلوم تھا کہ اُس میں پولوس کے خطوط پر یا اُن کے کچھ حصّے پر نوٹ موجود ہیں لیکن اُس وقت مجھے آرمینی زبان میں ایسی دسترس نہ تھی کہ کتاب کی چھان بین اچھی طرح کرسکتا لیکن مجھے اُمید تھی کہ جب میں آرمینی زبان اچھی طرح جان جاؤنگا تب اس بات کی تحقیق کرونگا"۔

لائٹ فٹ صاحب نے اپنا آرٹیکل ۱۸۷۵ء میں شائع کیا مگر اِس سے ایک سال پہلے یعنی ۱۸۷۴ء میں افرائیم کے لکچروں کا لاطینی ترجمہ وینس میں شائع ہو چکا تھا۔ جس کی خبر لائٹ فٹ صاحب کو اُس وقت جبکہ وہ اپنا آرٹیکل تیار کر رہے تھے نہ تھی۔

۱۸۴۱ء میں ایک درویش نے افرائیم کے لکچروں کو لاطینی میں ترجمہ کیا۔ لیکن ترجمہ سین لزارو کے کتب خانہ میں پڑا رہا۔ آخر کار اُس کی خبر ایک شخص کو جس کا نام جارج موئے سنگر تھا اور جو شہر سازبرگ میں بائیبل کا پروفیسر تھا ملی اور کچھ عرصہ بعد یہ ترجمہ اور اُس کے ساتھ اُن دو مسودوں میں سے جن کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے اور جن کے مطابق آرمینی ترجمہ چھاپا گیا تھا ایک مسودہ پروفیسر موئے سنگر کے حوالے کیا گیا۔ صاحب موصوف نے اُسے ۱۸۷۶ء میں شائع کیا۔ اِن لکچروں نے جو کہ سکالیا آف افرائیم (Scholia of Ephram) بھی کہلاتے ہیں ثابت کردیا کہ ڈیاٹےسران جو دوسری صدی کے وسط سے تھوڑی مدت بعد شائع ہوئی ہمارے خداوند کی زندگی کا مسلسل بیان پیش کرتی ہے

چاروں انجیلوں کو ربط دیکر تیار کیا گیا ہے۔ البتہ افرائیم کے لکچروں سے یہ بات معلوم نہیں ہوسکتی تھی کہ ٹیشین نے انجیلوں کا کتنا حصہ چھوڑ دیا کیونکہ یہ لکچر پوری اور مسلسل تفسیر نہیں ہیں پر اُن سے یہ ثابت ہوگیا کہ ٹیشین نے یہی چاروں انجیلیں جو ہمارے پاس موجود ہیں استعمال کیں ۔

پر ابھی ڈیاٹے سے راَن کا دلچسپ قصہ ختم نہیں ہوا۔ کیونکہ افرائیم کے لکچروں کے دستیاب ہونے کے بعد وہ آپ ہی مل گئی اور اُس کے ملنے کی کیفیت یہ ہے :۔

قریبًا ایک سو پچاس سال کا عرصہ ہوا کہ ایک بڑا عالم شخص جس کا نام سٹیفن۔ اوڈی اس۔ ایمن تھا ویٹیکن کے کتب خانہ میں اپنے چچا کی مدد کیا کرتا تھا۔ اِس کتب خانہ میں ایک عربی مسودہ پایا جاتا تھا جس کے متعلق اِس شخص نے ایک کتاب شائع کی اور اس میں اُس کا ذکر کیا اور بتایا کہ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ڈیاٹے سے راَن کا عربی ترجمہ ہے۔ پھر اس کے بعد دو اَور محققوں نے بھی اِس مسودے کے بارے میں اپنی اپنی رائے دی مگر چونکہ اِن تینوں شخصوں کا بیان بہت پُرزور اور تسلی بخش نہ تھا لہذا فیصلہ جیسا چاہیئے تھا ویسا نہ ہوا ۔

لیکن جب افرائیم کے لکچروں کی اشاعت سے مباحثے کا بازار گرم ہوا تو لوگوں نے پھر اِس مسودے کی طرف توجہ کی۔ اور ویٹیکن کے فقیہوں میں سے سیاسکا نے ۱۸۸۳ء میں وعدہ کیا کہ میں اِس مسودے کا صحیح اور مفصل حال تحریر کرونگا اور اگر ہوسکا تو اُسے کامل صورت میں چھاپ بھی دونگا لیکن وہ بعض وجوہات کے باعث دونوں وعدوں میں سے کسی وعدے کو پورا نہ کرسکا مگر جب ۱۸۸۶ء میں مصر سے ایک عالی مرتبہ پادری روم میں وارد

ہوا تو سیاسکا نے اُسے بھی وہ مسودہ دکھایا۔ اُس نے دیکھکر کہا کہ ہماری جماعت کے ایک ممبر کے پاس بھی عین اِسی طرح کا ایک مسودہ موجود ہے۔ اب موسم گرما میں وہ دوسرا مسودہ بھی رُوم پہنچ گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ بڑا صاف لکھا ہوا ہے اور آب زر اور قسم قسم کے رنگوں سے آراستہ ہے۔ ۱۸۸۸ء میں وہ مسودہ شائع کیا گیا۔ اُس کے شروع اور آخر میں کئی نوٹ موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ٹیشین کی ڈیاٹے سے ران کا عربی ترجمہ ہے جو سریانی زبان سے کیا گیا تھا۔ اِس میں مترجم اور نیز اُس شخص کا نام دیا ہوا ہے جس نے سریانی مسودہ لکھا تھا۔ مترجم گیارھویں صدی کے شروع میں اور سُریانی مسودے کا لکھنے والا نویں صدی کے آخر میں موجود تھا۔ اِس مصری مسودے میں کئی ایسے مقامات مندرج ہیں جو ویٹیکن کے مسودے میں نہیں پائے جاتے۔ اِس مسودے کے وقت تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تھیوڈورٹ نے اپنے ڈایوسیس (علاقہ اُسقف) میں دوسو کاپیاں ڈیاٹے سے ران کی جمع کیں اور اُن کے عوض میں ہماری چاروں انجیلیں جاری کیں اُس وقت کئی آرامی مسیحی اِس قسم کے تھے جنہوں نے اُس کتاب کو جس سے اُن کے باپ دادوں نے مسیح کی زندگی کا احوال سیکھا تھا نہ چھوڑا۔ اور چونکہ اُن کا ملک مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تھا اور چونکہ وہ اپنی زبان کو چھوڑکر اُس قوم کی زبان بولنے لگ گئے تھے جس نے اُن کو مغلوب کیا۔ لہذا اُنہوں نے ڈیاٹے سے ران کا ترجمہ عربی زبان میں کر لیا۔

مضمون اور ترتیب کے اعتبار سے عربی ڈیاٹے سے ران اور سُریانی ڈیاٹے سے ران میں جو افرائیم نے استعمال کی مطابقت پائی جاتی ہے۔ چار مقاموں کو چھوڑکر باقی مقامات میں دیکھا جاتا ہے کہ جس ترتیب سے

افرائیم انجیلوں کو اقتباس کرتا ہے وہی ترتیب عربی ڈیاٹے سے رون میں پائی جاتی ہے ۔

اب ہم یہ دکھا چکے کہ یہ دو پرانی کتابیں ڈیاٹے سےرون اور اُس کی تفسیر کس طرح اِس زمانے میں دستیاب ہوئی ہیں۔ اب ہم یہ دکھائینگے کہ اِن کتابوں کے وسیلے ہماری چاروں انجیلوں کی قدامت اور اُن کی تواریخی معتبری کس طرح ثابت ہوتی ہے۔ ٹیشین مایۂ علم وفضل سے بہرہ ور تھا۔ اِس میں شک نہیں کہ اُس کی طبیعت میں تندی پائی جاتی تھی اور یہ بھی ہم مانتے ہیں کہ وہ کسی قدر ضدی بھی تھا۔ اور دوسروں کے عقائد اور خیالات کی بہت برداشت نہیں کیا کرتا تھا۔ تاہم اُس کی کتابوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا دلیر اور دیانتدار آدمی تھا۔ وہ جسٹن کا دوست اور دُور دُور ممالک کا سفر کرنے کے سبب سے کئی ملکوں کے مسیحیوں سے واقف تھا اور اِس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ ایک بدعتی بھی تھا ۔

وہ روم سے ۱۷۰ء میں یا اُس سے ذرا پہلے روانہ ہوکر اپنے وطن کو آیا۔ گو وہ عام مسیحیوں کو بعض باتوں کے متعلق غلطی میں مبتلا سمجھتا تھا پر ہم دیکھتے ہیں کہ مسیحیوں کے عقائد کی اصلاح میں مصروف ہونے کی بجائے وہ اپنے وطن میں آکر غیر قوموں کو مسیح کے پاس لانے میں مشغول ہوا اور جو لوگ اُس کے وسیلے مسیح پر ایمان لائے اُس نے اُن کے لئے اِس بات کو ضروری سمجھا کہ اُن کے لئے خداوند کی زندگی کی کیفیت تحریر کرے اپنی معمولی عادت کے مطابق اُس نے نسب نامے اپنی تالیف ڈیاٹےسےرون سے خارج کردئے کیونکہ وہ اُس کے زعم میں مسیح کے جلال اور عظمت کے شایاں نہ تھے۔ اور جو مقامات اُس نے داخل کئے اُن میں بھی بعض بعض

جگہ مداخلت کے آثار نمایاں ہیں۔ پر جو انجیلیں اُس نے استعمال کیں اور جن میں سے اُس نے مسیح کی زندگی کا حال تیار کیا وہ متی۔ مرقس۔ لوقا۔ اور یوحنا کی انجیلیں تھیں۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیوں اُس نے یہ چاروں انجیلیں استعمال کیں؟ اور کیوں وہ کوئی اَور کتاب کام میں نہ لایا؟ کلیساؤں کے ساتھ تو اُس کا رابطہ بہ سبب اُس کے بدعتی خیالات کے منقطع ہو گیا تھا۔ پس وہ کسی کلیسیائی اختیار کا محکوم نہ تھا۔ اور جن کلیسیاؤں کے لئے اُس نے ڈیاٹے سے رانِ تیار کی تھی اُنہوں نے اُسی سے مسیح کی تعلیم پائی تھی۔ لہذا وہ آزاد تھا کہ جیسی انجیل اُن کو دینا چاہے دے۔ پر ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے مسیح کا احوال تالیف کرنے کے لئے انہیں چاروں انجیلوں کو جو اَب ہمارے ہاتھ میں ہیں استعمال کیا۔ سوال مذکورہ بالا کا جواب یہی ہے کہ یہ انجیلیں تمام ملکوں کی مسیحی کلیسیاؤں میں مستند اور معتبر سمجھی جاتی تھیں۔ گو ٹیشین کو اپنی بدعت کے سبب سے کہیں کہیں متن میں دست اندازی کرنی پڑی۔ مگر باوجود بدعتی ہونے کے اُس کو یہی انجیلیں کام میں لانی پڑیں کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بجز اِن کے اَور کسی کتاب میں مسیح کا سچا اور صحیح تواریخی احوال قلمبند نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ ٹیشین نے کہیں کہیں متن میں دست اندازی کی۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس نے انجیلوں کو جابجا تبدیل کر دیا۔ نہیں ہمارا یہ مطلب نہیں۔ کیونکہ جو مقام اُس نے نکالے یا تبدیل کئے وہ ایسے گنتی کے ہیں کہ اَرتھوڈاکس کلیسیاؤں نے اُن پر بہت اعتراض نہ کیا۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ افرائیم نے جو سریانی کلیسیا کا فخر تھا اِس کتاب کو استعمال کیا اور اُس پر ایک تفسیر بھی لکھی ۔

چند سال ہوئے کہ ڈیاٹے سے رانِ کی نسبت جو گواہی پیش کیجاتی

تھی وہ ناقص سمجھی جاتی تھی۔ گو ٹیشین کی کتاب ایڈریس ٹو دی گریکس میں اِس بات کا کافی ثبوت موجود تھا کہ وہ ہماری چاروں انجیلوں سے واقف تھا۔ اِس کتاب میں یُوحنا کی انجیل میں سے کئی مقام اقتباس کیے گئے ہیں مثلاً "خدا روح ہے" اور "تاریکی نے اُسے نہ پہچانا" وغیرہ۔ لیکن افرائیم کے لکچروں اور ڈیاٹے سےران کے عربی ترجمہ نے جو اَب دستیاب ہوا ہے مباحثے کی حالت بالکل تبدیل کردی ہے چنانچہ اب کوئی شخص اِس بات پر اعتراض نہیں کرتا کہ ٹیشین ہماری چاروں انجیلوں سے واقف تھا اور اُس نے انہیں انجیلوں میں سے وہ مسلسل بیان تیار کیا جو ڈیاٹے سےران کہلاتا ہے۔

قبل اِس کے کہ ہم اِس گواہی کو ختم کریں ہم ایک اور بات بتانا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ڈیاٹے سےران کا قصہ مکمل ہو جائے۔ ہم اِس بات کا اُوپر ذکر کر چکے ہیں کہ کیپوا کے وکٹر کو جس نے نئے اور پرانے عہدنامے کی کتابوں پر تفسیر لکھی ایک لاطینی مسودہ ملا جس میں چاروں انجیلوں کی تطبیق پائی جاتی تھی۔ یہ ذکر ۵۴۵ء کا ہے۔ مگر مسودے پر نہ مترجم اور نہ محرر کا نام تھا مگر چونکہ یوسی بی اُس کی کتاب میں اِس بات کا اشارہ پایا جاتا ہے کہ ٹیشین نے ڈیاٹے سےران کو تیار کیا لہذا وکٹر نے اِس مسودے کو ٹیشین سے منسوب کیا۔ وکٹر نے اُس کی اصلاح کرکے اُسے نئے عہدنامہ کی باقی کتابوں کے ساتھ شائع کر دیا۔

چند سال ہوئے کہ لوگ خیال کرتے تھے کہ وکٹر کا قیاس صحیح نہیں ہے اور سب سے بڑا ثبوت یہ دیا جاتا تھا کہ جو مسودہ وکٹر کو ملا ہے وہ یُوحنا کی انجیل کی پہلی چند آیات سے شروع نہیں ہوتا بلکہ اُس میں اُن آیات کے

پہلے لوقا کی انجیل کی پہلی چار آئتیں آتی ہیں۔ لیکن افرائیم نے جو درس ڈیاٹے سے ران پر دئے ہیں اُن کی اور خود ڈیاٹے سے ران کی اشاعت نے ثابت کر دیا کہ وکٹر کا قیاس صحیح تھا ؛

جو تطبیق وکٹر نے شائع کی (جو کہ حقیقت میں ٹیشین ہی کی تطبیق تھی) اُس نے یورپ کی مسیحی کلیسیا میں بڑا رتبہ پایا ہے۔ اسی کا ایک نسخہ فلڈا میں موجود ہے جس کی نسبت یہ روائت مروّج ہے کہ جب بانی فس جو جرمنی کا رسول کہلاتا ہے شہید ہوا اُس وقت وہ اُس کے ہاتھ میں تھا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ جب اس شہید کی نعش فلڈا میں لائی گئی تو انجیلوں کی یہ کاپی جسے وہ جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اُس کے ساتھ آئی۔ اگر یہ روائت صحیح ہے (اور کہتے ہیں کہ اُس نسخہ میں ایسے سراغ پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بانی فس ہی کا ہے) تو جرمنی کے رسول بانی فس نے جو کہ آٹھویں صدی میں دریائے رائن کے کناروں کی بُت پرست قوموں کو انجیل سُناتا تھا وہی کتاب ڈیاٹے سے ران استعمال کی جو بدعتی ٹیشین دریائے فرات کے بُت پرستوں کو مسیح کے قدموں میں لانے کے لئے استعمال کیا کرتا تھا ؛

نویں صدی میں اُس کا ترجمہ مشرقی فرنکس کی بولی میں کیا گیا۔ اور پھر اُسی سے ہمارے خداوند کی زندگی کا احوال جنوبی فرنکس کے لئے منظوم کیا گیا تاکہ بربط کے ساتھ گایا جائے۔ اور پھر اُسی صدی میں اُسی سے وہ نظم تیار کی گئی جو ہیسنڈ کہلاتی ہے ؛

بادشاہ شارلمین نے تیس سال تک بڑی جانفشانی سے سکسن قوم کو مسیحی بنانے کی کوشش کی۔ اور چونکہ لوگ اُس سے ڈرتے تھے اس لئے

اُنھوں نے ظاہر میں مسیحی مذہب کو قبول کر لیا۔ پر دل میں اُس سے سخت نفرت رکھتے تھے کیونکہ اُسے فتح کرنے والی قوم کا مذہب سمجھتے تھے۔ پر جب شارلمین کا بیٹا لُوئس دی پائس (دیندار یا خدا پرست) تخت پر بیٹھا تو اُس نے ایک ملائم طریقہ اختیار کیا۔ اُس نے دیکھا کہ مسیح کی تاریخ جو ووڈن اور تھور کے قصوں سے ہزارہا درجے افضل ہے۔ اگر کسی لائق شاعر کے وسیلے منظوم کی جائے تو لوگ اُسے بڑی چاہ اور رغبت سے پڑھینگے۔ پس یہ نظم جسے سیکسن زبان کی یادگار کا ایک رفیع الشان ستون کہنا چاہیئے تیار کی گئی۔ دیکھئے ڈیائے ٹسے ران کا قصہ کیسا عجیب ہے۔ وہ کتاب جس کی نسبت لوگ خیال کرتے تھے کہ کھو گئی ہے اور اُس کے ملنے کی کوئی اُمید نہیں اُسی کی بابت اب یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ ۱۳۰۰ سال سے یورپ کی قوموں میں اپنا کام کرتی آئی ہے۔

ٹیشین اگرچہ بڑا تند خو اور زود رنج شخص تھا مگر اِس میں شک نہیں کہ وہ اپنے خداوند کو دل و جان سے پیار کرتا تھا۔ اگر وہ اب جیتا ہوتا تو اُسے یہ دیکھ کر کیسی تسلی ملتی کہ جو تطبیق اُس نے دوسری صدی کے وسط میں تیار کی تھی اُسی سے اُس کے خداوند کا نام دُنیا کی بڑی بڑی قوموں میں شائع ہوا۔ اِس نتیجہ کو دیکھ کر اُس کو وہ تمام صدمات بھول جاتے جو اُس نے اپنی بدعت کے سبب اُٹھائے تھے۔

جسٹن شہید

جسٹن شہید شہر نیاپولس میں جو نبلوس بھی کہلاتا ہے پیدا ہوا۔ یہ

شہر اُس خوشنما وادی میں آباد ہے جو کوہ گرازیم اور عیبال کے درمیان واقع ہے۔ یعقوب کا کنوآں اور وہ قطعۂ زمین جو یعقوب نے اپنے بیٹے یوسف کو دیا تھا اُس کے نزدیک واقع ہیں۔ جسٹن کے والدین بُت پرست تھے۔ جن علوم کی تحصیل میں وہ پہلے پہل مشغول تھا اُن کا بیان وہ اپنی کتاب موسومہ "ڈائے لاگ وِد ٹرفو" میں بڑی خوبصورتی اور رقت کے ساتھ کرتا ہے۔

جسٹن شروع ہی سے فلسفہ کو بنی آدم کے تمام مشغلوں پر ترجیح دیتا تھا اور مسیحی ہونے کے بعد بھی وہ اُس کو اُسی نظر سے دیکھتا رہا۔ کیونکہ وہ مانتا تھا کہ فلسفہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان کو خدا تک پہنچائے۔ مگر اُس نے بہت جلد دیکھ لیا کہ مشاہیر حکمائے یونان کے شاگرد اپنے اُستادوں کی زیادہ قدر کرتے ہیں اور حقیقی صداقت کو نظر انداز کر بیٹھے ہیں۔ جسٹن کا پہلا اُستاد ایک سٹواک (stoic) تھا۔ اُس کی نسبت وہ کہتا ہے کہ "میں نے اُس کے ساتھ بہت سا وقت صرف کیا لیکن انجام کار ایسا معلوم ہوا کہ میں نے خدا کی نسبت اُس سے کچھ بھی نہ سیکھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود کچھ نہیں جانتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ایسا علم غیر ضروری ہے۔ میں نے اُس سے قطع تعلق کر کے ایک اور شخص کی پیروی اختیار کی جو فرقۂ مشائین میں سے تھا۔ یہ شخص اپنے تئیں نہایت چالاک اور ہوشیار تصور کرتا تھا"۔ چند دنوں کے بعد اس شخص نے جسٹن سے پوچھا کہ آپ مجھے کیا دیا کریں گے تاکہ ہماری باہمی صحبت و مجالست ہم دونوں کے لئے مفید ہو۔ جسٹن نے اس شخص کی حریص طبیعت سے کبیدہ خاطر ہو کر اور یہ سوچ کر کہ یہ شخص بھاڑے کا ٹٹو ہے اور حقیقی فلاسفر نہیں اُس کی سنگت ترک کر دی۔ مگر چونکہ اُس کے دل میں بڑی کثرت سے یہ اشتیاق بھرا ہوا تھا کہ یونیورس (موجودات) کا

اصل بھید مجھ پر کھل جائے اِس لئے اُس نے پھر ایک شخص کی جو فیثا غورث کا شاگرد تھا پیروی اختیار کی - یہ شخص بھی اپنے کو حکمت میں یگانۂ روزگار سمجھتا تھا - اور واقعی بڑا مشہور تھا - اُس نے جسٹن سے پوچھا "کیا تم کو موسیقی اور اقلیدس اور نجوم میں کچھ دسترس ہے - اگر نہیں تو یہ اُمّید نہ رکھو کہ تم اُن حقیقتوں کو جو مبارک زندگی کو کمال تک پہنچاتی ہیں دیکھ سکو گے کیونکہ اُن کے نظّارے سے بہرہ ور ہونے کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ انسان پہلے اُن باتوں کو سیکھے جو روح کو دُنیوی اشیا سے ہٹاتی اور تربیت کر کے اِس قابل بناتی ہیں کہ اُن اشیاء کو جو فی الحقیقت خوبصورت اور نیک ہیں دیکھے" جسٹن یہ باتیں سُن کر بیدل ہو گیا - کیونکہ وہ علم موسیقی اور اقلیدس اور نجوم سے ذرا مس نہیں رکھتا تھا - اُس نے خیال کیا کہ اگر میں اِن چیزوں کو سیکھنے لگوں تو کئی برس لگ جائینگے اور اس عرصہ میں وہ خواہش جو عرفان الٰہی کے متعلق میرے دل میں جوش زن ہے اپنی مراد کو کبھی نہیں پہنچیگی - پر وہ اب کسی اَور اُستاد یا رہبر کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا - کیونکہ اُسے یقین تھا کہ فیثا غورث کا پیرو ذات باری کے بھیدوں سے بخوبی واقف ہے اور جسٹن ان بھیدوں سے کما حقہٗ واقفیت پیدا کرنا چاہتا تھا - لیکن اُس نے دیکھا کہ افلاطونی فلسفہ کے ماننے والے بھی بہت مشہور ہیں اور ایک حکیم اِسی فرقے کا شہر نیاپوکس میں مقیم ہے - پس اُس نے ارادہ کیا کہ افلاطونی فلسفہ کو بھی معیار امتحان پر آزمانا چاہیئے - سو اب وہ اپنے وقت کا بہت سا حصّہ ہر روز اپنے نئے اُستاد کی سنگت میں صرف کرنے لگا اور بہت جلد اس نئے طریق کے متعلق سرگرمی اور جوش سے بھر گیا - کیونکہ اب اُس کے خیالات اُس دُنیا میں گھومنے لگے جو مادی اشیاء کے انقلابات

اور فریب وہ تبدلات سے بلند اور بالا ہے۔ یعنی اُن ازلی اور ابدی تصورات (Eternal Ideas) پر دھیان لگانے سے جو افلاطون کے قیاس میں جملہ اشیاء کی حقیقت اور وجود کی جڑ ہیں جسٹن کی قوت متخیلہ کو ایک طرح کے پر لگ گئے اور وہ سوچنے لگا کہ تھوڑی مدت کے بعد میں خدائے تعالےٰ کے دیدار پُر انوار سے بہرہ ور ہو جاؤنگا۔ کیونکہ افلاطونی فلسفے کا اصل مقصد یہی ہے۔

جن دنوں وہ اِس قسم کی اُمید سے خوش وقت و خوشحال ہو رہا تھا انہیں دنوں میں اُس کا یہ معمول بھی تھا کہ وہ گیان دھیان کے لئے تنہا جگہوں کو جایا کرتا تھا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ جب وہ اپنے وِرد وظائف میں مشغول تھا ایک شخص اُس کے پاس آیا۔ یہ شخص عمر رسیدہ تعظیم کے لائق اور نہایت خلیق معلوم ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس نے جسٹن کو بتایا کہ میرے گھرانے کے بعض شرکاء راستہ کھو کر گمراہ ہو گئے ہیں اور میں اس اِرادے سے نکلا ہوں کہ دیکھوں کہ اُن کے واپس آنے کی کوئی اُمید ہے یا نہیں۔ پھر اُس نے اپنے مطلب کی توضیح کی اور کہا کہ تُو ہی میرا بھائی ہے اور میں تیری ہی تلاش میں نکلا ہوں تاکہ تجھے اُس کے پاس جو تمام مخلوقات ذی عقل وغیر ذی روح کا باپ ہے واپس لاؤں۔ جسٹن اِس کے جواب میں اُس سے یہ تو نہیں کہتا کہ میں تیرا مطلب سمجھ گیا ہوں بلکہ اُسے یہ بتاتا ہے کہ میں کیوں اِس علیحدہ جگہ میں آیا کرتا ہوں۔ اس کے بعد دونوں فلسفہ کی بڑی بڑی باتوں پر باہم گفتگو کرنے لگے۔ اور ان سوالات پر بحث شروع ہوئی کہ اُس علم میں جو بوسیلۂ سائنس حاصل ہوتا ہے اور عرفان الٰہی میں کیا فرق ہے۔ اور کہ کیا عرفان الٰہی نصیب ہو سکتا ہے کہ نہیں۔ روح اور بقا کیا چیز ہیں اور اُنکی

حقیقت کیا ہے۔ اس کے بعد اُس اجنبی نے جسٹن کو بتایا کہ اُن لوگوں کے برپا ہونے سے جو فلاسفر کہلاتے ہیں کہیں پہلے وہ بزرگ موجود تھے جو نبی کہلاتے تھے جو راستباز اور مبارک اور خدا کے پیارے تھے اور جو روح پاک کے الہام سے احکام الٰہی کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ اور یہ بھی بتایا کہ اُن کے صحائف اب تک موجود ہیں جن میں تمام اشیاء کے اوّل و آخر کا پتہ ملتا ہے اور نیز اُن میں کئی اَور حقیقتیں قلمبند ہیں جن کا جاننا ہر فیلسوف پر لازم ہے۔ پھر اُس نے جسٹن کو خدا کے بیٹے مسیح کی بشارت دی اور کہا کہ "ان حقیقتوں کو ہر کس و ناکس نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے مگر وہی جنہیں خدا اور مسیح کی روح نے یہ توفیق بخشی ہے کہ انہیں سمجھیں۔ پس دُعا مانگو کہ خدا نور کے دروازے تمہارے لئے کھول دے"۔ جب وہ یہ اور اسی قسم کی اَور کئی باتیں بتا چکا تو وہاں سے چلا گیا اور جسٹن کو پھر کبھی نہ ملا۔

لیکن اس وقت سے جسٹن کے دل میں ایک نئی آگ بھڑک اُٹھی جو ہمیشہ جلتی رہی۔ اُس کے دل میں یہودی نبیوں اور مسیح کے بندوں کی محبت پیدا ہوئی۔ اور اُس نے اُن کے وسیلے وہ صداقت پائی جو اُسے فیلسوفوں کی کتابوں میں نہیں ملی تھی۔ آخرکار افلاطون کی پیروی چھوڑ کر مسیح کی غلامی اختیار کی۔

یہ کیفیت جسٹن کے مسیحی ہونے کی ہے جو اُس نے خود اپنی کتاب ڈائےلاگ وِد ٹرفو میں تحریر کی ہے۔ ایک اَور جگہ وہ لکھتا ہے کہ جب میں افلاطون کی تعلیمات سے محظوظ ہو رہا تھا اُس وقت بھی مسیحیوں کی وہ دلیری جس سے وہ طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتے اور موت تک فرمانبردار

رہتے تھے میرے دل میں نقش ہو گئی تھی اور اِسی سے میں قائل ہو گیا تھا کہ جو خفیہ گناہ اُن سے دشمنی سے منسوب کئے جاتے ہیں وہ اُن کے ہرگز ہرگز مرتکب نہیں ہو سکتے ؂

اب ظاہر ہے کہ جسٹن کے نزدیک انجیل گویا غیر مرئی اور ذاتِ باری کے بھید کا ایک مکاشفہ تھا۔ اِس میں شک نہیں کہ وہ اُسے اِس سے بڑھکر سمجھتا تھا۔ وہ مانتا تھا کہ انجیل خاطی بنی آدم کے لئے خدا کی بے بیان رحمت اور فضل کا حقیقی مژدہ لائی ہے اور ہمیشہ کی زندگی کی بشارت دیتی ہے۔ مگر چونکہ اُس نے مسیح کو اُس وقت پایا جبکہ وہ حکمت کی تلاش میں تھا۔ پس اُس کے نزدیک انجیل ایک قسم کا فلسفہ بھی تھی جس نے اُس کی وہ پیاس جو عرفان الٰہی کے لئے مشتعل تھی۔ بجھادی ؂

وہ مسیحی ہونے کے بعد بھی فلسفانہ اشغال میں مصروف رہا اور فیلسفوں کا چغہ برابر پہنتا رہا مگر اب اُس نے یہ ٹھان لیا کہ میرا یہی کام ہے کہ میں لوگوں کو اُس صداقت سے آگاہ کروں جو خدا نے مجھپر ظاہر فرمائی ہے۔ وہ سوچتا تھا کہ اگر لوگ میری غفلت سے مسیحی مکاشفہ سے ناواقف رہیں تو اُن کا وہ جرم جس سے مسیح کا عرفان اُن کو رہائی دے سکتا ہے میری گردن پر ہوگا۔ لہٰذا وہ ہر شخص کو اپنے نئے اعتقاد کی خبر دینے کو تیار تھا اور ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ بحث کرنے کو آمادہ۔ اُس میں وہ وحشیانہ سختی تو نہیں پائی جاتی تھی جس سے طاطیان (ٹیشین) غیر قوموں پر حملہ کیا کرتا تھا مگر ایک قسم کی خاموش دلیری اور شجاعت اُس میں موجود تھی جو کسی خطرہ سے ہراساں نہیں ہوتی تھی ؂

مسیحی ہونے کے بعد اُس کی زندگی کے مفصل حالات ہم کو معلوم

نہیں۔ صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ مسیح کی انجیل کی منادی کرنے اور اُسے دشمنوں کے حملوں سے بچانے میں مصروف رہا۔ وہ روم اور شائد افسس میں بھی انجیل کی بشارت دیتا رہا۔ اُس کے شہید ہونے کی تاریخ پختہ طور پر معلوم نہیں۔ یا تو وہ ۱۴۸ء میں اور یا ۱۶۳ء میں شہید ہوا۔

اُس کی کتابوں میں سے بعض بڑی بڑی کتابیں گم ہو گئی ہیں۔ اور اُن میں سے زیادہ بیش قیمت وہ تھی جو اُس نے "بدعتوں کے خلاف" (Against All heresies) تحریر کی۔ اس کا ذکر وہ اپنی کتاب "فرسٹ اپالوجی" (First Apology) میں کرتا ہے۔ بعض کتابیں جو اُس سے منسوب کی جاتی ہیں اُس کی نہیں ہیں۔ اب اُس کی کتابوں میں سے ذیل کی کتابیں موجود ہیں۔ فرسٹ اپالوجی جس کی بابت وہ ہمیں بتاتا ہے کہ وہ ہمارے خداوند کی پیدائش سے ۱۵۰ سال بعد تصنیف ہوئی۔ اور شہنشاہ مرقس انٹونی نس کے لئے تحریر کی گئی سیکنڈ اپالوجی (Second Apology) اور ڈائیلاگ وِد ٹرفو (Dialogue with Tryph[o]). تمام علما اِس بات پر متفق ہیں کہ یہ تینوں کتابیں جسٹن کی تصنیف ہیں۔

اب جسٹن اپنی کتاب "فرسٹ اپالوجی" میں مسیحیوں کے ہفتہ وار مجمعوں کی کیفیت اِس طرح رقم کرتا ہے:۔

"اُس دن جو اتوار کہلاتا ہے تمام مسیحی جو شہروں اور گاؤں میں رہتے ہیں ایک جگہ فراہم ہو جاتے ہیں اور وہاں رسولوں کی کتابیں (انگریزی میں Memoirs) اور انبیا کے صحیفے وقت کے مطابق پڑھے جاتے ہیں اور جب پڑھنا ختم ہو جاتا ہے تب پریزیڈنٹ زبانی تعلیم دیتا اور نصیحت

کرتا ہے کہ جو اچھی باتیں پڑھکر سنائی گئی ہیں اُن کی پیروی کی جائے۔ زاں بعد
ہم سب اُٹھکر دُعا مانگتے ہیں۔ پھر جیسا ہم نے پہلے کہا روٹی اور وائن اور
پانی لائے جاتے ہیں اور پریزیڈنٹ پھر اُسی طرح دُعا مانگتا اور شکر بجالاتا ہے
اور لوگ آمین کہہ کر اُس کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔ اور پھر جن چیزوں
پر شکر بھیجا گیا تھا وہ سب لوگوں میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ اور جو حاضر نہیں ہوتے
اُن کا حصہ ڈیکنوں کے ہاتھ بھیجا جاتا ہے۔ اِس کے بعد وہ لوگ جو صاحب
توفیق اور رضامند ہوتے ہیں وہ جیسا بہتر سمجھتے ہیں ویسا خدا کے نام پر
چندہ دیتے ہیں اور جو کچھ جمع ہوتا ہے وہ پریزیڈنٹ کے سپرد کیا جاتا ہے
جو یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کرتا اور اُن کی مدد کرتا ہے جو بیماری یا کسی
اَور سبب سے محتاج۔ یا مذہب کے باعث زنجیروں سے جکڑے ہوئے
ہوتے ہیں۔ یا سفر کرتے ہوئے ہمارے درمیان مثل اجنبیوں کے وارد ہوتے
ہیں۔ غرضیکہ وہ سب محتاجوں کی خبر لیتا ہے"۔

۱۵۰ء میں یا اس سے پہلے مسیحی اِس طرح عبادت میں شامل ہوا
کرتے تھے۔ اِس تصویر میں ایک خوبصورت اور دلگداز سادگی پائی جاتی ہے
یہ لوگ اپنے تئیں مسیح میں بہن اور بھائی تصور کرتے تھے۔ وہ مسیح کے
دسترخوان پر بیٹھتے تھے۔ وہ یتیموں اور بیواؤں اور بیماروں اور غریبوں اور
اُن اجنبیوں کی جو اُن کے یہاں مہمان ہوتے تھے خبر گیری کرتے تھے۔
وہ بسبب اپنے مذہب کے جان سے مارے جانے۔ قید خانوں میں ڈالے
جانے اور تمام جائداد کے چھن جانے کے خطرے میں رہتے تھے۔ جب
وہ خداوند کے دسترخوان پر بیٹھتے تھے تو اُن کو اُن کے خطروں کی خبر دی جاتی
تھی کیونکہ جو چندہ جمع کیا جاتا تھا اُس کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ جو

مسیح کے لئے زنجیروں میں پڑے ہوئے ہیں اُن کی مدد کی جائے ﴿

اسی طرح جسٹن اپنی کتاب "فرسٹ اپالوجی" میں کئی اور جگہ "رسولوں کی کتابوں" کا ذکر کرتا ہے جن کی نسبت ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ مسیحیوں کی جماعتوں میں پڑھی جاتی تھیں مثلاً وہ کہتا ہے :-

"خدا کا فرشتہ جو اُس کنواری کے پاس . . . . . بھیجا گیا اُس کے لئے یہ خوشی کی خبر بھی لایا۔ 'دیکھ تُو روح پاک سے حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور وہ خدائے تعالےٰ کا بیٹا کہلائیگا اور تو اُس کا نام یسوع رکھیگی کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو اُن کے گناہوں سے بچائیگا'۔ جیسا کہ اُنہوں نے جو ہمارے نجات دہندے یسوع مسیح کے حالات کے لکھنے والے ہیں سکھایا" ﴿ فرسٹ اپالوجی

ایک اور جگہ اِس طرح تحریر کرتا ہے :-

"رسول اُن کتابوں میں جو اُنہوں نے لکھیں اور جو انجیلیں کہلاتی ہیں اِس طرح اُن احکام کو جو اُنہیں ملے ہم تک پہنچاتے ہیں۔ کہ یسوع نے روٹی لی اور جب وہ شکر کر چکا تو بولا 'تم یہ میری یادگاری کے لئے کیا کرو۔ یہ میرا بدن ہے'۔ اور کہ پھر اِسی طرح اُس نے پیالہ لیکر اور شکر کرکے کہا 'یہ میرا خون ہے'۔ اور فقط اُنہیں کو دیا" ﴿

"ڈائے لاگ وِد ٹرفو" میں ذیل کے اشارے رسولوں کی کتابوں کے متعلق پائے جاتے ہیں :-

"اُس نے اپنے شاگردوں میں سے ایک کا نام جو پہلے شمعون کہلاتا تھا پطرس رکھا۔ چونکہ اِس شاگرد نے اُسے بوسیلۂ الہام ربانی کے خدا کا بیٹا مسیح تسلیم کیا اور چونکہ 'رسولوں کی کتابوں' میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خدا کا بیٹا کہلاتا ہے اور چونکہ ہم بھی اُسے بیٹا مانتے ہیں اس لئے ہم یہ سمجھتے

ہیں کہ وہ تمام مخلوقات سے پہلے باپ سے اُس کی قدرت اور مرضی کے
وسیلے نکلا اور کنواری کے پیٹ میں انسان بنا"۔ ڈائے لاگ وِد ٹرفو ؎

"جب وہ پانی سے نکلا تو روح القدس اُس پر کبوتر کی صورت میں اُتری
(جیسا) کہ ہمارے مسیح کے رسولوں نے تحریر کیا"۔ ڈائے لاگ وِد ٹرفو ؎

"جنہوں نے اُسے مصلوب دیکھا...... اُنہوں نے ٹھٹھے کئے
جن کا ذکر رسولوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ 'وہ تو کہا کرتا تھا کہ میں
خدا کا بیٹا ہوں۔ اب وہ (صلیب سے) اُتر آئے۔ اب خدا اُسے بچائے'۔
ڈائے لاگ وِد ٹرفو ؎

"اُس نے خاموشی اختیار کی اور جیسا رسولوں کی کتابوں میں درج ہے
پلاطوس کے حضور کسی کو کچھ جواب نہ دیا"۔ ڈائے لاگ وِد ٹرفو ؎

"میں ابھی ابھی یہ ثابت کر چکا ہوں کہ وہی اکیلا خدا سے تولد ہوا ہے
اور عجیب طور پر تولد ہوا۔ وہ اُس کا کلمہ اور قدرت ہے اور پھر کنواری کے وسیلے
انسان بنا جیسا کہ ہم (رسولوں کی) کتابوں سے سیکھتے ہیں"۔ ڈائے لاگ وِد ٹرفو ؎

"جب مسیح صلیب پر جان دے رہا تھا اُس نے کہا 'اے باپ میں
اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں'۔ یہ بات بھی میں نے (رسولوں کی)
کتابوں سے پائی ہے"۔ ڈائے لاگ وِد ٹرفو ؎

"ان کتابوں میں جو کہ رسولوں نے اور اُن کے پیروؤں نے تصنیف کیں
لکھا ہے کہ اُس کا پسینہ خون کے قطرے بن کر گرنے لگا۔ جس وقت وہ دُعا
مانگتا اور کہتا تھا کہ 'اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے'"۔ ڈائے لاگ وِد ٹرفو ؎

"انجیل میں یہ لکھا ہے کہ اُس نے کہا کہ 'میرے باپ نے سب کچھ مجھے
سونپا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ باپ کون ہے مگر بیٹا اور یوں ہی بیٹے کو

مگر باپ اور وہ جن پر بیٹا ظاہر کیا چاہے"۔ ڈائے لاگ ود ٹرفو ۔

ٹرفو جواب میں کہتا ہے۔

"میں جانتا ہوں کہ جن کتابوں کو تم انجیل کہتے ہو اُن میں ایسی عجیب اور عظیم ہدائتیں قلمبند ہیں کہ میری دانست میں اُن کی پیروی کوئی نہیں کرسکتا۔ میں نے اُن کو بڑی خبرداری سے پڑھا ہے"۔ ڈائے لاگ وِد ٹرفو ۔

اَور مقامات بھی اقتباس کئے جاسکتے ہیں مگر ہمارے خیال میں یہی کافی ہیں ۔

اب جسٹن جن تصنیفات کو "کتابیں" (Memoirs) یا یادگاریں) "رسولوں کی کتابیں" اور "کتابیں جنہیں رسولوں اور اُن کے پیرووؤں نے لکھا" اور "کتابیں جن کو اُنھوں (رسولوں) نے تحریر کیا اور جو انجیلوں کے نام سے موسوم ہیں" بتاتا ہے وہ وہی کتابیں یا انجیلیں ہیں جو ہمارے پاس موجود ہیں۔ جسٹن اِس سے بڑھکر صفائی اور صحت سے اُن چاروں انجیلوں کا جو ہمارے نئے عہدنامہ میں موجود ہیں بیان نہیں کرسکتا تھا۔ متی اور یوحنا رسول تھے۔ مرقس اور لوقا رسولوں کے پیرو تھے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس مقام میں وہ ہم کو یہ بتاتا ہے کہ انجیلوں کو رسولوں اور اُن کے پیرووؤں نے لکھا اُسی میں وہ ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہے جو لوقا کی انجیل سے خاص ہے (وہ واقعہ یہ ہے کہ جب وہ یعنی مسیح دُعا مانگتا تھا تو اُس کا پسینہ خون کے قطرے بن کر بہتا تھا)۔ مرقومہ بالا اقتباسات میں آپ نے وہ مقامات یا اشارے معلوم کئے ہونگے جو آپ کو ہماری انجیلوں میں ملتے ہیں ۔

پر جسٹن کی گواہی پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جو کتابیں (یا یادگاریں)

مسیحیوں کی جماعتوں میں اُس کے زمانے میں پڑھی جاتی تھیں وہ اُن کی نسبت یہ نہیں بتاتا کہ وہ متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا کی تصنیف تھیں۔ لوگ سوال کرتے ہیں کہ اُس نے اُن کے مصنفوں کے نام کیوں نہیں بتائے؟ اور کہ ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ جن کتابوں کو وہ انجیلیں کہتا ہے وہ یہی انجیلیں تھیں جو ہمارے پاس ہیں۔ اِن سوالوں کا جواب ایک جملہ میں دیا جاسکتا ہے۔ اور وہ اِس طرح کہ جب دوسری اور تیسری صدی میں مسیحی علما غیر مسیحیوں کے لئے کچھ لکھا کرتے تھے تو وہ کلیسیا کی متبرک کتابوں کا نام لیکر اپیل نہیں کیا کرتے تھے۔ اور کیوں کرتے؟ متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا کا نام اُن کے لئے جو مسیحی مذہب کو نہیں مانتے تھے سند نہ تھا۔ اب جسٹن کا طرز تحریر وہی تھا جو اَور مصنفوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ طاطیان (ٹیشین) نے جیسا ہم دیکھ چکے ہیں انجیلوں کی تطبیق تیار کی۔ پر اُس نے اپنی کتاب ایڈریس ٹو دی گریکس (یونانیوں کے لئے درس) میں نہ کبھی یوحنا کا اور نہ کبھی متی کا نام لیا۔ حالانکہ اُس کتاب میں پہلی اور چوتھی انجیل کے مقاموں کے اشارے پائے جاتے ہیں۔ طرطولین جس وقت مسیحیوں کے لئے کچھ تحریر کرتا ہے تو زمانہ حال کے منادوں کی طرح کثرت سے انجیلوں سے اقتباس کرتا۔ اور اُن کے مصنفوں کے نام بھی بیان کرتا ہے مگر اپنی اپالوجی میں (جو غیر قوموں کے لئے لکھی گئی) ایک مرتبہ بھی اُن کا نام نہیں لیتا۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ جیسا حال انجیلوں کی اصلیت کے بارے میں جسٹن کی کتابوں سے کھلتا ہے اُس سے زیادہ صاف اور واضح پتہ اَور کسی جگہ سے نہیں مل سکتا۔ اُن کی نسبت اُس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقط (Memoirs) ہیں نہ کہ باقاعدہ طرز اور مکمل صورت کی سوانح عمریاں

پھر یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ انہیں "رسولوں اور اُن کے پیروؤں" نے تصنیف کیا۔ ہم اوپر کئی مقامات اِن کتابوں میں سے رقم کر چکے ہیں۔ جنیوا کے باشندے اَٹو صاحب کی رائے ہیں جس نے جسٹن کی کتابوں کو ایڈٹ کیا ہے ان تینوں کتابوں میں جو اصلی مانی جاتی ہیں دو سَو مقامات ایسے موجود ہیں جن میں یا تو ہماری انجیلوں کے اقتباسات یا اُن کے کئی مقامات کی طرف اشارے پائے جاتے ہیں۔ اور اِن اقتباسوں اور حوالوں سے ہر انجیل کی اصلیت کی تائید ہوتی ہے مثلاً "ڈائے لاگ وِد ٹرفو" میں جسٹن یوں لکھتا ہے "اِسی لئے ہمارے مسیح نے جبکہ وہ زمین پر تھا اُن کو جو یہ دعوے کرتے تھے کہ الیاس کا مسیح کے پہلے آنا ضروری امر ہے بتایا کہ الیاس البتہ پہلے آئیگا اور سب چیزوں کا بندوبست کریگا۔ پر میں تم سے کہتا ہوں کہ وہ تو آچکا لیکن اُنہوں نے اُس کو نہ پہچانا بلکہ جو چاہا اُس کے ساتھ کیا"۔ یہ اقتباس لفظ بہ لفظ متی سے ہے۔ مگر اسی مطلب کے الفاظ لوقا میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جسٹن یہ بھی تحریر کرتا ہے "تب شاگردوں نے سمجھا کہ اُس نے اُن سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کی بابت کہا"۔ یہ جملہ بھی لفظ بہ لفظ اقتباس کیا گیا ہے۔ پر یہ فقط متی کی انجیل میں ملتا ہے۔ پھر جسٹن بتاتا ہے کہ ہمارے خداوند نے زبدی کے بیٹوں کے نام تبدیل کر کے اُنہیں بنی رعد کا لقب دیا۔ یہ واقعہ صرف مرقس کی انجیل میں پایا جاتا ہے۔ پھر وہ مسیح کے یہ الفاظ جو صلیب پر اُس کی زبان سے نکلے اقتباس کرتا ہے "اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں"۔ یہ الفاظ صرف لوقا میں ملتے ہیں۔ ایک جگہ وہ ہمارے خداوند کے کلام کو اِس طرح بیان کرتا ہے "جب تک تم ازسرِ نو پیدا نہ ہو تو تم آسمان کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتے"۔ البتہ یہ

مقام لفظ بہ لفظ نقل نہیں کیا گیا۔ تو بھی یہ خیال ردّ نہیں کیا جا سکتا کہ جسٹن نے مسیح کی دو باتوں کو جو یوحنا کی انجیل میں اور صرف اُسی کی انجیل میں قلمبند ہیں آپس میں ملا دیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں "اگر کوئی از سر نو پیدا نہ ہو تو وہ خدا کی بادشاہت کو دیکھ نہیں سکتا"۔ "اگر آدمی پانی اور روح سے پیدا نہ ہووے تو وہ خدا کی بادشاہت میں داخل ہو نہیں سکتا"۔

اِس آخری مقام کو دیکھکر ایک اور اعتراض یاد آتا ہے اور وہ یہ کہ جو اقتباسات جسٹن کی کتابوں میں ملتے ہیں اُن میں سے کئی ہماری انجیلوں کے متن کے ساتھ لفظ بہ لفظ مطابقت نہیں رکھتے لہذا اغلب ہے کہ جسٹن ایسی انجیلوں سے اقتباس کرتا ہے جو اب نابود ہوگئی ہیں۔ لوگ فرض کر لیتے ہیں کہ ہماری انجیلوں میں جو متی۔ مرقس۔ لوقا اور یوحنا سے منسوب کی جاتی ہیں اُن موہومہ پرانی انجیلوں کا بہت سا حصہ موجود ہے پر اُن قدیم انجیلوں میں ہمارے خداوند کی زندگی اور تعلیم کا زیادہ قدیم اور زیادہ معتبر حال مندرج تھا۔

پر یہ اعتراض ناقص ہے کیونکہ جسٹن توریت سے ۴۸ مقام اقتباس کرتا ہے۔ ۱۸ اُن میں سے لفظ بہ لفظ اقتباس کئے گئے ہیں اور ۱۹ ذرا ذرا سی تبدیلیوں کے ساتھ۔ مگر ۱۱ مقاموں میں بہت فرق معلوم ہوتا ہے۔ اِسی طرح وہ ۲۱ مقام زبوروں میں سے اقتباس کرتا ہے۔ ۱۶ لفظ بہ لفظ اقتباس کئے گئے ہیں۔ اور اُن ۱۶ میں سے ۹ (یا ۱۰) پورے پورے زبور ہیں۔ ۲ مقام کسی قدر تبدیلی کے ساتھ تحریر کئے گئے ہیں۔ اور ۳ سے بڑا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ (واضح ہو کہ اس فرق سے صرف لفظی فرق مراد ہے نہ کہ معنوی)۔ پھر وہ ۵۳ مقام یسعیاہ سے اقتباس کرتا ہے جن میں سے ۲۵ لفظ بہ لفظ

۱۲ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ اور ۱۶ نمایاں فرق کے ساتھ اقتباس کئے گئے ہیں۔ اب کیا ہم اِس سے یہ نتیجہ نکالیں کہ جو توریت اور زبور اور یسعیا کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے وہ اُس توریت اور اُس زبور اور اُس یسعیا کی کتاب سے جو جسٹن کے وقت میں موجود تھی پیچھے لکھی گئی ہے۔ کیا ہم یہ کہیں کہ جسٹن کی توریت کی کتاب جسٹن کی زبوروں کی کتاب جسٹن کی یسعیا کی کتاب کھوئی گئی ہے اور اُس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا اور کہ گو ہماری توریت اور زبور اور یسعیا میں بہت سے مضامین اُسی قسم کے پائے جاتے ہیں جو کہ پُرانی کتابوں میں پائے جاتے تھے پر موجودہ کتابوں میں مضامین نئے طور پر مرتب کئے گئے ہیں اور نئی روائتیں داخل کی گئی ہیں اور اُنہیں جدید تھیولاجیکل مسائل نے تبدیل کرکے اپنے رنگ سے رنگین بنادیا ہے۔ یہ نتیجہ بالکل لغو ہے۔ یہودی اپنی مقدس کتابوں کے بڑے محافظ ہیں؀

اب اِس فرق کا حل بہت سہل ہے اور ضرور نہیں کہ ہم یہ فرض کریں کہ جو کتابیں پُرانے عہدنامے کی جسٹن استعمال کیا کرتا تھا وہ گم ہوگئی ہیں۔ اگر جسٹن تمام مقامات کو لفظ بہ لفظ اقتباس کرتا تو یہ کام اُس کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہوتا اور بہت دیر میں ختم ہوتا۔ پس اُس نے بہت سے مقاموں کو لفظ بہ لفظ نقل نہیں کیا؀

اِس زمانے میں لکھنے والوں کو بہت دقّت پیش نہیں آتی۔ مثلاً اگر کوئی مصنف کسی مقام کو اقتباس کرنا چاہتا ہے پر اگر وہ اُسے حفظ نہیں ہوتا اور وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ کون سے باب اور آئت میں الفاظ مطلوبہ مرقوم ہیں تو وہ اپنی کتاب اُٹھاکر صفحہ بہ صفحہ نظر ڈالتا جاتا ہے تاوقتیکہ وہ مقام جسکی جستجو میں وہ لگا ہوا ہے اُسے مل نہ جائے اور اگر وہ اِس طریق سے بھی

کامیاب نہ ہو تو اُس کے پاس اُس کی کنکارڈنس (کلید الکتاب) ہے اور وہ اُسے کام میں لا سکتا ہے۔ پر جسٹن کے پاس کنکارڈنس نہ تھی۔ اور پُرانی طرز کے بڑے بڑے بے ڈھنگے نسخوں میں سے جلد جلد مقامات کو نکالنا ایسا آسان نہ تھا جیسا آجکل کی چھپی ہوئی کتابوں میں سے نکالنا آسان ہوتا ہے۔ پس جسٹن زیادہ تر اپنے حافظے پر بھروسہ کرتا تھا۔ اگرچہ اُس کا حافظہ اکثر اُسے دھوکا دے جاتا تھا۔ پس جب وہ دیکھتا تھا کہ مقام لفظ بہ لفظ یاد نہیں تو اُس کا مطلب بیان کر دیتا تھا۔ اور لفظ بہ لفظ اُس کو بیان نہیں کرتا تھا۔ اور کبھی کبھی وہ دو آئتوں کو ملا کر ایک بنا دیتا تھا۔ اوپر جو تعداد مقامات مقتبسہ کی درج کی گئی ہے اُس سے ثابت ہے کہ یہ حل بالکل صحیح ہے۔ زبوروں کے ۱۶ اقتباسات جو لفظ بہ لفظ دیئے گئے ہیں اُن میں سے نو یا دس پورے پورے زبور ہیں اور اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اُسے پورا زبور نقل کرنا منظور ہوتا تھا تو وہ اپنے حافظے پر انحصار نہیں کیا کرتا تھا بلکہ زبور کی کتاب کو سامنے رکھکر اُس زبور کو عین لفظ بہ لفظ نقل کر دیا کرتا تھا۔ پر چھوٹے چھوٹے اقتباسوں میں وہ مطلب کو دیکھتا تھا اور قلت وقت کے سبب ورق گردانی کر کے لفظ بہ لفظ آئت کو نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتا ہوگا۔

لیکن اُس کے وہ اقتباسات جو پہلی تین انجیلوں سے کئے گئے ہیں پُرانے عہد کے اقتباسوں سے بھی لفظی رعائت کی رو سے زیادہ ناقص ہیں۔ پروفیسر سنڈے کی رائے میں نئے عہد نامہ سے جو مقام اقتباس کئے گئے ہیں وہ شمار میں ۶۷ ہیں۔ ۱۰ لفظ بہ لفظ درست ہیں۔ ۲۵ میں خفیف سی تبدیلیاں پائی جاتی ہیں۔ اور ۳۲ میں بڑا فرق نظر آتا ہے۔ نئے عہد نامے کے اقتباسوں میں جو زیادہ فرق دکھائی دیتا ہے وہ

بھی آسانی سے حل ہو جاتا ہے۔ جسٹن پرانے عہدنامے کی نسبت نئے عہدنامے سے زیادہ واقف تھا پس غالب ہے کہ وہ نئے عہدنامے کے اقتباسوں کو اصل مقاموں سے مقابلہ کرکے بہت کم دیکھتا ہوگا اور وجہ اسکی یہ تھی کہ وہ لفظی رعائت کو اپنے مطلب کے لیئے ضروری نہیں سمجھتا تھا وہ کتابیں جن میں یہ اقتباس پائے جاتے ہیں تفسیریں نہیں تھیں کہ ہر آئت کو لفظ بہ لفظ نقل کرنا ضروری ٹھیرتا۔ اُس کی کتابوں میں سے دو تو اس لیئے تحریر کی گئی تھیں کہ مسیحی دین کو بُت پرستوں کے حملوں سے بچائیں اور تیسری مناظرہ کے پیرائے میں لکھی گئی جس میں فریق ثانی ایک یہودی تھا۔ پس اگر اُس نے مقامات مطلوبہ کا مطلب اپنی تحریر میں ادا کر دیا تو یہ اُسکے مقصد کو پورا کرنے کے لیئے کافی تھا۔

یہ سوال کہ کیا وہ کتابیں جنہیں جسٹن تواریخی یادگاریں (Memoirs) اور انجیلیں کہتا ہے اور جنہیں رسولوں سے منسوب کرتا ہے وہی انجیلیں ہیں جو ہمارے پاس موجود ہیں یا نہیں؟ ایک اور طرز سے امتحان کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم دیکھیں کہ اِن کتابوں میں ہمارے خداوند کی تاریخ اور تعلیم کی بابت کیا لکھا ہے تو اِس سوال کے جواب کے لیئے ذیل کی سطور کا ملاحظہ کرنا چاہیئے:۔

جسٹن کے بیان کے مطابق مسیح گناہ کے داغ سے بالکل پاک اور ایک کنواری سے پیدا ہوا جو داؤد یسی۔ پھارس۔ یہوداہ۔ یعقوب۔ اضحاق اور اگر آدم نہ ہو (کیونکہ قرأت یہاں مشکوک ہے) تو ابراہیم کی نسل سے تھی۔ مریم کو جبریل فرشتے کے وسیلے یہ خبر دی گئی کہ تیرے کنوارے پن کی حالت میں خدا کی

متی ۱: ۲-۶ — لوقا ۳: ۳۱-۳۴ — لوقا ۱: ۲۶ — لوقا ۱: ۳۵

قدرت تجھ پر سایہ کریگی اور تُو حاملہ ہو گی اور بیٹا جنیگی (لوقا ۱: ۳۱)
جس کا نام یسوع رکھا جائیگا کیونکہ وہ اپنے لوگوں (متی ۱: ۲۱)
کو اُن کے گناہوں سے بچائیگا ۔

جب یُوسف نے دیکھا کہ میری منگیتر مریم حاملہ ہے
تو اُس کو بوسیلہ خواب یہ خبر دی گئی کہ تُو اُس سے (متی ۱: ۱۸-۲۵)
قطع تعلق مت کر کیونکہ وہ جو اُس کے پیٹ میں ہے
روح القدس سے ہے ۔ یوں یسعیا کی نبوّت جو
اُس کے ۷: ۱۴ میں ہے (دیکھو کنواری حاملہ ہو گی (متی ۱: ۲۳)
وغیرہ) پوری ہوئی ۔ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی
ماں الیسبات تھی ۔ مسیح کے مولد کی خبر میکاہ نبی (لوقا ۱: ۵۷)
نے دی (۵: ۲-۷ بیت لحم افراتا ہر چند کہ تو (متی ۲: ۵ و ۶)
وغیرہ) اِسی بیت لحم میں مسیح پیدا ہوا ۔ اس کی خبر
رومیوں کو اُس مردم شماری سے مل سکتی ہے جو
قرینی اس نے کی جو کہ یہودیہ کا پہلا پروکیوریٹر تھا ۔ (لوقا ۲: ۱-۲)
وہ (مسیح) قرینی اس کے زمانہ سے لیکر پلاطوس کے
وقت تک زندہ رہا ۔ یہودیہ کی پہلی مردم شماری کے
سبب سے یُوسف ناصرت سے (جہاں وہ رہتا تھا) بیت لحم (لوقا ۲: ۴)
کو گیا ۔ یسوع کے ماں باپ کو بیت لحم میں کوئی جگہ نہ ملی (لوقا ۲: ۷)
پس یسوع ایک غار میں پیدا ہوا اور ایک چرنی میں (ایضاً)
رکھا گیا اُس کے پیدا ہونے کے بعد عرب سے مجوسی (متی ۲: ۱)
آئے جنہوں نے ایک ستارے کے وسیلے جو آسمان پر

نمودار ہوا جان لیا کہ یہودیہ میں ایک بادشاہ پیدا ہوا — متی ۲:۲
ہے اُس کے سامنے سجدہ کرنے اور اُس کے حضور — متی ۲:۱۱
سونا اور لبان اور مُر چڑھانے کے بعد اُن کو خبر ملی — متی ۲:۱۲
کہ وہ جاتے ہوئے ہیرودیس کے پاس نہ جائیں مگر — متی ۲:۱-۷
چونکہ وہ (ہیرودیس) نہیں چاہتا تھا کہ یہ بچہ زندہ
رہے لہذا اُس نے بیت لحم کے سب بچوں کو قتل — متی ۲:۱۶
کرنے کا حکم دیا اور یوں اُس نے وہ نبوت پوری کی — متی ۲:۱۷و۱۸
جو یرمیاہ ۳۱: ۱۵ میں ہے (راخل اپنے لڑکوں پر روتی
اور تسلی نہیں چاہتی وغیرہ) لیکن اِسی عرصہ میں یوسف — متی ۲:۱۳-۱۵
اور مریم لڑکے کو مصر لے گئے کیونکہ باپ نے چاہا کہ وہ
جسے اُس نے دُنیا میں بھیجا مرنے نہ پائے جب تک
کہ انسان بنکر اُس کے کلام کی منادی نہ کرے۔ یوسف اور — متی ۲:۲۲
مریم مصر میں رہے جب تک کہ ارخلاس ہیرودیس کا
بیٹا تخت نشین نہ ہوا۔ زاں بعد وہ واپس آئے۔ فطرت
کے قاعدے کے مطابق وہ (مسیح) بڑھا اور تیس
یا زیادہ سال کی عمر کو پہنچا۔ وہ دیکھنے میں بہت — لوقا ۳:۲۳
خوبصورت نہ تھا (جیسا کہ نبوت سے ظاہر ہوتا ہے) وہ
بڑھئی کا کام کیا کرتا تھا۔ اور ہل اور جوئے جو کہ — تی ۶:۳
راستی کا نشان ہیں بنایا کرتا تھا۔ وہ کسی پر ظاہر نہ
ہوا جب تک کہ یوحنا جو اُس کا پیشرو تھا اور جس پر
ایلیاس کی روح تھی نہ آیا۔ جب یوحنا یردن کے کنارے — متی ۱۷:۱۲و۱۳

متی ۳: ۲ پر بیٹھا تھا تو وہ چلّا چلّا کر لوگوں کو توبہ کی ہدایت کرتا لوقا ۳: ۳
متی ۳: ۴ تھا اور جس وقت وہ اپنا عجیب لباس پہن کر منادی
کرتا تھا تو وہ کہتا تھا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ بلکہ مجھ مقابلہ کرو یوحنا ۱: ۱۹ سے
متی ۳: ۱۱ و ۱۲ سے ایک زور آور میرے بعد آتا ہے اور میں اُس کی جوتی کا تسمہ لوقا ۳: ۱۶-۱۷
کھولنے کے لائق نہیں۔ یوحنا کی آخری زندگی کا حال
متی ۱۴: ۳ بھی جسٹن رقم کرتا ہے۔ چنانچہ وہ بتاتا ہے کہ وہ کس طرح لوقا ۳: ۲۰
قید خانہ میں پڑا۔ اور کس طرح ہیرودیس کے جنم دن کی تقریب
مقابلہ کرو متی ۱۴: ۶ سے اور ضیافت کے موقع پر اُس کا سر کاٹا گیا اور کہ یہ واقعہ اُسکی
بہن کی بیٹی کے اشارے سے سرزد ہوا۔ یہ یوحنا ہی
متی ۱۷: ۱۱-۱۳ الیاس تھا جسے مسیح سے پہلے آنا تھا ۔

یسوع کے بپتسمے کے وقت (ایک آگ یردن کے
کنارے پر جل اُٹھی) اور جوں ہی وہ پانی سے باہر
متی ۳: ۱۶ نکلا روح القدس اُس پر اُتری اور آسمان سے ایک لوقا ۳: ۲۱ و ۲۲
آواز داؤد کے الفاظ میں یہ کہتی ہوئی آئی۔ تُو میرا بیٹا
ہے۔ میں آج کے دن تیرا باپ ہوا بپتسمے کے
متی ۴: ۱-۹ بعد وہ شیطان سے آزمایا گیا۔ جس نے اپنی آزمائش
کے آخر میں اُس سے سجدہ طلب کیا۔ مگر مسیح نے
متی ۴: ۱۱ جواب میں کہا۔ اے شیطان تُو مجھ سے دُور ہو وغیرہ لوقا ۴: ۱۳
پس شیطان مغلوب اور مجرم کی صورت بنکر اُس سے دُور
ہو گیا ۔

جسٹن جانتا تھا کہ مسیح کے الفاظ مختصر اور پُر مطلب

ہوتے تھے اور کہ وہ معجزے بھی دکھایا کرتا تھا جیسا کہ

(متی ۹: ۲۹-۳۱) پنطوس پلاطوس کے کاموں سے معلوم ہو سکتا ہے۔ (لوقا ۱۸: ۳۵-۴۳)

(۳۲-۳۳، ۱۰: ۱-۸) (مقابلہ۔ لوقا ۱۱: ۱۴)

اُس نے یسعیاہ ۳۵: ۴-۶ کو پورا کیا۔ وہ جو اپنی پیدائش (لوقا ۵: ۱۷-۲۶)

(متی ۴: ۲۳) سے اندھے گونگے لنگڑے تھے۔ اُس نے اُنکو چنگا

(مقابلہ ۹: ۱۸) کیا۔ بے شک اُس نے ہر قسم کے عارضے اور بیماری (مقابلہ لوقا ۸: ۴۱)

کو دُور کیا۔ اور مُردوں کو جلایا۔ یہودیوں نے اِن معجزوں (لوقا ۷: ۱۱-۱۸)

کو جادو سے منسوب کیا۔

یسوع نے بھی اپنے کام کو یوحنا بپتسمہ دینے والے

(متی ۴: ۱۷) کی طرح (جسکا کام اُس وقت بند ہو گیا جب کہ مسیح ظاہر

ہوا) اِس منادی کے ساتھ شروع کیا۔ توبہ کرو کیونکہ

آسمان کی بادشاہت نزدیک ہے۔

(متی ۵: ۲۰) پہاڑی وعظ کی بہت سی نصیحتیں جسٹن کی

تصنیفوں میں موجود ہیں۔ مثلاً وہ جو کہ فقیہوں اور

(متی ۵: ۲۸) فریسیوں کی راستبازی کے ساتھ علاقہ رکھتی ہیں

(متی ۵: ۲۹-۳۲) اور دل کی زناکاری کے ساتھ اور وہ جو علاقہ رکھتی ہیں

(متی ۵: ۴۴-۳۴ و ۳۹) آنکھ کے ٹھوکر کھلانے طلاق دینے اور قسم کھانے

(متی ۵: ۴۴) کے ساتھ اور بدی کے عوض میں بھلائی کرنے کے ساتھ

(متی ۵: ۴۲) اور اپنے دشمنوں کو پیار کرنے اور اُن کے لئے دُعا

(متی ۶: ۱۹ و ۲۰) مانگنے کے ساتھ۔ اور وہ جو یہ سکھاتی ہیں کہ اُن کو دینا (لوقا ۶: ۳۰)

(متی ۶: ۲۵-۲۷) چاہئیے جو محتاج ہیں۔ اور کہ اپنا سارا خزانہ

آسمان پر جمع کرنا چاہیئے اور جسم کی ضرورتوں کے لئے (لوقا ۱۲: ۲۲-۲۴)

متی ۵: ۴۵ فکرمند نہ ہونا چاہیئے بلکہ خدا کی رحمت اور بھلائی کے
متی ۶: ۲۱ وغیرہ نمونہ پر چلنا لازم ہے اور کہ دنیاوی اغراض اور نیت
متی ۷: ۲۲ و ۲۳ سے کام نہیں کرنا چاہیئے اور کہ سب سے بڑھکر یہ لوقا ۱۳: ۲۶ و ۲۷
لازم ہے کہ ہم اپنے کام دکھائیں نہ کہ محض باتوں
پر اکتفا کریں ۔

متی ۸: ۱۱ و ۱۲ جسٹن کفرناحم کے صوبہ دار کے بیان سے بھی لوقا ۱۳: ۲۸ و ۲۹
متی ۹: ۱۳ آیات اقتباس کرتا ہے اور نیز اُس ضیافت سے جو متی لوقا ۵: ۳۲
مقابلہ کرو متی ۱۰: ۱ کے گھر میں واقع ہوئی - وہ بارہ شاگردوں کے چُنے جانے لوقا ۶: ۱۳
مرقس ۳: ۱۷ کا حال رقم کرتا ہے اور ساتھ ہی وہ نام بتاتا ہے جو
زبدی کے بیٹوں کو دیا گیا یعنی بوزجیس "بنی رعد"
متی ۱۱: ۱۲-۱۵ اسی طرح جسٹن رسولوں کے بھیجے جانے کا ذکر کرتا لوقا ۱۰: ۱۹
ہے اور نیز وہ گفتگو قلمبند کرتا ہے جو یوحنا کے قاصدوں لوقا ۱۶: ۱۶
متی ۱۶: ۴ کی روانگی کے بعد وقوع میں آئی - نیز یونہ کے نشان
متی ۱۳: ۳ اور بیج بونے والے کی تمثیل کا ذکر کرتا ہے - اور لوقا ۸: ۵
متی ۱۶: ۱۵-۱۸ پطرس کے اقرار کی طرف اشارہ کرتا . اور خداوند نے
متی ۱۶: ۲۱ اپنے دکھوں کی جو خبر خود دی تھی اُسے بھی رقم لوقا ۹: ۲۲
کرتا ہے ۔

مسیح کے آخری سفر کے بیان میں سے اور ہمارے
متی ۱۹: ۱۶ و ۱۷ خداوند کی زندگی کے آخری حالات میں سے جسٹن
مقابلہ متی ۲۱: ۱ کی کتابوں میں مفصلۂ ذیل کا ذکر آتا ہے - امیر نوجوان کے لوقا ۱۸: ۱۸ و ۱۹
متی ۲۲: ۱۱ حالات - اور مسیح کا یروشلم میں داخل ہونا - ہیکل کو لوقا ۱۹: ۲۹ و مقابلہ لوقا ۱۹: ۴۶

پاک وصاف کرنا۔ شادی کا لباس۔ جزیہ اور قیامت کی بحث۔ سب سے بڑا حکم۔ وہ کلام جو فریسیوں کے برخلاف مسیح کی زبان سے نکلا۔ وہ باتیں جو غضب سے علاقہ رکھتی ہیں۔ اور توڑوں کی تمثیل وغیرہ

لوقا ۲۰: ۲۲-۲۵
لوقا ۲۰: ۳۵ و ۳۶
لوقا ۱۱: ۴۲-۵۲

[متی] ۲۲: ۲۱
[متی] ۲۲: ۳۷ و ۳۸
[مقا]بلہ کرو متی ۲۳: ۲
[متی] ۲۵: ۳۴ و ۴۱

جسٹن نے عشائے ربانی کے متعلق جو بیان قلمبند کیا ہے وہ لوقا کے بیان سے مطابقت رکھتا ہے۔ عشائے ربانی کے بعد یسوع نے ایک گیت گایا۔ زاں بعد اپنے شاگردوں میں سے تین کو اپنے ساتھ زیتون کے پہاڑ پر لے گیا۔ اور وہاں جاکر جانکنی کی حالت میں مبتلا ہوا اور اُس کا پسینہ قطرات کی صورت میں بہنے اور زمین پر گرنے لگا اُس کے پکڑنے والے زبور ۲۲: ۱۱-۲۴ کے مضبوط بیلوں کی طرح اُس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اور کوئی اُس کی مدد کرنے کو موجود نہ تھا۔ کیونکہ اُسکے شاگردوں میں سے ایک ایک اُسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ مسیح فقیہوں اور فریسیوں کے سامنے لایا گیا اور پلاطوس کے حضور حاضر کیا گیا۔ پلاطوس کے سامنے جب پیشی ہوئی تو وہ چپ رہا جیساکہ زبور ۲۲: ۱۵ میں اس کی نبوت پائی جاتی ہے پلاطوس نے اُس کو گرفتار کر کے ہیرودیس کے پاس بھیج دیا۔

لوقا ۲۲: ۱۶ و ۲۰
لوقا ۲۲: ۴۲-۴۴
مقابلہ کرو لوقا ۲۲: ۶۶ سے
لوقا ۲۳: ۷

[متی] ۲۶: ۳۰
[متی] ۲۶: ۳۶ و ۳۷
[متی] ۲۶: ۵۶
[مق]ابلہ کرو متی ۲۶: ۵۷ سے
[م]قابلہ کرو متی ۲۷: ۱۱ سے
[مت]ی ۲۷: ۱۴

جسٹن صلیب کے متعلق کئی واقعات مفصل

بیان کرتا ہے۔ اور اُن کی تصدیق کے لئے وہ
پلاطوس کے اعمال کا حوالہ دیتا ہے۔ اور کئی جگہ
خاص کر یہ دکھاتا ہے کہ ۲۲ زبور کی باتیں پوری
(متی ۲۷: ۳۵) ہوگئی ہیں۔ وہ مسیح کے میخوں سے چھیدے جانے۔ (لوقا ۲۴: ۴۰)
(متی ۲۷: ۳۹) چٹھی ڈالنے۔ کپڑوں کے تقسیم ہونے۔ اور ٹھٹھے (لوقا ۲۳: ۳۴)
مارنے (اِن کا کسی قدر پھیلا کر بیان کرتا ہے) (لوقا ۲۳: ۳۵)
(متی ۲۷: ۴۲) اور یہ کہہ کر طعن کرنے کا ذکر کرتا ہے "وہ جو اوروں
کو زندہ کرتا تھا۔ اب اپنے تئیں بچائے"۔ اور اِسی طرح
(متی ۲۷: ۴۶) مسیح کے ان الفاظ کو قلمبند کرتا ہے "اے میرے
خدا۔ اے میرے خدا تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا"۔ اور
اُس کے آخری کلمات کو بھی۔ وہ یہ ہیں۔ اے باپ (لوقا ۲۳: ۴۶)
میں اپنی روح کو تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں۔
(متی ۲۷: ۵۷-۶۰) مسیح شام کے وقت دفن کیا گیا جبکہ اُس کے
(متی ۲۶: ۳۲-۳۶) شاگرد ذکریا ۳ : ۷ کے مطابق تتر بتر ہوگئے تھے
(مقابلہ کرو متی ۲۸: ۱) تیسرے دن جو آفتاب کا دن ہے۔ یا جو ہفتہ کا (لوقا ۲۴: ۲۱)
پہلا (یا آٹھواں) دن ہے مسیح مُردوں میں سے (مقابلہ کرو لوقا ۲۴: ۱)
جی اُٹھا۔ زاں بعد اُس نے اپنے شاگردوں کو بتایا
کہ میرے دُکھوں کی خبر نبوّت کے وسیلے پہلے سے
دی گئی تھی اِس پر وہ اُسے چھوڑنے کے سبب سے
پچھتائے۔ جب وہ اُن کو اپنا آخری حکم دے چکا
تو اُن کے دیکھتے دیکھتے آسمان پر اُٹھایا گیا۔ یوں وہ اُس پر (لوقا ۲۴: ۵۰)

ایمان لائے اور پہلے اُس سے قوّت پانے کے منتظر رہ کر آخرکار تمام دُنیا میں گئے اور خدا کے کلام کی منادی کرنے لگے۔ جسٹن بتاتا ہے کہ اب مسیحی لوگوں کو باپ۔ اور ہمارے خداوند یسُوع مسیح اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دیتے ہیں۔ وہ بتاتا ہے کہ یہودیوں نے یہ بات پھیلادی کہ یسُوع کا بدن اُس کے شاگرد قبر سے چُرا کرلے گئے اور اُنہوں نے لوگوں کو یہ کہہ کر دھوکا دیا کہ وہ مُردوں میں سے نہیں اُٹھا اور نہ آسمان پر گیا ہے ۔

متی ۲۸ : ۱۹
متی ۲۸:۱۲۔ ۱۵

. . . .

. . . .

جسٹن کی یہ غرض نہ تھی کہ وہ ہمارے خداوند کی زندگی کا حال سلسلے وار تحریر کرے۔ بلکہ اتفاقیہ طور پر اُس کی دونوں اپالوجیوں اور ڈائے لاگ وِدٹرفو میں مسیح کی زندگی کے حالات کے اشارے یا حوالے داخل ہو گئے۔ تاہم جب یہ حوالے جمع کئے جاتے ہیں تو ہمارے خداوند کی زندگی کے متعلق اُسکی پیدائش اور پیدائش کے بڑے بڑے واقعات کا ذکر آجاتا ہے اور یوحنّا سے بپتسمہ پانے اور یوحنّا کی منادی اور اُس کے قید ہونے اور مارے جانے کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح مسیح کی آزمائش۔ اُس کے معجزوں اور رسولوں کے چُنے جانے اور اُس کی بڑی بڑی تقریروں کا حال بھی کھل جاتا ہے۔ نیز عشائے ربّانی کا مقرّر کیا جانا۔ گتسمنے میں اُس پر جانکنی کا طاری ہونا۔ اُس کا صلیب پر چڑھنا اور مُردوں میں سے جی اُٹھنا بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

ہاں ان واقعات کا تذکرہ وہ اسی طرح تحریر کرتا ہے جیسا کہ ہمارے زمانے کے مصنف کر سکتے ہیں جو پہلی تین انجیلوں کو بخوبی جانتے ہیں۔ پس جس تاریخ سے جسٹن واقف تھا وہ وہی تاریخ ہے جس سے ہم واقف ہیں ۔

آپ نے مرقومہ بالا سطور کے ملاحظہ سے معلوم کیا ہوگا کہ اُن میں بہت تھوڑی باتیں ایسی ہیں جو ہماری چاروں انجیلوں میں سے کسی میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ اُن میں سے مسیح کے بپتسمہ کے وقت یردن پر آگ کا جلایا جانا اور آسمان سے ایک آواز کا آنا اور "یہ میرا پیارا بیٹا ہے اس سے میں خوش ہوں" کی بجائے یہ کہنا "تو میرا بیٹا ہے۔ میں آج کے دن تیرا باپ ہوا" ایسی باتیں ہیں جو متی اور لوقا کے بعض پرانے نسخوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور یہ بات کہ ہمارا خداوند بڑھئی کا کام کیا کرتا تھا اور ہل اور جوئے بنایا کرتا تھا روائت کے طور پر متداول ہوگی۔ اور اسی طرح یہ بات بھی روائت کے طور پر مروج ہوگی کہ جو مجوسی متی کے بیان کے مطابق پورب سے آئے وہ شاید عرب سے وارد ہوئے ہونگے۔ اور اُس کا یہ بیان کہ ہیرودیس نے بیت لحم کے تمام لڑکے مروا ڈالے اُس کے حافظے کی سہو پر دلالت کرتا ہے۔ غرضیکہ چند چھوٹے چھوٹے فقروں کو جن کا حل کرنا مشکل نہیں چھوڑ کر وہ تمام تذکرہ جو جسٹن نے رقم کیا ہے من وعن وہی بیان ہے جو ہماری انجیلوں میں درج ہے ۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جسٹن کی کتابوں میں کوئی ایسا حوالہ یا مقام نہیں پایا جاتا جو فقط یوحنا کی انجیل سے لیا گیا ہو۔ پر ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ "از سر نو پیدا ہونے" وغیرہ کا مقام یوحنا کی انجیل سے خاص ہے۔ اور اُس کی کتابوں میں کئی اور جگہیں بھی ہیں جو یوحنا کی انجیل کی طرف

اشارہ کرتی ہیں۔ اور سب سے بڑی دلیل اس بات کے ثبوت میں یہ ہے
کہ جسٹن کی کتابوں میں ازلی کلمے کے متعلق جو تعلیم مندرج ہے وہ وہی ہے
جو کہ یوحنا کی انجیل کے شروع میں پائی جاتی ہے ؀

اب خواہ نخواہ یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جسٹن کی کتابوں میں اس بات
کی پختہ شہادت پائی جاتی ہے کہ دوسری صدی کے وسط میں جو انجیلیں وہ
خود استعمال کیا کرتا تھا اور جو مسیحی جماعتوں میں پڑھی جاتی تھیں وہ وہی انجیلیں
تھیں جو اب ہمارے پاس موجود ہیں۔ پر اس نتیجے کی تائید ایک اور شہادت
سے بھی ہوتی ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ طاطیان جسٹن کا رفیق اور دوست
تھا۔ اور ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ طاطیان کی ڈیاٹسےران متی اور مرقس
اور لوقا اور یوحنا کی انجیلوں کی ترکیب سے تیار کی گئی تھی۔ اب کیا یہ ممکن ہے
کہ طاطیان نے جو کہ جان سے مارے جانے کے خطروں میں جسٹن کا شریک
تھا۔ اُن انجیلوں کو جنہیں جسٹن رسولوں اور رسولوں کے پیروؤں کی تصنیف
بتاتا ہے چھوڑ دیا اور اپنی تطبیق موسومہ ڈیاٹسےران کے مرتب کرنے
میں ایسی انجیلوں سے کام لیا جن کے بارے میں جسٹن کچھ نہیں جانتا تھا ؀

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ جن کتابوں کو جسٹن انجیل کہتا ہے
اور جن میں سے وہ اس کثرت سے اقتباس کرتا ہے وہ ۱۵۰ء میں ہر اتوار
کے روز اُس جگہ پڑھی جاتی تھیں جہاں مسیحی عبادت کے لئے جمع ہوتے تھے۔
اس وقت سے قریباً ۳۵ برس بعد آئرنی اس نے بڑی بڑی دلیلوں سے
اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انجیلیں شمار میں فقط چار ہونی
چاہئیں اور کیا معاون اور کیا مخالف سب لوگ اس کو مانتے ہیں کہ آئرنی اس
جن انجیلوں کو استعمال کیا کرتا تھا وہ یہی انجیلیں تھیں جو ہمارے ہاتھوں میں

ہیں۔ اب اگر وہ انجیلیں جو آئرنی اس استعمال کیا کرتا تھا جسٹن کی انجیلیں نہ تھیں تو پھر اس سوال کا جواب دینا چاہیئے کہ اُن انجیلوں کو جو جسٹن استعمال کیا کرتا تھا کیا ہو گیا؟ وہ انجیلیں جنہیں رسولوں اور اُن کے شاگردوں نے لکھا تھا کہاں چلی گئیں؟ اور یہ کس طرح ہوا کہ وہ جو پرانی اور زیادہ مستند کتابیں تھیں وہ گم ہوگئیں؟ اور کس طرح اُن کتابوں نے جو اُن کے بہت پیچھے تصنیف ہوئیں اور جو کم معتبر تھیں اُن کی جگہ لے لی؟ اور یہ کیونکر ہوا کہ اُن کتابوں کے ترک کئے جانے کا کوئی سراغ اور اُن سے پچھلی کتابوں کے قبول کئے جانے کا کوئی نشان۔ اور اس عجیب تبدیلی کے متعلق کسی طرح کی ناراضمندی کا کوئی اظہار اُن لوگوں کی کتابوں میں نہیں پایا جاتا جو اُس وقت موجود تھے جبکہ یہ تبدیلی وقوع میں آئی۔ ان سوالات کا جواب اَور بھی مشکل ہو جاتا ہے جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ وہ پرانی انجیلیں جنہیں جسٹن استعمال کیا کرتا تھا خفیہ کتابیں نہ تھیں جو فقط چند علما کے قبضے میں ہوتیں بلکہ وہ پبلک کتابیں تھیں جو ہر اتوار کو کلیسیا کی جماعتوں میں جابجا پڑھی جاتی تھیں۔ جسٹن کے اعتقاد کے مطابق اور اُس کے تمام معاصرین کے اعتقاد کے مطابق اُن کو رسولوں اور رسولوں کے پیرؤوں نے تحریر کیا تھا۔ پھر کس طرح کلیسیاؤں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ہمارے خداوند کی زندگی کے زیادہ معتبر اور زیادہ متبرک بیانات رد کئے جائیں اور اُن کی جگہ تازہ کتابیں جنہیں اَور لوگوں نے تصنیف کیا تھا رائج ہوں؟ کیا نئی کتابوں کے بارے میں کبھی کوئی شک اور کسی طرح کی ہچکچاہٹ برپا نہ ہوئی؟ کیا کبھی کسی بڑی اور قدیم کلیسیا نے جو رسولی روائتوں پر ناز کرتی تھی اِس تبدیلی پر مخالفت نہ کی؟ اگر نئی انجیلوں کی مخالفت کی گئی یا اِس بات پر بحث کی گئی کہ اُن کا حق نہیں کہ کلیسیا کی

محبت اور تعظیم پر کسی طرح کا دعوے کریں تو ہم پوچھتے ہیں کہ کس طرح اُس مخالفت اور بحث کا نام و نشان مٹ گیا؟ اور جس وقت جسٹن نے اپنی فرسٹ اپالوجی تحریر کی اُس وقت سے لیکر فقط چالیس برس کے اندر کس طرح نہ صرف یہ نئی انجیلیں جا بجا قبول کی گئیں۔ نہ فقط ہر کسی نے انہیں متی اور یوحنا مرقس اور لوقا کی تصنیف تسلیم کیا بلکہ سب نے اُن کو الہامی سمجھ کر اُنکی تعظیم کرنی شروع کی ؞

اگر کسی تواریخی گواہی میں فیصلہ کن طاقت پائی جاتی ہے تو یہ واجب التسلیم امر ہے کہ جسٹن کی انجیلیں وہی انجیلیں تھیں جو طاطیان اور طرطولین اور اسکندریہ کے کلیمنٹ کی انجیلیں تھیں۔ ہاں وہ ہی انجیلیں تھیں جن میں ہم نے خدا کی آواز کو سنا اور خدا کے جلال کو دیکھا ہے ؞

مارکیان (مارشین)

جسٹن شہید مارکیان کی بابت اپنی "فرسٹ اپالوجی" میں جو ۱۵۰ء میں لکھی گئی یوں تحریر کرتا ہے "مارکیان جو پنطس کا باشندہ ہے اب تک زندہ ہے اور اپنے شاگردوں کو کسی اَور خدا پر جو خالق موجودات سے بھی بڑا ہے ایمان لانے کی تعلیم دیتا ہے"۔ مارکیان بہت شاگرد رکھتا تھا چنانچہ جسٹن کہتا ہے "اُس نے ہر قوم کے بے شمار لوگوں سے کفر بکوایا ہے"۔ مارکیان بڑا سیاح بھی تھا۔ اُس کی بدعت نے دوسری صدی کے آخر میں ایک ہولناک صورت اختیار کی اور جا بجا پھیلنا شروع کیا۔ اور اتنی دیر تک جڑ پکڑے رہی کہ چوتھی صدی کے اختتام میں بھی

وہ اٹلی۔ مصر۔ فلسطین۔ عرب۔ آرام۔ کپرس اور فارس میں موجود تھی۔
لیکن مارکیان کی سیرت بے عیب اور اُس کا چلن تعریف کے لائق تھا۔ وہ بڑا پرہیز گار اور متقی شخص تھا۔ اور اُس کے پیرو بھی اُسی کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ چنانچہ وہ شراب اور گوشت کے نزدیک نہیں جاتے تھے اور مجرد زندگی کو شادی شدہ زندگی پر ترجیح دیتے تھے۔ اور طرطولین کی طرح وہ بھی ایذاؤں سے بچنے کو معیوب جانتے تھے۔ چنانچہ اُن میں سے بہت لوگوں نے مسیح کے لئے اپنی جانیں قربان کیں۔

مارکیان یہ تعلیم دیتا تھا کہ پُرانے عہدنامے کا خدا اُس خدا سے جو مسیح میں عیاں ہوا بالکل مختلف ہے۔ وہ کہتا تھا کہ پُرانے عہدنامے کا خدا بے شک عادل خدا ہے اور جو شریعت اُس نے بنی آدم کو عطا کی ہے وہ انصاف اور عدل پر مبنی ہے۔ پر وہ شریعت نہایت سخت ہے۔ اور اُس سے پُرانے عہدنامے کے خدا کی خصلت اور وہ اصول ظاہر ہوتا ہے جس کی بناء پر وہ خدا بنی آدم پر حکومت کرتا ہے۔ وہ اصول یہ ہے "آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت"۔ لیکن وہ شریعت جو مسیح کے وسیلے دُنیا میں آئی فضل اور رحم سے پُر ہے۔ اور وہ اِس اصول پر مبنی ہے کہ اگر کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے تو اُس کی طرف دوسرا گال بھی پھیر دے۔ اس شریعت سے مسیح کی رحیمانہ خصلت اور کریمانہ حکومت ظاہر ہوتی ہے۔

مارکیان کا یہ عقیدہ تھا کہ مادی دُنیا اور بنی نوع انسان کو اُس خدا نے خلق کیا ہے جس کی پرستش ابراہیم۔ اضحاق اور یعقوب کیا کرتے تھے اور جس کی حضوری اُن کی دہشت زدہ اولاد کو کوہ سینا پر بادلوں کی گرج۔

بجلی کی چمک - رعد کی کڑک - ہولناک آگ کے شعلے اور دھوئیں اور پہاڑ کی جنبش کے نظاروں میں دکھائی دی - یہی وہ خدا تھا جس نے اپنے نبیوں کے وسیلے یہودیوں کو سخت سخت سزاؤں سے دھمکایا - اِسی نے اُن کی نافرمانی سے تنگ آکر اُن کو اسیری میں بھیجا اور اُن کے ملک کو ویران کیا - پس یہ خدا عادل تو ہے مگر غفّار اور رحیم نہیں - پر اُن مصیبتوں اور تکلیفوں نے جو اب بنی آدم پر حادث ہوتی ہیں - اور اُس عذاب نے جو آئندہ اُن پر نازل ہوگا آخرکار خدائے تعالےٰ کے دل کو (یعنی اُس خدا کے دل کو جو مادّے کو خلق کرنے والے خدا سے علیٰحدہ ہے) موم کردیا - اِس میں شک نہیں کہ بنی آدم اپنے فعلوں کے سبب سے ہر قسم کی خرابی میں مبتلا تھے مگر تو بھی حق تعالےٰ کو اُن پر رحم آیا - اِس سے پیشتر ہزارہا سال سے اُس نے دُنیا اور انسان کو اُن کے خالق کے ہاتھ میں چھوڑ رکھا تھا - اور اِن دونوں میں سے کسی کے معاملات میں کبھی دست اندازی نہیں کرتا تھا - مگر آخرکار اُس کا دل پگھل گیا اور اُس نے خداوند یسوع مسیح کو بھیجا تاکہ اُن کو اُس خدا کے ہاتھ سے نجات دے جو عادل تو ہے مگر رحم نہیں رکھتا - مارکیان کا یہی عقیدہ تھا - پس اُس کی رائے میں ہمارا خداوند یہودی نبوّت کا مسیح نہ تھا - بلکہ ایک اَور ہی قسم کا مسیح تھا اور بالکل مختلف کام کے واسطے آیا تھا - اُسے دُنیا کے خالق نے اِس لئے نہیں بھیجا تھا کہ وہ آکر اُس کی برگزیدہ قوم کو دُنیوی شان و شوکت سے مالامال فرمائے - بلکہ اُسے خدائے تعالےٰ نے بھیجا تھا تاکہ بنی آدم کو اُن مصائب اور آلام سے رہائی دے جو اُنکے خالق کی طرف سے باقتضائے انصاف اُن پر نازل ہو رہی تھیں ۔

مارکیان کے خیال کے مطابق پہلے رسولوں نے خداوند مسیح کے

آنے کا اصل مقصد نہ سمجھا۔ پر ہم اُس کے اِس دعوے کو نہیں مان سکتے کیونکہ وہ تو اُس کے ساتھ ہر وقت رہتے اور اُس کی باتیں سُنا کرتے تھے۔ اور جس بات کو وہ نہیں سمجھتے تھے وہ اُس کا مطلب اُن کو سمجھا دیا کرتا تھا۔ سُنئے۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیح یہودیوں کے قدیم نوشتوں کو قبول کرتا تھا۔ اور شریعت اور نبیوں کی نبوّتوں کو پُورا کرنے آیا تھا۔ وہ بتاتے ہیں کہ مسیح نے ہم کو اُسی خدا کا جسے ابراہیم اور اضحاق اور یعقوب مانتے تھے کامل مکاشفہ عطا فرمایا اور کہ وہی وہ مسیح موعود تھا جس کی انتظاری قوم یہود صدیوں سے کر رہی تھی۔ جب وہ رسولوں کے ساتھ رہتا تھا تب بھی وہ یہی عقیدہ رکھتے تھے اور جب وہ اُن سے رخصت ہو گیا تب بھی اُنہوں نے اِسی عقیدے کی خاطر اپنی جانوں کو معرض خطر میں ڈالا۔ مگر مارکیان کہتا ہے کہ یہ عقیدہ درست نہیں اور اِسی سبب سے اُس نے پہلے رسولوں اور اُن کے شاگردوں کی بات کو ردّ کر دیا۔ اُسکے نزدیک نہ اُن کے خطوط اور نہ اُن کی انجیلیں کسی مصرف کی تھیں۔ کیونکہ وہ خیال کرتا تھا کہ وہ آخر تک یہودیوں کے خدا کی (اُسے خدائے تعالےٰ سمجھ کر) پرستش کرتے رہے اور یسوع کو یہودیوں کا مسیح سمجھتے رہے۔ پس وہ اُس کے خیال میں کبھی مسیحی نہیں ہوئے تھے بلکہ آخر تک یہودی رہے تھے۔

مگر چونکہ سب یہودی اور بہت سے یہودی مسیحی پولوس کو نفرت سے دیکھتے تھے کیونکہ وہ اُسے اپنے دین اور اپنی قوم کا دشمن اور اپنی متبرک روایات سے باغی اور اپنے دائمی حقوق اور عظیم اُمیدوں کا مخالف سمجھتے تھے۔ اور چونکہ پولوس اور پطرس میں ایک مرتبہ بعض یہودی رسوم کے متعلق ناچاقی بھی ہو گئی تھی۔ اس لئے مارکیان کے نزدیک پولوس

ہی اکیلا وہ شخص تھا جس نے مسیح کے مطلب کو بخوبی سمجھا۔ اور وہ نکتہ دریافت کیا جو پہلے رسولوں سے چھپا رہا یعنی اُسی نے وہ گہرا فرق جو پُرانے اور نئے مذہب میں پایا جاتا ہے معلوم کیا۔

بہ سبب ان خیالات کے مارکیان نے اپنے لئے کُتب مقدسہ کا ایک نیا مجموعہ (یعنی کینن آف سکرپچر) تیار کیا جس میں تمطاؤس اور طیطس کے خطوط کو چھوڑ کر پولوس کے باقی دس خط اور ایک انجیل شامل تھی اور وہ لوقا کی انجیل تھی۔

لیکن پولوس کے خطوط بھی اُس مسئلہ کے ساتھ جو مارکیان ذات باری کے متعلق مانے بیٹھا تھا پوری پوری مطابقت نہ رکھتے تھے۔ لہذا اُس کو اُنہیں بھی کسی قدر کاٹنا چھانٹنا پڑا۔ چنانچہ گلاتیوں کے خط میں سے اُس نے ذیل کے مقامات اُڑا دئے " پس جان لو کہ جو ایمان والے ہیں وہی ابراہیم کے فرزند ہیں۔" (گلاتی ۳: ۷) " تاکہ مسیح یسوع کے سبب سے ابراہیم کی برکت غیر قوموں تک بھی پہنچے۔" (گلاتی ۳: ۱۴) " پس ابراہیم اور اُس کی نسل سے وعدے کئے گئے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ تیری نسلوں کو جیسا بہتوں کے واسطے کہا جاتا ہے۔ بلکہ جیسا ایک کے واسطے کہ تیری نسل کو۔ اور وہ مسیح ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جس عہد کی خدا نے پہلے سے تصدیق کی تھی اُس کو شریعت چار سو تیس برس کے بعد آکر باطل نہیں کر سکتی کہ وہ وعدہ لا حاصل ہو۔ کیونکہ اگر ورثہ شریعت کے سبب سے ملتا ہے تو وعدے کے سبب سے نہ ہوا۔ مگر ابراہیم کو خدا نے وعدے ہی کے سبب سے بخشا۔" (گلاتی ۳: ۱۶-۱۸)

پر اگر مارکیان اِس سے بھی زیادہ جُرأت کے ساتھ کاٹ چھانٹ

کرتا اور کئی اور مقامات بھی نکال دیتا تو تو بھی پولوس کے خطوں سے اُس تعظیم کو خارج نہ کرسکتا جو اُن میں اُس مکاشفے کے متعلق پائی جاتی ہے جو خدا نے یہودیوں کو عطا فرمایا تھا۔ پس رسولی عقیدے کے پیرو اِنہیں کتابوں کی بِنا پر جو اُس نے کاٹ چھانٹ کر قبول کی تھیں اُس کی بدعت پر حملہ کرتے رہے۔

اب جس طرح اُس نے پولوس کے خطوط میں سے بعض مقامات کو نکال ڈالا اُسی طرح لوقا کی انجیل سے بھی کئی مقامات اُڑا دئے۔ وہ خیال کرتا تھا کہ مسیح ہماری طرح جسم اور خون کے ساتھ عورت سے پیدا نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اُس میں کوئی ایسی شئے پائی جائے جو دُنیا اور انسان کے خالق کی خلق کی ہوئی ہو۔ پس وہ انجیل جو اُس نے اپنے لئے تیار کی خداوند مسیح کے کام کے آغاز سے شروع ہوتی تھی اور اِس طرح شروع ہوتی تھی "تبریس کے پندرھویں سال میں خدا گلیل کے شہر کفرناحوم میں آیا اور سبت کے روز تعلیم دینے لگا"۔ لوقا کی انجیل کے چند پہلے باب جن میں یسوع کی پیدائش اور نسب نامے اور بپتسمے اور آزمائش کا ذکر آتا ہے اُس نے اپنی انجیل میں سے نکال ڈالے۔ آخری ابواب میں سے بھی بہت سی باتیں اُڑا دیں۔

اب قبل اِس کے کہ ہم لوقا کی انجیل کی قدامت کے بارے میں کوئی دلیل مارکیان کی اُس انجیل سے جو وہ استعمال کیا کرتا تھا اخذ کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دو سوالوں پر غور کیا جائے۔ اُن میں سے ایک یہ ہے (۱) کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ مارکیان کی انجیل اور لوقا کی انجیل دو جُدا جُدا کتابیں ہیں اور کہ جو مطابقت اُن میں پائی جاتی ہے اُس کی وجہ

یہ ہے کہ اِن دونوں (یعنی مارکیان اور لوقا) نے کسی اَور کتاب سے اپنی کتابیں تیار کیں؟ (۲) اور اگر یہ دونوں کتابیں جُدا جُدا نہیں ہیں تو کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم مارکیان کی انجیل کو لوقا کی بہ نسبت زیادہ قدیم انجیل تصوّر کریں اور یہ نہ کہیں کہ وہ لوقا کی ترمیم و تبدیل سے تیار کی گئی ہے؟ اب اگر ہم یہ دعوے مان لیں تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مارکیان نے لوقا میں سے کئی مقامات نکال ڈالے۔ بلکہ ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ بعد میں لوقا کی انجیل میں کئی مقامات درج کئے گئے۔ اب ہم اِن سوالوں پر جُدا جُدا غور کرینگے۔ اوّل۔ کیا یہ دونوں انجیلیں یعنی لوقا اور مارکیان کی انجیلیں جُدا جُدا انجیلیں تھیں؟ ہم کہتے ہیں کہ نہیں۔ یہ دعوے ناممکن ہے۔ مفصلۂ ذیل باتیں ہمارے دعوے کی تائید کرتی ہیں:۔

(۱) ہم اِس لئے اُن کو دو جُدا جُدا کتابیں نہیں مانتے کہ مارکیان کی انجیل میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو لوقا میں نہ ہو۔ جو باتیں زائد معلوم ہوتی ہیں وہ بہت ہی تھوڑی ہیں۔ یا یُوں کہیں کہ وہ تعداد میں ۳۰ الفاظ سے زیادہ نہیں اور وہ بھی کسی اَور ہی سند پر مبنی ہیں۔ اِن تیس الفاظ۔ اور بعض فقرات کی چند تبدیلیوں کو چھوڑ کر مارکیان کی انجیل لوقا کی انجیل سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہے بلکہ اُسے اُس کا خلاصہ یا انتخاب کہہ سکتے ہیں۔

(۲) جس ترتیب سے لوقا واقعات کو رقم کرتا ہے وہ ترتیب متی اور مرقس کی ترتیب سے بالکل مختلف ہے۔ مگر مارکیان لوقا کی ترتیب کی پیروی کرتا ہے۔ مارکیان کی انجیل کے پہلے باب کے ملاحظہ سے البتّہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں کسی قدر مداخلت کی گئی ہے اور کہ واقعات از سرِ نو مرتب کئے گئے ہیں تاہم مضامین وہی ہیں جو تیسری انجیل میں

پائے جاتے ہیں۔ اس حصے کے بعد دونوں انجیلیں قدم بقدم آگے بڑھتی ہیں اور سوائے اُن مقاموں کے جو خارج کئے گئے ہیں یا اُس مقام کے جو ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ رکھا گیا ہے (اور وہ ۴ : ۲۷ ہے جو ۱۷ : ۱۸ کی جگہ رکھا گیا ہے) اور کسی طرح کا فرق اُن میں نہیں پایا جاتا۔ ۳۵ فصلوں میں سے جو ۴ : ۱۶ سے آگے آتی ہیں اور لوقا کی انجیل کے ساتھ خاص ہیں سوائے ۸ کے باقی سب مارکیان کی کتاب میں پائی جاتی ہیں۔ اور اُسی ترتیب سے پائی جاتی ہیں جس ترتیب سے لوقا کی انجیل میں قلمبند ہیں۔ اگرچہ لوقا کی انجیل کی ساخت بڑی بکھری ہے تاہم یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اُس کے تمام پیچ در پیچ طریقے اُس کی نقل (مارکیان کی انجیل) میں موجود ہیں۔ جہاں لوقا اپنے بیان میں کوئی بات داخل کرتا ہے وہاں مارکیان کی انجیل میں بھی وہی بات داخل ہے اور جہاں لوقا کسی واقعہ کے بیان میں سے کوئی حصہ چھوڑ دیتا ہے وہاں مارکیان کی انجیل بھی اُسے چھوڑ دیتی ہے لوقا کی انجیل کے وسط میں (یعنی ۹ : ۵۱ سے ۱۸ : ۱۴ تک) ہمارے خداوند کی تقریریں بلا قید ترتیب وقت کے درج ہیں۔ مارکیان کی انجیل کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی تقریریں اُس میں بھی درج ہیں اور جس طرح لوقا ترتیب وقت کا لحاظ نہیں کرتا اُسی طرح وہ انجیل بھی نہیں کرتی۔ اگر کوئی فرق نظر آتا ہے تو یہ ہے کہ ۳۸۰ آئت کے کل ٹوٹل میں سے ۵۱ آیات خارج کر دی گئی ہیں ٭

(۳) پھر ہم دیکھتے ہیں کہ لوقا کی انجیل میں بعض نام ایسے آتے ہیں جو دوسری انجیلوں میں نہیں پائے جاتے۔ مثلاً یوانا۔ سوزانہ۔ کلیوفس اور زکی۔ اب یہ بات توجہ طلب ہے کہ نہ صرف وہ فصلیں جو اِن ناموں

سے علاقہ رکھتی ہیں مارکیان کی انجیل میں موجود ہیں بلکہ وہ اُنہیں جگہوں
میں آتی ہیں جہاں لوقا کی انجیل میں درج ہیں ؎

(۴) اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ پہلی تینوں انجیلیں
ہمارے خداوند کی تقریروں اور کاموں کے مواقع اور حالات کے قلمبند کرنے
میں ہمیشہ متفق نظر نہیں آتی ہیں۔ مثلاً یہ الفاظ "تم جانتے ہو کہ غیر قوموں
کے سردار اُن پر حکومت چلاتے اور امیر اُن پر اختیار جتاتے ہیں۔ تم میں
ایسا نہ ہوگا۔ بلکہ جو تم میں بڑا ہونا چاہے وہ تمہارا خادم بنے۔ اور جو تم میں
اوّل ہونا چاہے وہ تمہارا غلام بنے۔" متی اور مرقس کے بیان کے مطابق
یریحو کے نزدیک ہمارے خداوند کی زبان سے نکلے اور اُس وقت جبکہ
خداوند مصلوب ہونے کے لئے یروشلم کی جانب جا رہا تھا۔ اور اُن کی غرض
یہ تھی کہ خداوند اُن کے وسیلے اُس غصہ کو دور کرے جس سے رسول اُس وقت
بھرے ہوئے تھے جس وقت اُنہوں نے یعقوب اور یوحنا یا اُن کی ماں
کی وہ درخواست سُنی جس میں اُس نے خداوند سے اپنے بیٹوں کی نسبت
یہ عرض کی تھی کہ خداوند کی بادشاہت میں اُس کے فرزندوں میں سے
ایک اُس کی دہنی طرف اور دوسرا اُس کی بائیں جانب بیٹھے۔ مگر لوقا کے
بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ آخری فسح کے موقع پر کہے
گئے تھے۔ اب اسی طرح کے اور فرق بھی تینوں انجیلوں میں پائے جاتے
ہیں جن کی تطبیق بہت مشکل ہے۔ پر یہ تعجب کی بات ہے کہ جہاں لوقا
اور دیگر دونوں انجیل نویسوں میں فرق پایا جاتا ہے وہاں مارکیان بھی اُن
سے مطابقت نہیں رکھتا ؎

(۵) پھر جہاں لوقا متی اور مرقس سے جُدا ہو کر بیان کا کچھ حصہ

چھوڑ دیتا ہے وہاں مارکیان کی انجیل بھی اُس حصے کو چھوڑ دیتی ہے ۔

(۶) لوقا کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی جگہ ایک بات کو رقم کردیتا ہے تو پھر دوبارہ اُسی قسم کی بات کو لکھنے سے اجتناب کرتا ہے۔ یہی خصوصیت مارکیان کی انجیل میں بھی پائی جاتی ہے اور پھر اُنہیں واقعات کے متعلق جن کے متعلق لوقا اپنے اس خاصہ کو ظاہر کرتا ہے ۔

اب خواہ نخواہ یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ہم کو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑیگی۔ یا تو ہم کو یہ ماننا پڑیگا۔ کہ مارکیان کی انجیل موجودہ لوقا کی انجیل کا انتخاب ہے۔ یا یہ کہ لوقا کی انجیل اصل میں مارکیان کی انجیل سے لی گئی تھی اور بعد میں اور مقامات اُس میں شامل کئے گئے تھے۔ مگر دونوں کتابیں علیحدہ علیحدہ کتابیں نہیں ہیں ۔

اب دوسرا سوال غور طلب یہ ہے کہ اگر لوقا کی انجیل اور مارکیان کی انجیل دو علیحدہ کتابیں نہیں ہیں تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اُن میں سے مارکیان کی انجیل قدیم تر ہو۔ اب اگر یہ دعوےٰ درست ہو تو اُس حالت میں وہ مقامات جو لوقا کی انجیل میں درج ہیں اور مارکیان میں نہیں وہ لوقا میں بعد میں بڑھائے گئے۔ پر ہم کہتے ہیں کہ یہ دعوےٰ بھی لغو ہے ۔

(۱) یہ ہم جانتے ہیں کہ مارکیان نے پولوس کے خطوط میں ردّوبدل کی۔ کیا لوقا کی انجیل میں ردّ وبدل کرنا اُس کے لئے مشکل کام تھا؟ جو مقامات اُس نے گلاتیوں کے خط سے نکال ڈالے وہ اُس کے اس عقیدے سے موافقت نہیں رکھتے تھے کہ جس خدا نے دُنیا کو پیدا کیا ہے۔ جو ابراہیم اور اضحاق اور یعقوب کا خدا ہے۔ جو یہودی زبور نویسوں اور نبیوں کا خدا ہے وہ وہی خدا نہیں جس نے یسوع مسیح کو بنی نوع انسان

کی نجات کے لئے اِس دُنیا میں بھیجا ہے۔ پر ہم دیکھتے ہیں کہ لوقا کی انجیل کے پہلے چند باب بھی جو مارکیان کی انجیل میں نہیں پائے جاتے اِس مسئلے کے برخلاف ہیں۔ پس ہم کو پورا یقین ہے کہ جن وجوہات سے اُس نے گلاتیوں کے مقامات کو خارج کیا اُن ہی وجوہات کے باعث اُس نے لوقا کی انجیل میں بھی ترمیم وتبدیل کی۔

(۲) پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جن مقامات کو وہ اپنی انجیل میں درج نہیں کرتا اُن کی نسبت ایسے صاف اور فیصلہ کن نشانات موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ خارج کردہ شدہ مقامات بھی اُسی مصنّف کی تحریریں جس کے قلم نے اُس کی انجیل کا باقیماندہ حصّہ لکھا۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ جو مقامات اُس نے درج نہیں کئے وہ لوقا کی انجیل میں درج ہیں۔ پر جو مقامات اُس کی انجیل میں مندرج ہیں اُن میں اور اُن مقامات میں جو اُسی مضمون کے لوقا کی انجیل میں درج ہیں عبارت کی خصوصیات کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں پایا جاتا۔ اب جب اُن مقامات کا جو اُس نے اپنی انجیل سے خارج کردئے ہیں امتحان کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُنہیں بھی اُسی مصنّف نے لکھا ہے جس نے اُس کی انجیل کو اور لوقا کے اُن مقامات کو جو اُس کی انجیل سے مشابہت رکھتے ہیں تحریر کیا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اصل کتاب وہ ہے جس میں وہ مقامات محفوظ ہیں جنہیں مارکیان نے اپنی کتاب سے خارج کردیا ہے۔ لوقا کی عبارت دوسری انجیلوں اور نئے عہدنامے کی دیگر کتابوں کی عبارت سے بوجہ چند در چند خصوصیات کے بالکل مختلف ہے۔ مثلاً اُسکی انجیل میں کئی ایسے الفاظ بہ کثرت آتے ہیں جو نئے عہدنامے کی دیگر کتابوں میں اوّل تو آتے ہی نہیں اور اگر آتے ہیں تو بہت ہی کم آتے ہیں۔ لوقا ایسے جملے اور

محاورات استعمال کرتا اور ایسے طور پر الفاظ کو جملوں میں بٹھاتا ہے کہ یہ سب باتیں اُسکے طرز تحریر سے خاص ہیں۔ چنانچہ وہ متعلقاتِ فعل اور حروف جار اور ضمائر اور بعض افعال کو ایسے ڈھنگ سے استعمال کرتا ہے کہ ویسے ڈھنگ سے اور مصنّف نہیں کرتے۔ البتّہ اِن باتوں کو عام پڑھنے والے دریافت نہیں کرسکتے کیونکہ اُن سے واقف ہونے کے لئے بڑی محنت اور امتحان کی ضرورت ہے۔ پر جب نظرِ تعمّق سے دیکھا جاتا ہے تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ جو مقامات مارکیان نے ردّ کردئے ہیں وہ طرز عبارت میں لوقا کی انجیل اور اعمال کی کتاب (اور یہ بھی لوقا کی لکھی ہوئی ہے) سے پوری پوری مشابہت رکھتے ہیں۔ اب لوقا کی انجیل میں ۳۰۹ ایسی آیات پائی جاتی ہیں جو مارکیان کی کتاب میں نہیں ملتی ہیں۔ اور اِن آیات کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوقا کی طرز عبارت کی ۱۱۱ خصوصیتیں اُن میں موجود ہیں۔ اور وہ ۱۸۵ مختلف مقاموں میں نظر آتی ہیں۔ اور اِسی طرح اُس کے خاص الفاظ میں سے ۱۳۸ اِن آیات میں پائی جاتی ہیں اور اور ۲۲۴ مختلف مقاموں میں استعمال ہوئی ہیں۔ دوسری صورت میں یوں کہیں کہ لوقا کی عبارت کی خصوصیتوں میں سے جو اُن مقامات میں سے ہویدا ہیں جو مارکیان نے ترک کردئے ہیں ان ۳۰۹ آیتوں میں ہر آیت پیچھے ایک ایک خصوصیت بلکہ اس سے بھی زیادہ موجود ہے۔

انگریزوں میں تین نثار بڑے مشہور گزرے ہیں اوّل ڈاکٹر جانسن دوم گبن سوم فراوڈ (Dr. Jhonson, Gibbon, Froude) اب ممکن ہے کہ کوئی شخص جو مضمون نویسی میں ماہر ہے ایسی عبارت تحریر کرے جو ڈاکٹر جانسن کی عبارت سمجھی جائے

لیکن کوئی ایسی آسانی سے چھ پیرے گراف بھی ایسے نہیں لکھ سکتا جو گبن کے سمجھے جائیں اور اِس سے بھی زیادہ مشکل یہ ہے کہ کوئی شخص ایسی عبارت تحریر کرے جو روانی اور صفائی اور خوبصورتی کے لحاظ سے مسٹر فراوڈ کی سمجھی جائے۔ پس اگر کوئی شخص یہ کوشش کرتا کہ میں ایسی عبارت لکھوں جو قواعد اور طرز بیان میں بعینہٖ ایسی ہو جیسی اُن مقامات کی جو مارکیان کی انجیل میں نہیں ملتے۔ تو اِس میں کامیاب ہونے کے لئے ایسی حکمت کی ضرورت ہوتی جو قوّتِ اعجاز سے پُر ہوتی۔ پس کوئی وجہ ایسی نہیں جس کی بنا پر یہ فرض کیا جائے کہ دوسری صدی کے وسط میں علمانے لوقا کی انجیل یا نئے عہد نامے کی کسی اور کتاب کو ایسے طور پر آزمایا یا امتحان کیا جیسا کہ زمانۂ حال کے جرمن اور انگلش علمانے کیا ہے۔ اور اگر اِس قسم کے امتحان سے لوقا کی عبارت کی خصوصیتیں دریافت نہیں کی گئیں تو پھر مشکل بلکہ محال ہے کہ کوئی اور شخص اپنے ہنر سے لوقا کی اُن خصوصیات کے پیدا کرنے میں کامیاب ہوتا جو کہ اُن مقاموں میں روز روشن کی طرح چمکتی ہیں جو مارکیان کی انجیل سے خارج کئے گئے ہیں۔ اب کونسا نتیجہ قبول کرنے کے زیادہ لائق معلوم ہوتا ہے؟ کیا یہ کہ کسی نامعلوم شخص نے دوسری صدی میں علمی معجزہ کر دکھایا؟ یا یہ کہ جس نے پولوس کے خطوط میں ردّ و بدل کی اُسی نے لوقا کی انجیل میں سے بھی کئی مقام نکال دئے۔ پس نتیجہ صاف ہے اور وہ یہ کہ لوقا کی انجیل قدیم تر کتاب ہے اور مارکیان نے اُسے گھٹا بڑھا کر اپنی مرضی کے مطابق بنا لیا ؛

جسٹن کی گواہی کے مطابق ۱۵۰ء میں مارکیان کے کئی پیرو

بن گئے تھے اور اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ کئی سالوں سے تعلیم دے رہا تھا۔ اور عموماً سب لوگ متفق ہیں کہ ۳۹ ۱۶ سے ۴۲ ۶ تک وہ رومؔ میں اپنی بدعتیں سکھاتا رہا۔ پر جس وقت اُس نے رسولی عقیدے پر حملہ کرنا شروع کیا ہوگا اُسی وقت اُس نے یہ ضرورت بھی محسوس کی ہوگی کہ میرے شاگردوں کے لئے خداوند کی زندگی کا کوئی نہ کوئی تواریخی احوال ضروری ہے۔ پس اغلب ہے کہ اُس کی انجیل ۱۴۰ ۶ میں یا اس سے بھی پہلے تیار کی گئی ہو اور چونکہ اُس کی انجیل لوقا کی انجیل کا اختصار ہے لہذا لوقا کی انجیل اُس سے بھی پہلے لکھی گئی ہوگی ؁

اب رہا یہ سؤال کہ لوقا کی انجیل کتنا عرصہ پیشتر لکھی گئی۔ پروفیسر سنڈے صاحب (Sanday) نے اِس سؤال کا عجیب جواب دیا ہے۔ ذیل کی سطور سے اُس جواب کا مطلب کھل جائیگا۔ آپ جانتے ہیں کہ چھاپہ خانہ کے ایجاد سے پہلے کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔ اب اگر کسی کتاب کے نقل کرنے میں کوئی کاتب بعض غلطیاں کرتا ہوگا تو وہی غلطیاں اُن دوسرے کاتبوں کے نسخوں میں نمودار ہوتی ہونگی جو اُس کی نقل سے نقل کرتے ہونگے اور علاوہ اُن پہلی غلطیوں کے اور نئی غلطیاں بھی وقوع میں آتی ہونگی جو اِن دوسرے کاتبوں سے سرزد ہوئی ہونگی۔ اب فرض کیجئے کہ اِس طرح ایک اور کاتب اُسی پہلے نسخے سے نقل کرتا ہے وہ اَور ہی غلطیاں کرتا ہے۔ اب جب اَور کاتب اُس کی نقل سے نقل کرینگے تو اُن کی لکھی ہوئی کتابوں میں اِس دوسرے کاتب کی غلطیاں بھی موجود ہونگی اور ماسوائے اُن کے وہ بھی جو اُن کاتبوں نے کی ہونگی گھس آئینگی۔ اور یہی بات تیسرے اور چوتھے اور پانچویں کاتب

نقل کے متعلق واقع ہوگی ؛
مختلف قرأتوں کا امتحان اور مقابلہ کرنا۔ اور نئے عہد نامے کے
اقتباسوں کو جو قدیم مسیحی مصنفوں کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں لینا
ان کو بھی معیار امتحان سے پرکھنا اور انکا مقابلہ کرنا اُن لوگوں کا کام ہے
نئے عہد نامے کے نسخوں کے کری ٹی سزم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ پر جب
طرح نسخوں اور اقتباسوں کا امتحان اور مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم
جاتا ہے کہ قدیم مسیحی مصنفوں نے کونسی قرأت استعمال کی اور اس کا
نتیجہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات پورے پورے طور پر اور بعض اوقات قریباً
طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ کون سے نسخے اور کون سی قرأتیں زیادہ
یا پرانی ہیں۔ یا یوں کہیں کہ وہ اس طریقہ سے ہر قرأت کے حسب ونسب
اُس کی تاریخ سے بخوبی واقف ہوجاتے ہیں ؛
اب پروفسر سنڈے صاحب جن کا کلام اس بحث میں سند سمجھا جاتا
کہتے ہیں کہ "اگر مارکیان کی انجیل اُسی نسخے سے لی گئی ہے جس میں
لوقا کی انجیل شامل تھی تو نہ صرف یہ بات ثابت ہے کہ ہماری
اُس وقت موجود تھی بلکہ یہ بھی کہ مدت سے موجود تھی" ؛
"سنہ ۱۴۰ء میں مارکیان کے پاس ایک انجیل نظر آتی ہے جو بار بار
ہوچکی ہے۔ اُس میں نہ صرف وہی تبدیلیاں آئی ہیں جو لاطینی زبان
ترجمہ ہونے سے پہلے وارد ہوئیں بلکہ اَور قسم کی تبدیلیاں بھی وارد
چکی ہیں"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوقا کی انجیل قبل اس کے کہ وہ
صورت میں آئی جس صورت میں اُسے مارکیان نے استعمال کیا۔
کاتبوں کے ہاتھ سے نکل چکی ہوگی۔ پروفسر سنڈے صاحب فرماتے

ہیں کہ زمین کی قدامت کی کوئی عینی شہادت ہمارے پاس موجود نہیں ہے مگر جیالوجسٹ (یعنی وہ جو طبقات الارض سے بخوبی واقف ہے) پہلے زمانوں کی باقیماندہ اشیاء کو دیکھکر جن کو وہ زمین کے طبقات میں گندھی ہوئی پاتے ہیں زمین کی قدامت کے متعلق اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔ اسی طرح مارکیان کی انجیل میں وہ باقیماندہ نشانات موجود ہیں جو حقیقت شناس آنکھ کے سامنے اپنا قصہ آپ بیان کرتے ہیں۔ اور وہ قصہ یہ ہے کہ مارکیان کی انجیل لوقا کی انجیل سے انتخاب کی گئی ہے لیکن لوقا کی انجیل کا وہ نسخہ جو مارکیان نے استعمال کیا (یہ دلیل پروفیسر سنڈے کی ہے) پہلے موجود تھا اور جن نسخوں سے وہ نقل کیا گیا وہ نسخے اصل نسخہ سے بہت متفرق ہو گئے تھے۔ پس ثابت ہے کہ لوقا کی انجیل ۱۴۰ء سے بہت عرصہ پیشتر لکھی گئی تھی۔

اب محض وہی لوگ جنہوں نے پرانے نسخوں کے کری ٹی سزم (علم تنقید) کا مطالعہ کیا ہے اس قسم کی شہادت کا فیصلہ کر سکتے ہیں جس طرح کہ فقط جیالوجسٹ ہی اُس شہادت پر رائے زنی کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں جو علم جیالوجی سے زمین کی قدامت کے بارے میں دستیاب ہوتی ہے۔ بیشمار لوگ اُس شہادت کو جو جیالوجی زمین کی قدامت پر دیتی ہے عالموں کی سند کے زور پر قبول کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ہمارا فرض ہے کہ لوقا کی انجیل کی قدامت کی شہادت کو کریٹکل اسکالرز (وہ عالم جو نکتہ چینی اور تنقید کے ہر پہلو سے واقف ہیں) کی گواہی کے سبب سے قبول کریں اور پروفیسر سنڈے کی گواہی اس خصوص میں بڑی وزندار ہے۔

ہم نے کہا کہ مارکیان کی انجیل میں لوقا کی انجیل کے چند پہلے باب

درج نہیں ہیں۔ شائد بعض لوگ یہ خیال کریں کہ لوقاؔ کی انجیل کے پہلے باب میں تواریخی بیان قلمبند نہیں بلکہ قیاسی اور وہمی قصے درج ہیں۔ کیونکہ اُن میں فرشتوں کے نمودار ہونے کا ذکر پایا جاتا ہے اور وہ نبوّتیں مندرج ہیں جو یوحنّا بپتسمہ دینے والے کے باپ ذکریاہ اور یسُوعؔ کی ماں مریمؔ اور بڈھے شمعونؔ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ یہ بھی کہیں کہ لوقاؔ کی انجیل کا باقیماندہ حصہ ہمارے خداوند کی تاریخ اور تعلیم کا مستند بیان ہو تو ہو مگر اس انجیل کے پہلے ابواب ضرور اُن قصوں سے مشتمل ہیں جو یا تو بعد میں خود بخود پیدا ہو گئے تھے یا کسی مصنّف نے قصداً گھڑ لئے تھے۔

پر ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ پہلے اُن کا امتحان کریں اور پھر یہ سوال کریں کہ کیا دوسری صدی کے وسط میں اس قسم کے مضامین مسیحی مصنّف گھڑ سکتے تھے؟ اور اس کے ساتھ یہ بھی پوچھیں کہ اگر بفرضِ محال مسیحی الہانیاں گھڑی بھی جاتیں تو کیا وہ یہ صورت اختیار کر سکتی تھیں؟ ہم جب ان بابوں کو پڑھتے ہیں تو ہمیں اُن میں خداوند مسیح کی ذات کا وہ جلال نظر نہیں آتا جو اُس کے آسمان پر چڑھ جانے کے بعد نمایاں ہوا۔ ذکریاہ کو جو خبر اُس کے بیٹے کی دی گئی کہ وہ نجات دہندے کا پیشرو ہوگا اور خداوند کے لئے ایک گروہ تیار کریگا۔ اُس میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جو یہودی اُمید اور نبوّت کے حدود سے باہر اور بالا ہو۔ پھر بھی یہودی خصوصیتیں اس پیغام میں بھی دکھائی دیتی ہیں جو فرشتے کی معرفت مریمؔ کو اُس کے فرزند کے متعلق پہنچایا گیا۔ اور نہ ذکریاہ اور مریمؔ کے گیتوں میں وہ جلال چمکتا ہے جو رسولوں کے خطوط میں مسیح

کے جی اُٹھنے کے بعد دکھائی دیا۔ اس میں شک نہیں کہ ذکریاہ نے روح القدس سے بھر کر نبوّت کی لیکن اُس کی نبوّت فقط ایک ایسے دیندار یہودی کی نبوّت تھی جس نے یہ محسوس کیا کہ جب مسیح آجائیگا تو خدا کا وہ وعدہ پورا ہوگا جو اُس نے ابراہیم کے ساتھ کیا ہے۔ اور داؤد کا تخت پھر بحال کیا جائیگا اور یہودی قوم اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے رہائی پائیگی۔ البتہ اُس کی نبوّت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اُن خارجی اور قومی رہائیوں کے ساتھ اخلاقی اور دینی اصلاحیں بھی واقع ہونگی۔ مگر باوجود اس کے اُس کی نبوّت اور مضمون اور طرز کے لحاظ سے بالکل یہودی نبوّت ہے۔ اور اسی طرح شمعون کی شکرگزاری بھی جس میں مسیح "غیر قوموں پر سے پردہ اُٹھانے والا نور" اور خدا کی "اُمت اسرائیل کا جلال" بتایا گیا ہے اپنی خاصیت میں بالکل یہودی ہے۔ اُس میں بھی بعض بعض قدیم یہودی نبوّتوں کی آواز گونج رہی ہے۔ لیکن اُس نئی روح کا جلوہ اور اُن نئے خیالات کی جھلک نظر نہیں آتی جو انجیل کے آنے سے پیدا ہوئے۔

اب اگر یہ دعوےٰ کیا جائے کہ مارکیان کی انجیل قدیم انجیل ہے اور لوقا کی انجیل میں جو باب شروع میں آتے ہیں وہ بعد میں داخل کئے گئے تھے تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ جو گیت اور نبوّتیں اور مسیح کی پیدائش کی خبریں لوقا کی انجیل کے شروع میں درج ہیں وہ ایک ایسے مسیحی مصنف نے تصنیف کیں جس نے بڑی حکمت سے دوسری صدی کی مسیحی خاصیتوں اور نئی تاثیروں کو اُن بیانات سے الگ رکھا اور کوئی ایسا عنصر اُن میں داخل ہونے نہ دیا جس سے اُن میں اور یہودیوں کی نبوّتوں

میں فرق ظاہر ہوتا۔ اب کیا یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے؟ کیا
اُسکے لیئے یہ نیچرل نہ تھا کہ جب فرشتہ یوحنّا کی پیدائش کی خبر ذکریاہ کو اور
مسیح کی پیدائش کی خبر مریم کو دینے آئے تو اُس کے مُنہ سے مسیح کے
اُس عجیب جلال کی خبر دلوائے جو اُس کے جی اُٹھنے کے بعد کلیسیا پر
جلوہ گر ہوا۔ کیا اُس کے لیئے یہ فرض کرنا ناممکن تھا کہ جب ذکریاہ اور
شمعون اور مریم روح القدس سے بھر گئے تو اُنہوں نے خدا کے بیٹے
کا ایسا جلال دیکھا جیسا پُرانے یہودی نبیوں میں سے کسی نے کبھی
نہیں دیکھا تھا۔

اگر وہ اُس کے جلال کی ایسی تصویر کھینچتا تو کوئی اُس کو کچھ نہ کہتا۔
پس ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کے اعلےٰ خیالات کا ان بابوں میں نہ ملنا
ان کی تواریخی سچائی کی پختہ دلیل ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اُس نے اس
قسم کے خیالات کو نظر انداز کرنا مناسب سمجھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ
اُس زمانے میں ایسا کرنا اُس شخص کے لیئے جو اپنی قوت متخیلہ کے وسیلے
یہ سوچ رہا تھا کہ فرشتے کا کیا پیغام لکھوں اور دیندار لوگوں کی زبان سے
جنہیں روح القدس سے بھرپور ثابت کرنا چاہتا ہوں کیا کلمات نکلواؤں
ناممکن تھا۔ ہم کو پورا یقین ہے کہ اگر وہ شخص دیدہ و دانستہ مسیح کی اُن
جلالی خوبیوں کو جو دوسری صدی میں کلیسیا کے ورثہ میں آچکی تھیں نظر انداز
کرنا چاہتا تو کبھی نہ کر سکتا۔

پس فرشتے کا پیغام اور وہ گیت اور وہ نبوتیں جو لوقا کے پہلے دو
بابوں میں درج ہیں وہ لوقا کے بیان کی تواریخی سچائی کی تائید کرتی ہیں
اور چونکہ مسیح کے پیدا ہونے کے وقت اُس کی شخصیت اور ذات کا وہ

مکاشفہ نہیں بخشا گیا تھا جو اُس کے جی اُٹھنے کے بعد اُسکے رسولوں کے وسیلے عطا ہوا۔ اس لئے نہ فرشتے کے پیغاموں میں اور نہ دینداروں کے گیتوں اور نبوتوں میں اُس کی خبر پائی جاتی ہے۔ جو واقعات اُن ابواب میں مندرج ہیں اُن میں اور الہامی مکاشفہ کی اُس منزل میں جہاں الہٰی مکاشفہ اُس وقت تک پہنچ گیا تھا جو مطابقت پائی جاتی ہے وہ نہ کسی انسانی حکمت سے اور نہ اتفاق سے پیدا ہو سکتی تھی۔ پس ہماری رائے میں یہی نتیجہ درست ہے کہ لکھنے والے نے جو کچھ فی الواقع گزرا تھا اُس کا کل حال اُنہیں لوگوں سے سُنا تھا جن کے الفاظ اُس نے قلمبند کئے ؛

پےپئس

پے پئس جس کی گواہی ہم اس وقت پیش کرنے لگے ہیں ایک ایسا شخص تھا جو خداوند مسیح کے دو شاگردوں سے جو اُس کے زمانے میں زندہ تھے گہری واقفیت رکھتا تھا۔ اور رسولوں کے کئی دوستوں کو بخوبی جانتا تھا۔ شائد یہ خیال ہمارے دل میں کبھی نہیں آتا کہ پطرس اور یعقوب اور یُوحنّا اور اندریاس اور فیلبوس اور متّی جیسے رسول بھی اپنے اپنے دوست رکھتے تھے۔ اور اس کا یہ سبب ہے کہ اُن کے دوستوں کے نام اور احوال کا تذکرہ انجیلوں میں نہیں پایا جاتا۔ پر یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح ہر شخص اس دُنیا میں کوئی نہ کوئی دوست رکھتا ہے جس کی صحبت اور سنگت سے محظوظ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ رسول بھی دوست رکھتے تھے۔ اور اُن کے یہاں جا کر رہتے اور اُن کے دسترخوانوں پر

بیٹھکر کھانا کھایا کرتے تھے - اُن کے بچوں کو اپنی گود میں لے کر کھلاتے اور اُن کے لئے دُعائیں مانگا کرتے تھے - اُن کی تکلیفوں اور بیماریوں کو دیکھکر آبدیدہ اور اُن کی اقبالمندی اور راحت سے شاد ہوا کرتے تھے - وہ انہیں خداوند کی تقریروں اور معجزوں کا حال سُنایا اور خداوند کی ماں مریم اور لعاذر اور مارتھا اور مریم کی سرگزشت بتایا کرتے تھے - وہ اُنکے سامنے اُس ڈراؤنی رات کی ہیبت ناک حالت کا نقشہ کھینچ دیتے ہونگے جس میں خداوند پکڑوایا گیا اور اسی طرح اُس دہشت ناک تاریکی کی بھی تصویر کھینچ دیتے ہونگے جو مسیح کے مصلوب ہوتے وقت دُنیا پر چھا گئی - وہ اُن کو بتاتے ہونگے کہ جس صبح کو ہمیں یہ خبر ملی کہ خداوند جی اُٹھا ہے ہمارے دل کی عجیب حالت تھی - کبھی ہم اس خبر سے تعجب کرتے تھے اور کبھی ہمارے دل میں شک پیدا ہوتا تھا - پر جب شام کے وقت وہ ہم کو دکھائی دیا تو ایسی خوشی ہوئی جس کا بیان نہیں ہو سکتا ⁂

اگر ہم میں سے کوئی شخص فلسطین جا کر یروشلم اور کوہ زیتون بیت عنیا اور بیت لحم - یعقوب کے کنوئیں اور جھیل گنیسرت کو دیکھتا ہے اور واپس آکر ہم کو اُن کی بابت کچھ بتاتا ہے تو ہمیں بڑی حیرت آتی ہے - کیونکہ ہمارے خیال میں یہ مقدس مقامات ایسی دُنیا سے علاقہ رکھتے ہیں جہاں عام لوگوں کا گزر نہیں ہو سکتا - انگلستان اور امریکہ اور دیگر ممالک زیادہ نزدیک معلوم ہوتے ہیں مگر فلسطین اور وہ متبرک مقامات جو ہمارے خداوند کی زندگی سے وابستہ ہیں ایسے معلوم ہوتے جہاں پہنچ نہیں سکتا - کچھ اسی قسم کا خیال ہمارا رسولوں کی نسبت ہے - ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ وہ خداوند مسیح کے شاگرد تھے - اُس کے ساتھ رہا کرتے

تھے۔ اُس کے نام کی منادی کیا کرتے تھے۔ اور اُن لوگوں سے جنکے نام اعمال کی کتاب اور خطوط میں پائے جاتے ہیں واقف تھے۔ پر یہ کم سوچتے ہیں کہ اُن کا تعلق اور لوگوں سے بھی تھا۔ کہ پولوس فلپی اور تسلونیقی اور گلاتیہ اور کارنتھ اور افسس اور روم میں کئی دوست رکھتا تھا جو اُس کے فوت ہونے کے بیس یا تیس بلکہ پچاس سال بعد تک اُس کا اور اُس کی تعلیم کا حال اَوروں کو سُناتے رہے۔ اور اسی طرح دیگر رسول بھی دُنیا کے کئی حصّوں میں بہت سے دوست رکھتے تھے جو انکی وفات کے بعد مدّت تک خداوند کا وہی حال جو اُنہوں نے اُن سے سُنا تھا لوگوں کو سُناتے اور رسولی تعلیم کا خلاصہ ہزاروں اشخاص کو بتلاتے رہے۔ اب پے پیئس اسی قسم کے لوگوں میں سے تھا۔ وہ رسولوں کے کئی دوستوں سے واقف تھا۔ اور کم از کم دو ایسے شخصوں کو جانتا تھا جنہوں نے خود خداوند مسیح کو دیکھا اور اُس کا کلام معجز نظام سُنا تھا ۔

پے پیئس دوسری صدی کے پہلے نصف حصّے میں ملک فرگیہ کے مشہور شہر ہیراپولس میں اُسقف کا کام کیا کرتا تھا۔ ہیراپولس لادوقیہ کے شمال کی جانب چند میل اور شہر افسس سے قریباً سو میل مشرق کی طرف واقع تھا۔ شروع سے یہاں ایک کلیسیا قائم تھی جس کا ذکر پولوس رسول کلسیوں کے خط میں کرتا ہے۔ (کلسیوں ۴: ۱۳) وہ غالباً کسی وقت ۶۰ء اور ۷۰ء کے درمیان پیدا ہوا۔ اور اُس کی کتاب۔ جو "خداوند کے کلام کی تفسیر" کہلاتی ہے غالباً ۱۳۵ء میں شائع ہوئی ۔ اس شخص کو ان لوگوں سے جو رسولوں سے واقف تھے۔ ملنے جُلنے کا اچھّا موقع حاصل تھا۔ کیونکہ یُوحنّا رسول ۷۰ء سے یعنی یروشلم کے

تباہ ہونے سے لیکر پہلی صدی کے خاتمے تک یا یوں کہیں کہ تیس سال تک ایشیائے کوچک میں رہا۔ اس عرصہ میں افسس اور سمرنا اور لادوقیہ اور ہراپولس اور دیگر مقامات کی کلیسیاؤں کے کئی خادمانِ دین اور شرکاء نے اُس سے واقفیت پیدا کی ہوگی۔ وہ زیادہ تر افسس میں رہا۔ وہیں جاں بحق ہوا اور وہیں گاڑا گیا۔ یوسیبیئس کے زمانے میں شہر افسس کے اندر ایک قبر موجود تھی جو یوحنا کی سمجھی جاتی تھی۔ مسیحی اُس کو بڑی محبت اور تعظیم سے دیکھا کرتے تھے۔

ایک معتبر روائت سے معلوم ہوتا ہے کہ اندریاس بھی یوحنا کے ساتھ ایشیائے کوچک کو گیا۔ آپ کو یاد ہے کہ یوحنا اور اندریاس یوحنا بپتسمہ دینے والے کے پہلے شاگردوں میں شامل تھے۔ اور کہ جس وقت اُس نے یسوع کی نسبت یہ گواہی دی "دیکھو خدا کا برّہ جو جہان کے گناہ اُٹھالے جاتا ہے"۔ اُس وقت وہ اُس کے ساتھ یردن کے کنارے پر موجود تھے۔ اور اُس دن کا باقیماندہ حصہ اُنھوں نے خداوند کے ساتھ کاٹا۔ اور اُس کی پیروی اختیار کی۔ جب تک وہ اس دُنیا میں رہے تب تک ان دنوں کی یاد کے سبب محبت کے بند سے جکڑے رہے۔

رسول فیلبوس جو اندریاس کا دوست تھا ہراپولس میں آکر مقیم ہوا۔ پےپیئس فیلبوس کی دو بیٹیوں کو جانتا تھا۔ اور خداوند اور اُس کے رسولوں کا جو حال اُس نے اُن سے سُنا اُسے اپنی تفسیر میں داخل کیا۔ یوسیبیئس اُسے "عجیب بیان" کہتا ہے۔ ہراپولس کی کلیسیا کے عمر رسیدہ شرکاء میں سے کئی ایسے بزرگ اس وقت زندہ ہونگے جو فیلبوس رسول کو اچھی طرح جانتے تھے۔ ان کے سوائے پےپیئس اور کئی لوگوں سے

ملاقی ہوا جو اور رسولوں سے واقف تھے ؛

اُس نے اپنی کتاب "خداوند کے کلام کی تفسیر" میں اُن بیانات کو جو اُس نے رسولوں کے دوستوں سے سُنے تھے داخل کیا۔ چنانچہ وہ ایک خط میں جو غالباً اُس دوست کی طرف تحریر کیا گیا تھا جس کو یہ کتاب نذر کی گئی اس طرح لکھتا ہے:۔

"میں اپنی تشریحوں کے ساتھ ساتھ اُن باتوں کو بھی بے ہچکچائے داخل کرتا ہوں۔ جو میں نے گزشتہ زمانے میں بزرگوں سے بڑی خبرداری کے ساتھ سُنیں اور اپنے حافظے میں محفوظ رکھیں۔ وہ بزرگ اُنکی صداقت کا ذمہ لیتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ مجھے جب کبھی کوئی ایسا شخص ملتا تھا جو بزرگوں کا پیرو ہوتا تھا تو میں اُسی سے بزرگوں کی تقریروں کی بابت دریافت کرتا تھا۔ چنانچہ میں پوچھا کرتا تھا کہ اندریاس یا پطرس یا فیلبوس یا توما یا یعقوب یا یوحنا یا متی یا خداوند کے دیگر شاگرد کیا کہا کرتے تھے اور خداوند کے شاگرد ارسٹن اور بزرگ یوحنا کیا کہتے ہیں۔ اور میں ایسا اس لئے کیا کرتا تھا کہ میں خیال کرتا تھا کہ میں کتابوں کے مضامین سے اتنا فائدہ نہیں اُٹھا سکتا جتنا زندہ لوگوں کی آواز سے ؛

اب الفاظ مرقومہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ پپیس نے اپنی کتاب "خداوند کے کلام کی تفسیر" کے تیار کرنے میں کونسا طریقہ اختیار کیا۔ افسوس ہے کہ وہ کتاب گم ہوگئی ہے مگر اُس کے ٹکڑے یوسیبیس اور ائرنی اُس کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور وہ جو یوسیبیس کی کتاب میں درج ہیں نہائت قیمتی ہیں۔ سب سے جدید سُراغ جو اس کتاب کی نسبت ہم کو ملتا ہے یہ ہے کہ اُس کا نام اُن کتابوں کی فہرست

ہیں درج ہے جو نسمینر کے کتھیڈرل (بڑے گرجے) سے علاقہ رکھتی تھیں۔ وہ فہرست ۱۲۱۸ء میں تیار کی گئی تھی۔ ناممکن نہیں کہ جس طرح افرائیم کے لکچر اور ڈیاٹے ٹے سے ران بہت مدت تک غائب رہ کر پھر دستیاب ہو گئے اسی طرح یہ کتاب بھی مل جائے۔ اور اگر یہ کتاب کبھی مل گئی تو افرائیم کے لکچروں اور ڈیاٹے ٹے سے ران سے بھی زیادہ مفید ثابت ہو گی ٭

واضح ہو کہ ارسٹن اور بزرگ یوحنّا کی طرف جو اشارہ اُس نے کیا ہے وہ بہت صاف نہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ جس جملہ میں وہ پایا جاتا ہے وہ بہت بھدّا ہے۔ چنانچہ اُس سے یہ خیال گزرتا ہے کہ جس طرح اُس نے اُن باتوں کو جو رسولوں نے بیان کی تھیں رسولوں کے دوستوں سے سُنا تھا اُسی طرح اُن باتوں کو جو مسیح کے شاگردوں ارسٹن اور بزرگ یوحنّا نے بیان کی تھیں اُن کے دوستوں سے سُنا۔ پر اُس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے وہ یہ کہتا ہے کہ میں جو کچھ رسولوں کے دوستوں سے رسولوں کی باتوں کے متعلق سُنا کرتا تھا اُس پر دھیان لگایا کرتا تھا۔ اور جب یہ کہہ چکتا ہے تو ارسٹن اور یوحنّا بزرگ کی طرف آتا ہے اور ماضی کی جگہ فعل حال استعمال کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ جس طرح میں نے رسولوں کے دوستوں کی باتوں کو پرکھا اُسی طرح اُن باتوں کو پرکھتا ہوں جو ارسٹن اور یوحنّا بزرگ بتاتے ہیں جو کہ مسیح کے شاگرد ہیں۔ یوسیبئس جو پے پیئس کی پوری کتاب اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا بتاتا ہے کہ پے پیئس ارسٹن اور بزرگ یوحنّا سے شخصی طور پر واقف تھا۔ لہذا اس بات کا محتاج نہ تھا کہ اُن کے دوستوں

سے اُن کی باتوں کا حال دریافت کرے۔

پس ذیل کی باتیں صاف ظاہر ہیں (۱) پےپیئس کئی لوگوں کو جو رسولوں کے واقف تھے جانتا تھا۔ (۲) وہ دو لڑکیوں کو جانتا تھا جو فیلبوس رسول کی بیٹیاں تھیں۔ (۳) وہ ایسے آدمیوں کو جانتا تھا جو خود مسیح کے شاگرد تھے۔ (۴) اُس نے بڑی کوشش کی کہ وہ ان لوگوں سے وہ باتیں جو وہ مسیح کی بابت بتا سکتے تھے سُنے اور اسی طرح یہ بھی دریافت کرے کہ رسولوں نے مسیح کی بابت کیا کہا ہے۔ (۵) جو کچھ اُس نے اس طرح دریافت کیا اُسے اپنی تفسیر میں داخل کیا۔ اب یہ ممکن ہے کہ وہ ان باتوں کے جانچنے اور پرکھنے میں پوری پوری لیاقت نہ رکھتا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کئی روائتیں جو وہ مسیح کی نسبت بیان کرتا ہے وہی نقص رکھتی ہوں جو اُسی قسم کی دیگر روائتوں میں موجود ہیں۔ تاہم اُسکی گواہی سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ پہلی تین انجیلیں اصلی ہیں۔

ہم نے اوپر ذکر کیا کہ اُس نے ایک کتاب تحریر کی جس کا نام "خداوند کے کلام کی تفسیر" رکھا۔ اب سوال برپا ہوتا ہے کہ اس سے اُس کا کیا مطلب تھا؟ اُس کا مطلب اُس بیان سے جو وہ مرقس کی انجیل کے متعلق تحریر کرتا ہے بخوبی کُھل جاتا ہے۔ اُس کا ایک ٹکڑا یہ ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"چونکہ مرقس پطرس کا مترجم تھا اس لئے اُس نے وہ سب باتیں جو اُس کو اچھی طرح یاد تھیں رقم کیں۔ تاہم جو کچھ مسیح نے کہا یا کیا تھا اُس کو بالترتیب قلمبند نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نہ اُس نے خداوند کو کلام کرتے سُنا تھا اور نہ اُس کے ساتھ رہا تھا۔ پر بعد میں

جیسا میں اوپر بتا چکا ہوں اُس کو پطرس کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور پطرس لوگوں کی ضرورتوں کے مطابق تعلیم دیا کرتا تھا کیونکہ اُس کا یہ منشا نہ تھا کہ خداوند کے کلام (یعنی تقریروں) کا مسلسل بیان قلم کرے"

مگر اِس مقام کے آخری حصّہ کے متعلّق یونانی نسخوں میں مختلف الفاظ پائے جاتے ہیں۔ کسی نسخے میں "خداوند کا کلام" کسی میں "خداوند کے الفاظ" اور کسی میں "خداوند کی تقریریں" آیا ہے۔ مگر زمانۂ حال کے ایک عالمِ اجل نے (مُراد لائٹ فٹ صاحب سے ہے) یہ فیصلہ کیا ہے کہ لفظ "Oracles" کلمے صحیح ہے۔ اب اگر یہ قرأت صحیح ہے تو پے پیئس مرقس کی انجیل کو "خداوند کے کلمے (کلام) یا Oracles بتاتا ہے"۔ اور جو کتاب اُس نے لکھی تھی وہ خداوند کے Oracles کی تفسیر تھی جس میں خداوند کے اقوال و افعال دونوں شامل ہیں۔ لفظ انجیل ابھی استعمال میں نہیں آیا تھا +

پے پیئس کی کتاب خداوند مسیح کی زندگی کا ایک علیحدہ احوال نہ تھی۔ بلکہ خداوند کے کلام کی ایک تفسیر تھی۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اُس نے اپنی تشریحوں کے ساتھ ساتھ وہ باتیں بھی درج کی ہونگی جو رسولوں نے ہمارے خداوند اور اُس کی تعلیم کی بابت بیان فرمائیں۔ پے پیئس نے فیلبوس کی لڑکیوں سے وہ باتیں سُنی ہونگی جو اُن کے باپ نے اُن کو خداوند کی بابت بتائی ہونگی اور اگر پے پیئس کی کھوئی ہوئی کتاب کسی طرح مل جائے تو ہم ضرور اُس میں اُس عجیب سوال کی شرح پائیں جو خداوند نے اُس کی طرف مخاطب ہو کر کیا تھا۔ "اے

فیلبوس میں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہوں کیا تو مجھے نہیں جانتا۔۔۔ تو کیونکر کہتا ہے کہ باپ کو ہمیں دکھا؟" اور اس شرح سے معلوم ہو جائے کہ وہ کیا نکتہ تھا جس کے سبب سے خداوند خاص کر اس لئے متعجب ہوا کہ فیلبوس نے میرے الٰہی جلال کو نہ پہچانا۔ ہاں اس سے ظاہر ہو جائے کہ اگر متی یا کوئی اور رسول اُس کے الٰہی جلال کے محسوس کرنے میں قاصر نکلتا تو اتنا تعجب نہ ہوتا جتنا فیلبوس کی درخواست سے ہوا +

اب ہم پھر اُس بیان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو پے پیئس نے مرقس کی انجیل کے متعلق تحریر کیا ہے۔ اور اس جگہ اُس تمام مقام کو جو یوسیبئس کی کتاب میں نقل ہے درج کرتے ہیں :-

"پرسبٹر نے یہ بھی کہا ہے کہ چونکہ مرقس پطرس کا مترجم تھا۔ اس لئے اُس نے وہ سب باتیں جو اُس کو اچھی طرح یاد تھیں رقم کیں تاہم جو کچھ مسیح نے کہا یا کیا تھا اُس کو بالترتیب قلمبند نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نہ اُس نے خداوند کو کلام کرتے سُنا تھا اور نہ خود اُس کے ساتھ رہا تھا۔ پر بعد میں جیسا میں اوپر بتا چکا ہوں اُس کو پطرس کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔ اور پطرس لوگوں کی ضرورتوں کے مطابق تعلیم دیا کرتا تھا کیونکہ اُس کا یہ منشا نہ تھا کہ خداوند کے کلام (یعنی تقریروں) کا مسلسل بیان رقم کرے۔ پس جب مرقس نے وہ باتیں جو اُسے یاد تھیں رقم کیں تو اُس نے کوئی غلطی نہ کی۔ کیونکہ اُس نے بڑی احتیاط سے کام لیا تا کہ جو کچھ اُس نے سُنا تھا اُس میں سے کوئی بات نہ چھوٹے اور نہ کوئی بات زائد اُس میں داخل کی جائے +

ہم پھر کہتے ہیں کہ پے پیئس کی گواہی کے وزن اور زور کو محسوس

کرنے کے لیئے یہ یاد رکھنا ضروری امر ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے بخوبی واقف تھا جو ان سات رسولوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ یا یوں کہیں کہ وہ یوحنا۔ متی۔ اندریاس۔ پطرس۔ فیلبوس۔ توما اور یعقوب کے شاگرد تھے۔ پے پیئس ان شاگردوں سے واقف تھا۔ اور علاوہ بریں فیلبوس کی دو بیٹیوں کو جانتا تھا جو اُسی کلیسیا سے علاقہ رکھتی تھیں جس کا وہ اُسقف تھا۔ اور ماسوائے ان کے دو ایسے شخصوں کو بھی جانتا تھا جو خود خداوند مسیح کے شاگرد تھے۔ وہ ان سب لوگوں کو جانتا تھا اور اُن سے خداوند کے کام اور کلام کی بابت خوب دریافت کیا کرتا تھا۔ اور وہ اُسے بتایا کرتے تھے کہ خداوند نے یہ یہ معجزے دکھائے یہ یہ باتیں بیان فرمائیں۔ پس وہ بڑی تحقیق کے بعد مرقس کی انجیل کی اصلیت اور صحت کو قبول کرتا اور مذکورۃ الصدر گواہی اُس پر دیتا ہے اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر پطرس مرقس کی انجیل کے مضامین سے مختلف مضامین کی منادی کرتا تو کیا ممکن ہے کہ پے پیئس مرقس کی انجیل کو صحیح مانتا؟ فیلبوس رسول کی دو بیٹیاں اُسی شہر میں رہتی تھیں جس میں وہ رہا کرتا تھا۔ اور اُسی کلیسیا سے علاقہ رکھتی تھیں جس کا وہ اُسقف تھا۔ اگر ان لڑکیوں نے اپنے باپ سے مرقس کی انجیل کے واقعات سے مختلف قسم کے واقعات کا تذکرہ سُنا ہوا ہوتا تو پے پیئس یہ کب کہہ سکتا کہ "مرقس نے کوئی غلطی نہ کی" ارسٹن اور پرسبٹر یوحنا جو مسیحیوں کی پہلی پُشت سے علاقہ رکھتے تھے اب تک زندہ تھے۔ وہ خداوند مسیح کے شاگرد تھے۔ پے پیئس خداوند کی نسبت اُن سے بھی باتیں کیا کرتا تھا۔ اگر وہ اُن کی باتوں اور مرقس کے بیان میں یگانگت نہ دیکھتا تو مرقس

کی انجیل کو بلا حجّت قبول کر لیتا؟ ہرگز نہیں ؛

پےپیئس ہم کو متی کی انجیل کی بابت بھی کچھ بتاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے :-

"پس متی نے خداوند کے کلام کو عبرانی میں لکھا۔ اور ہر شخص جس طرح اُس سے ہو سکتا تھا اُس کی تشریح کیا کرتا تھا" ؛

متی کی انجیل پر بھی وہ سب باتیں جو ہم مرقس کی انجیل کی نسبت اوپر رقم کر چکے ہیں صادق آتی ہیں۔ مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ شخص جو سات رسولوں کے شاگردوں اور ایک رسول کی دو بیٹیوں اور مسیح کے دو شاگردوں سے واقف تھا۔ کس طرح متی کو قبول کرتا اگر اِس انجیل کے بیانات اُن باتوں کی مخالفت کرتے جو وہ ان زندہ گواہوں سے سُنا کرتا تھا ؛

پر جو مقام پےپیئس کی کتاب سے اقتباس کئے گئے ہیں اُنکی شہادت کا زور اِس بات میں نہیں کہ اُن کے وسیلے پےپیئس کی شخصی رائے معلوم ہو جاتی ہے اُن کی خوبی اور زور کو اگر ہم پورے پورے طور پر محسوس کرنا چاہیں تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس وقت رسولوں کے دوست اور شاگرد اور بیٹے اور بیٹیاں موجود تھے۔ اور کئی ایسے لوگ بھی زندہ تھے جنہوں نے خداوند کو بچشمِ خود دیکھا اور اُس کے مبارک کلام کو سُنا تھا اُس وقت ہماری پہلی دو انجیلیں مُروّج تھیں اور کہ لوگوں نے اُنہیں اِنہیں بزرگوں کی صلاح سے قبول کیا۔ کہ رسولوں کے دوستوں اور شاگردوں نے اُنہیں اس واسطے قبول کیا کہ جو باتیں اُنہوں نے رسولوں سے سُنی تھیں وہی اُن میں قلمبند پائیں اور رسولوں کے بیٹے اور بیٹیوں

نے اس واسطے قبول کیا کہ جو کچھ اُنہوں نے اپنے باپوں سے سُنا تھا
وہی ان کتابوں میں لکھا ہوا دیکھا اور کہ اُن لوگوں نے بھی جنہوں نے مسیح
کو دیکھا اور اُس کی تقریروں کو سُنا تھا ان کو قبول کیا کیونکہ مسیح کے معجزات
جو اُنہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھے اور اُس کی باتیں جو اُنہوں نے اپنے
کانوں سے سُنی تھیں یا جن معجزوں اور تقریروں کا ذکر مسیح کے ساتھ
رہنے والے لوگوں سے سُنا تھا اُنہیں کا بیان یا خلاصہ اِن کتابوں میں
پایا۔ پس سب سے بڑی بات جو ہمیں یاد رکھنی چاہیئے یہ ہے کہ جب
رسولوں کے دوست اور شاگرد اور فرزند موجود تھے اُس وقت یہ دو کتابیں
مروّج تھیں اور ان لوگوں نے اُنہیں خداوند یسوع مسیح کے کام اور کلام
کا صحیح بیان تسلیم کیا۔ اگر ہم کسی طرح پے پیئس کے زمانے میں داخل
ہو جائیں تو ہم دیکھینگے کہ اُس زمانہ کے لوگ ان انجیلوں کی طرف
اشارہ کر کے کہہ رہے ہیں کہ ان کتابوں میں ہمارے خداوند کے باقدرت
کام اور پُرفضل کلام کا وہی بیان قلمبند ہے جو اُن لوگوں نے بیان کیا
جو اپنی آنکھوں سے دیکھنے اور کلام کی خدمت کرنے والے تھے۔ ہماری
رائے میں یہ گواہی کافی ووافی ہے۔ ہم اس کے زور کے قائل ہیں
کیونکہ ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ متّی اور مرقس کی انجیل میں وہی
واقعات وہی تقریریں۔ وہی نصیحتیں اور وہی وعدے درج ہیں
جن کی منادی رسول کیا کرتے تھے۔

مگر معترض کوئی نہ کوئی اعتراض ڈھونڈ ہی لیتے ہیں چنانچہ وہ
کہتے ہیں کہ جس مرقس کی انجیل کا ذکر پے پیئس کرتا ہے وہ گم ہو گئی
ہے اور جو اَب ہمارے پاس موجود ہے وہ ایک اَور ہی کتاب ہے

جس نے اصل مرقس کی جگہ لے لی ہے۔ پس وہ کہتے ہیں کہ اگر مرقس کی اصل انجیل ہمارے پاس موجود ہوتی تو ہم رائے دے سکتے کہ مسیح نے کیا کیا اور کیا کہا۔ اب معترض یہ اعتراض تو کرتے ہیں پر ہم کو یہ نہیں بتاتے کہ مرقس کی اصل انجیل جسے پےپیس استعمال کرتا تھا کس طرح گم ہوئی اور کب گم ہوئی۔

البتہ وہ اُس کے گُم ہو جانے کے ثبوت میں چند دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ مرقس کی انجیل جو اس زمانے میں موجود ہے اُن دلچسپ واقعات کا ذکر نہیں کرتی جو پطرس کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں لہذا وہ ایسے شخص کی لکھی ہوئی نہیں جو اُس کی زندگی سے واقف تھا یا جس نے اپنی کتاب کے مضامین اُس کی تقریروں سے جمع کئے تھے۔ پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ موجودہ مرقس کے ملاحظہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح متی اور لوقا کسی نہ کسی ترتیب کے پابند ہیں اُسی طرح مرقس بھی اپنی کتاب کے تحریر کرنے میں ترتیب کا پابند ہے۔ حالانکہ پےپیس جس مرقس کی انجیل کو استعمال کیا کرتا تھا اُس کی نسبت جیسا کہ بیان مذکورۂ بالا سے معلوم ہوتا ہے پےپیس کی یہ رائے تھی کہ وہ مسیح کے کام اور کلام کا تذکرہ سلسلے یا ترتیب کے مطابق نہیں کرتی تھی اسی طرح یہ خیال بھی بطور حجت پیش کیا جاتا ہے کہ پےپیس والی انجیل میں موجودہ مرقس کے مقابلے میں انجیل کے فقط چند واقعات مندرج تھے۔

ان اعتراضوں سے جو نتیجہ نکلتا ہے ہم اُس پر تو بخوبی غور کرینگے پر ان اعتراضوں کی نسبت بہت کچھ کہنا نہیں چاہتے کیونکہ اس کی

ضرورت نہیں تاہم اتنا بتادینا چاہتے ہیں کہ یہ بات بڑی عجیب یا
حیرت میں ڈالنے والی نہیں کہ جس شخص نے پطرس کی تقریروں سے
اپنی کتاب کے مضامین جمع کئے ہیں وہ اُس کی اُن باتوں کو جن سے
اُس کی بزرگی یا کمزوری ٹپکتی ہے اپنی انجیل میں داخل نہیں کرتا۔
بلکہ ہمیں صاف معلوم ہوتا ہے کہ پطرس اپنی منادی میں اپنے ذاتی
اور شخصی معاملات کو بہت جگہ نہیں دیتا ہوگا۔ اور جو اعتراض ترتیب
کے متعلق کیا جاتا ہے اُس کی نسبت بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ پپے پیئس
کا یہ مطلب نہ تھا کہ مرقس نے کسی طرح کی ترتیب اختیار نہ کی۔ اُس کا مطلب
فقط یہ تھا کہ جو واقعات مرقس کی انجیل میں مندرج ہیں اُنہیں مسیح
کی زندگی کا ایسا مسلسل بیان نہیں کہنا چاہیئے جس میں واقعات
ترتیب وقت کے مطابق رقم ہیں۔ اور جب ہم موجودہ مرقس کو دیکھتے
ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ اُس کی ترتیب وہی ترتیب
نہیں ہے جو لوقا اور یوحنا نے اختیار کی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ
پپے پیئس والی مرقس میں فقط چند واقعات مندرج تھے۔ یہ اعتراض بھی
ایک ایسا اعتراض ہے جس پر بحث کرنے کی چنداں ضرورت نہیں
کیونکہ کوئی موجودہ مرقس کو پڑھکر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُس میں مسیح کی زندگی
کے کل واقعات مندرج ہیں۔ ان اعتراضوں سے جو نتیجہ نکالا جاتا ہے
اُس پر بحث ذرا آگے چل کر کی جائیگی۔ ابھی ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ
معترضوں نے متی کی انجیل کو بھی نہیں چھوڑا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ متی
کی انجیل جو پپے پیئس استعمال کیا کرتا تھا اُس انجیل سے جو ہمارے
نئے عہدنامہ میں سب سے پہلے آتی ہے بالکل مختلف تھی۔ ہم نے

اوپر دیکھا کہ پے پیئس متی کی انجیل کی نسبت کہتا ہے کہ وہ خداوند کے Oracles (یعنی کلموں یا باتوں یا کلام) کا مجموعہ ہے - اب اس لفظ کے استعمال سے معترض یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ متی کی انجیل جو پے پیئس کے پاس تھی وہ صرف مسیح کی تقریروں کا مجموعہ تھی - مگر موجودہ انجیل میں جو متی سے منسوب کی جاتی ہے تاریخی حال بھی مرقوم ہے پس موجودہ انجیل وہی انجیل نہیں جسے پے پیئس متی کی انجیل کہتا ہے - اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظ Oracles کے معنوں کو اس طرح محدود کرنا واجب نہیں - کیونکہ جب پولوس یہودیوں کے متعلق یہ کہتا ہے کہ وہ "خدا کے کلام کے امانتدار تھے" تو اُس کا مطلب تمام متبرک نوشتوں سے ہے نہ کہ صرف اُن کلمات سے جو خدا کی زبان سے نکلے - کیونکہ اگر اس قسم کے کل کلمات جمع کئے جائیں تو وہ پُرانے عہد نامے کا ایک خفیف کا جزو بھی نہ نکلیں - پھر جب عبرانیوں کے خط کا مصنف "خدا کے کلام کی پہلی اصول والی" باتوں کا ذکر کرتا ہے تو قرینے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ اُن الٰہی اصولوں کا ذکر کرتا ہے جو انسان اور خدا کے باہمی رشتے کے اُس کل بیان سے مترشح ہیں جو یہودیوں کے نوشتوں میں قلمبند ہے - اسی طرح روم کا کلیمنٹ جو پہلی صدی میں موجود تھا اس لفظ (Oracles) کو ایسے طور پر استعمال کرتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ اور الفاظ "متبرک نوشتے" آپس میں مترادف ہیں - مثلاً وہ کہتا ہے "پیارو تم نوشتوں کو جانتے ہو - ہاں اچھی طرح جانتے ہو اور تم نے خدا کے کلام (Oracles) کو پڑھا ہے - پھر فیلو پیدائش ۴ : ۱۵ کو "کلام"

(Oracles) کہکر اقتباس کرتا ہے حالانکہ تذکرہ اس مقام میں ایک تواریخی واقعہ کا پایا جاتا ہے۔ وہ مقام یہ ہے :۔" اور خداوند نے قائن پر ایک نشان لگایا کہ جو کوئی اُسے پائے مار نہ ڈالے" اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ پے پیئس خود مقام مذکورہ بالا میں جسے یوسیبئس اپنی کتاب میں اقتباس کرتا ہے خداوند کے کام اور کلام دونوں کے بیان کو" خداوند کے کلام کا بیان" کہتا ہے۔ پس اس لفظ کے وسیع معنوں میں نہ صرف خداوند کی تقریریں بلکہ اُس کی پیدائش اور آزمائش اور معجزوں اور موت اور جی اُٹھنے کا حال بھی داخل ہے۔

پھر یہی بات دکھانے کے لئے کہ جو انجیل ہمارے پاس پائی جاتی ہے اور متی سے منسوب کی جاتی ہے وہ وہی نہیں جو پے پیئس رکھتا تھا۔ ایک اَور اعتراض کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ پے پیئس کہتا ہے کہ متی نے" کلام کو عبرانی میں لکھا"۔ اور ہر ایک جیسا اُس سے ہو سکتا تھا اُس کی تفسیر کیا کرتا تھا۔ اب اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چونکہ ہر کوئی جیسا اُس سے ہو سکتا اُس کی شرح کیا کرتا تھا لہذا پے پیئس کے زمانے میں کوئی مستند ترجمہ اس انجیل کا یونانی میں نہ تھا۔ مگر موجودہ انجیل متی یونانی میں ہے۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ نتیجہ درست نہیں۔ کیونکہ پے پیئس یہ نہیں کہتا کہ" ہر شخص جیسا اُس سے ہو سکتا ہے اُس کی تفسیر کرتا ہے"۔ بلکہ وہ کہتا ہے" جیسا اُس سے ہو سکتا تھا اُس کی تفسیر کیا کرتا تھا" اور اس کا یہ مطلب ہے کہ پے پیئس کے زمانے میں متی کی مستند انجیل یونانی زبان میں موجود تھی اور اُس وقت اُس کی تفسیر کرنے کی ضرورت

نہ تھی جیسی کہ پہلے کی جاتی تھی جبکہ وہ یونانی میں موجود نہ تھی ؂
پس جو جو صحیح نتائج پےپیئس کے بیان سے نکل سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔(۱) جب رسولوں کے دوست اور شاگرد زندہ تھے اُس وقت ہمارے خداوند کی زندگی کا ایک بیان یونانی زبان میں مروّج تھا جو متّی سے منسوب کیا جاتا تھا (۲) اور پےپیئس کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہ بیان پہلے عبرانی میں پایا جاتا تھا ؂

معترض کے سوالوں کا حل خواہ کچھ ہی ہو اس میں شک نہیں کہ اسکے اعتراض بے بنیاد ہیں۔ معترض چاہتا ہے کہ ہم یہ مانیں کہ دوسری صدی کے شروع میں ایک انجیل مروّج تھی جو پےپیئس کے قول کے مطابق مرقس سے منسوب کی جاتی تھی۔ اور جس کے متعلق لوگ مانتے تھے کہ اُس میں خداوند کی زندگی کا وہی احوال درج ہے جو پطرس بیان کیا کرتا تھا۔ جسے پطرس اور یوحنا اور اندریاس کے شاگرد استعمال کرتے تھے۔ معترض چاہتا ہے کہ ہم مانیں کہ وہ انجیل کھوئی گئی اور اُس کی جگہ دوسری صدی کے وسط میں ایک اَور انجیل نے لے لی جو مرقس کی انجیل کہلاتی تھی۔ پھر اسی ایک انجیل کے کھوئے جانے۔ اور اسی نام کی ایک اَور انجیل کے مروّج ہونے پر اکتفا نہیں کی جاتی۔ بلکہ مجبور کئے جاتے ہیں کہ ہم یہ بھی مانیں کہ ایک اَور انجیل تھی جو متّی کی کہلاتی تھی۔ وہ بھی رسولوں کے شاگردوں اور دوستوں کے درمیان مروّج تھی اور متّی کی تصنیف کردہ مانی جاتی تھی۔ مگر دوسری صدی کے شروع میں وہ بھی کھوئی گئی۔ اور ایک اَور دوسری صدی کے وسط میں متّی کے نام سے مشہور ہو کر کلیسیا میں رائج ہوئی۔ پر ہم کو یہ نہیں بتایا جاتا کہ متّی کی اصل انجیل کب اور کس طرح

کھوئی گئی - ہاں معترض چاہتا ہے کہ ہم یہ مانیں کہ نصف صدی کے اندر اندر دو انجیلیں جو مرقس اور متی کی سمجھی جاتی تھیں گم ہوئیں اور اُنکی جگہ دو اور جو ان مصنفوں کی تصنیف نہ تھیں مروّج ہوئیں - اور طرفہ یہ ہوا کہ لوگ ان کو وہی انجیلیں سمجھنے لگے جو گم ہو گئی تھیں - کیا یہ باتیں فضول نہیں ہیں ؟

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصل متی اور مرقس کھوئی تو نہیں گئی تھیں مگر رفتہ رفتہ نئے بیان اور نئی باتیں اُن پر اضافہ ہوئیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ کتابیں بالکل نئی ہو گئیں - یہ دعوےٰ بھی ناممکن ہے - کیونکہ اگر ۱۰۰ء اور ۱۵۰ء کے درمیان ان کتابوں کے نسخے پچاس یا ساٹھ ہوتے اور نیز کوئی ایسی دینی حکومت جاری ہوتی جس کے اختیار سے ان کتابوں کو جمع کرنا اور اُن میں کچھ بڑھا دینا سہل ہوتا تو یہ دعوےٰ جس کے ثبوت میں کسی طرح کی گواہی پیش نہیں کی جاتی کسی قدر ماننے کے قابل معلوم ہوتا - لیکن یہ انجیلیں جابجا اور دُور دُور پھیل گئی تھیں - اور کوئی دینی حکومت یا اختیار موجود نہ تھا جس سے یہ تبدیلیاں وقوع میں آسکتیں - اور اگر یہ کہا جائے کہ پچاس برس کے عرصہ کے اندر یہ تبدیلیاں رفتہ رفتہ وجود میں آئیں تو لازم آئیگا کہ ہر کتاب کے مختلف نسخوں میں طرح طرح کے فرق نظر آئیں - مثلاً اگر مرقس کا ایک نسخہ مرقس کے کسی دوسرے نسخے کے بالمقابل رکھا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ ایک میں اگر سیر بھر تبدیلی ہوئی ہے تو دوسرے میں دو سیر - اور تیسرے نسخہ میں تین سیر اور علےٰ ہذا - یہی حال متی کا بھی ہوتا کیونکہ تبدیلیاں ہر جگہ اور ہر ملک میں اپنے اپنے طور پر علیحدہ علیحدہ ہوتیں - اور پُرانے نسخوں

اور ترجموں کے وسیلے برابر قائم رہتیں۔ مگر درحقیقت اس قسم کی تبدیلیاں کہیں نظر نہیں آتی ہیں۔ البتہ کہیں کہیں کوئی کوئی جملے یا کوئی کوئی ٹکڑا عبارت کا آجاتا ہے (مثلاً یوحنا کی انجیل میں فرشتے کے آنے اور پانی کو ہلانے کا جو ذکر آتا ہے وہ کچھ اسی قسم کا ہے) جو بعض نسخوں میں پایا جاتا اور بعض میں نہیں پایا جاتا۔ مگر اس قسم کے معدودے چند فقرات کا کہیں کہیں پایا جانا اور فوراً ظاہر ہوجانا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ان انجیلوں کی اصل عبارتیں بآسانی اُن چند جملوں اور فقروں سے جو پیچھے داخل ہوئے امتیاز کی جاسکتی ہیں۔ اور اگر کوئی یہ پوچھے کہ یہ جملے یا فقرے کس طرح داخل ہوگئے؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جو باتیں بعض نسخوں کے مالکوں نے اپنی یادداشت کے واسطے حاشیوں پر کہیں کہیں لکھ رکھی تھیں کاتبوں کی سہو سے متن میں داخل ہوگئیں۔ اور اسی طرح کاتبوں کی سہو سے اور کئی غلطیاں بھی وجود میں آئیں۔ مگر جب قدیم نسخوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو وہ سب دور ہوجاتی ہیں۔ پس یہ دعوےٰ کہ ان انجیلوں میں رفتہ رفتہ نئی باتیں بڑھائی گئیں درست نہیں ہے۔

ہم یہ بھی یاد رکھیں کہ یوسیبیئس اپنی کتاب "تاریخ کلیسیا" میں پے پیئس کے اُن مقامات کو جو اوپر درج ہوئے اس واسطے جگہ دیتا ہے کہ اُس کا وہ وعدہ پورا ہو جو اُس نے اس طرح کیا تھا کہ میں جو کچھ قدیم مصنفوں کی کتابوں میں نئے عہدنامے کی اُن کتابوں کے بارے میں جو الہامی مانی جاتی ہیں پاؤنگا اپنی کتاب میں درج کردونگا۔ اب یوسیبیئس کے پاس پے پیئس کی پوری کتاب موجود تھی جس میں سے اُس نے وہ مقامات اقتباس کئے جو ہم اوپر درج کرچکے ہیں۔ اب اگرچہ پے پیئس

کی مرقس اور متی کی انجیلیں انہیں ناموں کی اُن انجیلوں سے جو یوسیبیئس
کے زمانے میں مروّج تھیں مختلف ہوتیں تو یوسیبیئس ضرور اس بات سے
واقف ہو جاتا۔ مگر چونکہ وہ اس امر میں کچھ نہیں کہتا اِس سے ظاہر ہوتا
ہے کہ جن انجیلوں کو پے پیئس متی اور مرقس کی انجیلیں مانتا تھا اُنہیں
کو یوسیبیئس بھی متی اور مرقس کی انجیلیں مانتا تھا۔ پر ہم جانتے ہیں کہ جن
انجیلوں کو یوسیبیئس متی اور مرقس کی مانتا تھا وہ وہی تھیں (اور اس میں
کسی کو کلام نہیں) جو ہمارے نئے عہد نامہ میں درج ہیں ۔

پے پیئس کی کتاب کے جو حصّے یا ٹکڑے یوسیبیئس کی کتاب میں
پائے جاتے ہیں اُن میں تیسری اور چوتھی انجیل کے بارے میں کوئی
اشارہ نہیں پایا جاتا۔ پر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ پے پیئس کی
ساری کتاب میں اُن کی طرف کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا تھا۔ یا کہ اُس نے
اُن میں سے کوئی مکان بھی اقتباس نہیں کیا تھا۔ اور کسی مقام پر تفسیر
نہیں لکھی تھی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یوسیبیئس نے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ
قدیم مصنّفوں کی کتابوں میں جو جو اقتباس اُس کو ملینگے وہ اُن سب کو اپنی
کتاب میں درج کر دیگا۔ اُس نے صرف یہ وعدہ کیا تھا کہ میں اُن کتابوں
کی نسبت جن کی تصنیف پر کسی طرح کی بحث نہیں کی جاتی صرف وہی باتیں
قدیم مصنّفوں کی کتابوں سے اپنی کتاب میں داخل کرونگا جو مجھے دلچسپ
معلوم ہونگی۔ اور ہم جانتے ہیں کہ پہلی چار انجیلوں کی اصلیت پر اُس کے
زمانہ میں کسی طرح کی بحث نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے اُس نے لوقا اور یوحنا
کی بابت کچھ نہ لکھا اور (اُوپر کے مقام اس لئے درج کئے کہ مرقس کی نسبت
اُس کو پے پیئس کا یہ کہنا کہ اُس میں وہی باتیں درج ہیں جن کی منادی

پطرس کیا کرتا تھا دلچسپ معلوم ہوا۔ اور اسی طرح متی کے متعلق یہ بات دلچسپ معلوم ہوئی کہ وہ پہلے عبرانی میں لکھی گئی ؞

پر یوسیبیئس ہم کو بتاتا ہے کہ پے پیئس "یوحنا کے پہلے خط کی گواہیاں کام میں لایا کرتا تھا" اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر پے پیئس یوحنا کا پہلا خط استعمال میں لاتا تھا تو ضرور ہے کہ وہ اسکی انجیل بھی استعمال کرتا ہو۔ اگر وہ اُس کے خط کو اصلی مانتا تھا تو ضرور ہے کہ اُس کی انجیل کو بھی اصلی مانتا ہو۔ کیونکہ یوحنا کا پہلا خط اُس کی انجیل کا ایک ضمیمہ ہے۔ یا یوں کہیں کہ جن مسائل اور تعلیمات کا ذکر اُس کی انجیل میں آتا ہے وہی اُس کے خط میں مشرح طور پر بیان کی گئی ہیں۔ پس اُس کی انجیل اور اُس کا خط ایک دوسرے سے جدا نہیں کئے جاسکتے۔ کیونکہ ایک جان اور ایک تن ہیں ؞

پر پے پیئس کے بیان سے انجیلوں کے بارے میں جو شہادت ملتی ہے وہ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ متی کی انجیل کو "کلام" اور مرقس کی انجیل کو "خداوند کے کلام کا بیان" کہتا ہے ؞

ہم جانتے ہیں کہ پولوس یہودیوں کے نوشتوں کو کلام کہتا ہے۔ اور فیلو جیسا اوپر دکھایا گیا اُس اقتباس کو جو پیدائش کی کتاب سے کرتا ہے "کلام" کہتا ہے۔ اور روم کا کلیمنٹ پرانے عہد نامہ کے نوشتوں کو "کلام" بتاتا ہے۔ پس جب پے پیئس متی اور مرقس کی انجیلوں کو "کلام" کہتا ہے تو انہیں وہی درجہ اور اختیار منسوب کرتا ہے جو پرانے عہد نامے کی کتابوں سے خاص تھا ؞

اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ اُس کی شخصی رائے تھی۔ کیونکہ اس

قسم کی شخصی رائے رکھنا ممکن نہ تھا۔ پس یہ نام ان کتابوں کو رسولوں کے شاگردوں اور دوستوں نے دیا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ مسیحی جو رسولوں کے شاگردوں اور دوستوں کو جانتے تھے وہ ان کتابوں کو "کلام" (Oracles) ہی کہکر پکارتے تھے۔ پے پیئس نے اسی کلام پر تفسیر لکھی تھی*

اب تعجب ہے کہ یہ کتابیں جن کو رسولوں کے دوست اور شاگرد ایسی محبت اور عزت سے دیکھتے تھے۔ جن کے الہامی ہونے کے وہ دل وجان سے قائل تھے۔ جن کو وہ پاک نوشتے سمجھتے تھے۔ ایک ہی پشت کے عرصہ کے اندر بالکل گم ہو جائیں اور ایسے طور پر گم ہو جائیں کہ اُن کا کوئی سراغ باقی نہ رہے۔ اور اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اسی عرصے میں دو اور کتابیں برپا ہوں جو متی اور مرقس کی انجیلیں کہلائیں اور وہی عزت اور اختیار جو گم شدہ انجیلوں کو حاصل تھا اُن کو دیا جائے۔ کون اس بات کو مانیگا کہ وہ کلیسیائیں جو دُنیا کی مختلف جگہوں میں پائی جاتی تھیں مثلاً روم اور کارتھج اور اسکندریہ اور یروشلم اور ایشیائے کوچک اور جنوبی فرانس میں موجود تھیں۔ اُنہوں نے خاموشی اور بے پروائی سے اصل کتابوں کو دُنیا سے اُٹھ جانے دیا اور اُن کے عوض بالکل نئی اور جعلی کتابوں کو قبول کیا۔ اور سب کے سب ماننے لگ گئے کہ یہ نئی کتابیں وہی پُرانی کتابیں ہیں جنہیں متی اور مرقس نے تحریر کیا تھا؟ یہ ماننا ناممکن ہے۔ ہماری ناقص رائے میں اُن معجزوں کا ماننا جو نئے عہد نامہ میں درج ہیں زیادہ آسان ہے بہ نسبت

ہائر کریٹی سزم کے نتیجوں کے ماننے کے۔ ہمارے خیال میں متی اور مرقس کی انجیل جو ہمارے نئے عہد نامے میں درج ہے جسے پے پیئس کے زمانے میں رسولوں کے شاگرد اور دوست "خداوند کا کلام" مانا کرتے تھے وہی انجیلیں ہیں جن میں ہمارے خداوند کے کام اور کلام کا وہی حال مندرج ہے جو پطرس اور یعقوب اور اندریاس اور فیلبوس اور توما اور متی اور یوحنا بیان کیا کرتے تھے ؁

پالیکارپ

پالیکارپ جو سمرنا کا اسقف تھا ۱۵۵ء یا ۱۵۶ء میں شہید ہوا۔ جب وہ رومی حاکم کے سامنے حاضر ہوا تو اس کو حاکم نے بار بار کہا کہ تم اپنے عقیدے کو چھوڑ دو اور میں تمہیں چھوڑ دونگا۔ اگر تم مسیح پر لعنت بھیجو اور حلف اٹھاؤ تو میں تمہیں آزاد کر دونگا۔ اس پیر مرد نے یہ جواب دیا "میں چھیاسی سال سے اس کی خدمت میں مصروف ہوں۔ اور اس نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ میں کس طرح اپنے بادشاہ اور نجات دہندے کی تکفیر کروں" ان الفاظ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ مطلب تھا کہ میں پیدائش ہی سے مسیحی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۷۰ء میں پیدا ہوا ہوگا۔ اور اس کے ماں باپ غالباً مسیحی ہونگے۔ بہرحال اتنا خوب روشن ہے کہ اس نے بچپن میں بپتسمہ پاکر مسیحی مذہب کی تعلیم پانا شروع کیا ؁

اُس کی پیدائش سے قریبًا پندرہ یا بارہ سال پیشتر پولوس رسول افسس میں رہتا تھا۔ اور جب وہ پیدا ہوا اُس وقت تمام ایشیائے کوچک میں اِس رسول کی خدمات کی یاد تروتازہ ہوگی اور ناممکن نہیں کہ پالیکارپ کے ماں باپ اور اُس کے دینی استادوں نے اِسی رسول کے وسیلے انجیل کی نعمت حاصل کی ہو۔ اگر پالیکارپ کی پیدائش کا سال ۷۰ء مانا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یوحنّا اور فیلبوس اور غالبًا اندریاس اور دیگر اشخاص بھی جو خداوند مسیح کے شاگردوں میں سے تھے اِسی وقت کے آس پاس ایشیائے کوچک میں وارد ہوئے۔ یوحنّا نے اپنی باقیماندہ زندگی کا بہت سا حصّہ افسس میں کاٹا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت یوحنّا فوت ہوا اُس وقت پالیکارپ تیس برس کا تھا ٭

پالیکارپ یوحنّا سے بخوبی واقف تھا۔ آپ کو ائرنی اُس کا وہ خط یاد ہوگا جو اُس نے اپنے دوست فلاری نس کو لکھا تھا تاکہ اُسے وہ وقت یاد دلائے جب وہ اور فلاری نس مل کر پالیکارپ کی باتیں سُنا کرتے تھے۔ ہم نے ائرنی اُس کے بیان میں اُس خط کو درج کردیا ہے ائرنی اُس اس خط میں کہتا ہے کہ میں وہ جگہ بتا سکتا ہوں جہاں بزرگ پالیکارپ تقریر کرتے وقت بیٹھا کرتا تھا۔ میں اُس کا آنا جانا۔ اُس کا طرز معاشرت۔ اُس کی شکل وصورت بتا سکتا ہوں اور اُن تقریروں کا مرقع کھینچ سکتا ہوں جو وہ لوگوں کے سامنے بیان کیا کرتا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے یاد ہے کہ کس طرح پالیکارپ یوحنّا سے اور دیگر بزرگوں سے جو خداوند سے واقف تھے ملتا تھا اور کس طرح اُن کی باتیں بیان کیا

کرتا تھا۔ اور کس طرح اُن باتوں کو جو وہ اُن سے خداوند اور اُس کے معجزوں اور تعلیم کی نسبت سُنا کرتا تھا پاک نوشتوں کے مطابق سُنایا کرتا تھا گویا خیال کرتا تھا کہ میں نے یہ باتیں اُن سے سُنی ہیں جو کلمے کی زندگی کے چشم دید گواہ ہیں ؎

جب بزرگ اِگنیشس سنہ ۱۱۰ء کے قریب روم کو (جہاں وہ شہید ہوا) جاتے ہوئے سمرنا سے گزرا اُس وقت پالیکارپ سمرنا کا اُسقف تھا اور عمر میں غالباً چالیس سال سے زیادہ نہ تھا۔ باقی چالیس برس کے عرصہ میں ایشیا کی تمام کلیسیائیں اُس کی بڑی عزت کرتی رہیں اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہ سمرنا سے روم کی طرف روانہ ہوا تاکہ روم کے اُسقف اَنی سی ٹس کے ساتھ اُس فرق کے متعلق مشورہ کرے جو ایسٹر کے دستور کے بارے میں ایشیائی اور مغربی کلیسیاؤں میں پایا جاتا تھا۔ اس عرصہ میں اُسکی گواہی کے وسیلے کئی اشخاص جو ویلنٹینس اور مارکیان کے پیرو ہو گئے تھے اپنی بدعتی تعلیموں کو چھوڑ کر پھر راہ راست پر آئے۔ پالیکارپ جیسا کہ ہم اُوپر ذکر کر چکے ہیں ۱۵۵ء یا ۱۵۶ء میں شہید ہوا ؎ اَئرنی اُس کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ پالیکارپ نے اِردگرد کی کلیسیاؤں کی تقویت کے لئے کئی خطوط تحریر کئے اور کئی نامہ اپنے بھائیوں کے نام لکھے مگر اُن میں سے صرف ایک اب تک باقی ہے ؎

بزرگ اِگنیشس کو سمرنا سے روانہ ہوئے تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ پالیکارپ نے اور اُسکے ساتھ پریسبٹروں" نے "خدا کی کلیسیا کو جو فلپی میں" پائی جاتی تھی ایک خط لکھا جو اُنہیں کی درخواست کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا۔ اُس میں پالیکارپ نے فلپیوں کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ مثلاً مسیحی خوبیوں اور فرائض

کی طرف توجہ دلائی۔ اُمید کی مضبوطی اور ایمان کے استقلال کے متعلق ہدائت کی۔ اور برداشت اور حلم اور برادرانہ محبت اور دُعا اور روزے کا ذکر کیا۔ لالچ بدگوئی۔ جھوٹی گواہی اور انتقام کی روح سے بچنے کی تاکید کی۔ پھر پرسبٹروں اور ڈیکنوں اور نوجوان مردوں اور عورتوں اور بیواؤں کو بھی کئی نصیحتیں کیں۔ اُس نے اُن کو آگاہ کیا کہ کبھی اُن لوگوں کے پھندے میں نہ پھنسیں جو انہیں صداقت سے دُور لے جانا چاہتے تھے۔ پھر چند غمناک فقرے والنز کے متعلق پائے جاتے ہیں جو کلیسیا کا پرسبٹر تھا مگر گناہ کے چنگل میں گرفتار ہوگیا تھا۔ خط کے آخر میں وہ فلپیوں کو کہتا ہے کہ میں تمہارے پاس بزرگ اگنیشس کے وہ خط بھیجتا ہوں جو اُس نے مجھے اور سمرنا کی کلیسیا اور دیگر اشخاص اور کلیسیاؤں کو تحریر کئے ہیں اور پھر اُن سے درخواست کرتا ہے کہ اگر تمہیں اگنیشس اور اُسکے ساتھیوں کا حال معلوم ہے تو مجھے مطلع کرو۔ معلوم ہوتا ہے کہ پالیکارپ کو یہ خبر تو مل گئی تھی کہ اگنیشس شہید ہوگیا ہے یہ معلوم نہ تھا کہ اُس پر کیا مصیبت آئی اور اُس نے کس طرح اُسے سہا۔

جب ہم پالیکارپ کے خط کو پڑھتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ بڑا دیندار اور سرگرم اور فروتن آدمی تھا جو سب مسیحیوں کی عملی راستبازی اور کلیسیاؤں کی سلامتی کا جویاں تھا۔ پر اِس کے ساتھ اُس کے خط سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ بہت ذہین نہ تھا۔ اور نہ اُس میں اُرجنالیٹی پائی جاتی تھی۔

اُس نے بچپن ہی سے مسیحی تعلیم پائی تھی چنانچہ اُس کے حافظے پر رسولوں کی باتیں نقش تھیں۔ اگرچہ یہ خط جو اُس سے منسوب کیا جاتا ہے بہت ہی چھوٹا سا ہے یعنی عام قسم کے نو چھوٹے چھوٹے صفحوں سے

زیادہ نہیں۔ مگر تاہم لائٹ فٹ صاحب کی رائے کے مطابق اسی چھوٹے سے خط میں قریباً تیس یا چالیس مقامات ایسے پائے جاتے ہیں جو ہمارے نئے عہدنامہ کے کئی مقامات سے یا تو پوری پوری مطابقت رکھتے ہیں یا اُن کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر چارٹرس اپنی کتاب "کینانی سیٹی" (Canonicity) میں اِن مقاموں کو "اقتباس" اور "گونج" کہتے ہیں۔ وہ اِن کی تعداد تیس چالیس سے بہت زیادہ بتاتے ہیں۔ لفظ "گونج" سے اُن کی مراد یہ ہے کہ اِس خط میں بہت ایسے مقامات پائے جاتے ہیں جو نئے عہدنامہ کے کسی محاورے یا کسی جملہ کو یاد دلاتے ہیں ؀

پالیکارپ پولوس کو "مبارک اور جلالی پولوس" کہتا ہے۔ اور اہل فلپی کو وہ خط یاد دلاتا ہے جو پولوس نے اُن کو لکھا تھا۔ اُس کے خط میں کئی مقام ایسے آتے ہیں جن کی نسبت یہ کہنا چاہئے کہ وہ تسلونیقیوں اور گلاتیوں اور قرنتیوں اور رومیوں اور فلپیوں اور کلسیوں اور افسیوں اور تمطاؤس کے دونوں خطوں میں سے اقتباس کئے گئے ہیں یا اِن خطوں کے بعض مقامات سے معنوی مشابہت رکھتے ہیں۔ اُس میں ایک ایسا مقام بھی ہے جو اعمال کے ایک مقام سے پوری پوری مطابقت رکھتا ہے۔ یہوداہ کے خط کی طرف بھی ایک جگہ خفیف سا اشارہ پایا جاتا ہے۔ اور پطرس کے پہلے خط کو تو پالیکارپ بڑی کثرت سے اقتباس کرتا ہے اور اِس کا سبب یہ ہے کہ اس خط نے اُس پر بڑا اثر ڈالا تھا ؀

وہ ایک جگہ خداوند کے یہ الفاظ "روح تو مستعد ہے پر جسم سست ہے"

درج کرتا ہے - اور اُسی صورت میں درج کرتا ہے کہ جس میں وہ متی ۲۶ : ۴۱ - اور مرقس ۱۹ : ۳۸ میں پائے جاتے ہیں - ماسوائے اِس کے اور کئی مقام مقتبس ہیں جن سے پہلی تین انجیلیں یاد آتی ہیں - مثلاً وہ فلپیوں کو تاکید کرتا ہے کہ جو کچھ خداوند نے کہا ہے تم اُسے یاد رکھو - "عیب نہ لگاؤ تاکہ تم پر بھی عیب نہ لگایا جائے - معاف کرو تاکہ تم بھی معاف کئے جاؤ - ترس کھاؤ تاکہ تم پر بھی ترس کھایا جائے - جس پیمانے سے تم ناپتے ہو - اُسی سے تمہارے لئے ناپا جائیگا - مبارک وہ ہیں جو غریب ہیں اور جو راستبازی کے سبب ستائے جاتے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُنہیں کی ہے" یہ سارا مقام خداوند مسیح کے اُن الفاظ سے مرتب کیا گیا ہے جو لوقا ۶ : ۳۶ - ۳۸ و ۲۰ - اور متی ۵ : ۱۰ میں پائے جاتے ہیں - خداوند مسیح کی اور باتیں بھی اُس کے خط میں درج ہیں پر وہ اقتباس کی صورت نہیں رکھتی ہیں - مثلاً وہ کہتا ہے "اگر ہم خداوند سے معافی کے لئے دُعا مانگیں تو لازم ہے کہ ہم بھی معاف کریں - اگر ہم اُس کے نام سے دُکھ اُٹھاتے ہیں تو ہمیں اُس کا جلال ظاہر کرنا چاہیئے - تم اُن کے لئے جو تم کو ستاتے ہیں اور تم سے نفرت رکھتے ہیں - اور جو صلیب کے دشمن ہیں دُعا کرو تاکہ ہر بات میں تمہارا پھل ظاہر ہو اور تم کامل بنو" یہ باتیں اقتباس کی صورت نہیں رکھتیں مگر اُن مقاموں میں شمار کیجا سکتی ہیں جنمیں بقول ڈاکٹر چارٹرس مسیح کے کلام کی صدا گونج رہی ہے ؎

پر اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ چونکہ اُس کے خط میں پہلے مقام کے شروع میں یہ الفاظ آتے ہیں "اُن باتوں کو یاد کر کے جو

خداوند نے تعلیم دیتے وقت فرمائیں"۔ لہذا وہ مقام اقتباس کی صورت رکھتا ہے۔ پر چونکہ (۱) ہماری انجیلوں میں کوئی مقام ایسا نہیں آتا جس میں پالیکارپ کے وہ الفاظ جو وہ مسیح سے منسوب کرتا ہے اُسی ترتیب سے آئے ہوں جس ترتیب سے وہ بیان کرتا ہے۔ اور نہ وہ صورت ہی کسی مقام میں نظر آتی ہے جس صورت میں وہ اُنہیں پیش کرتا ہے (۲) اور چونکہ الفاظ "ترس کھاؤ تاکہ تم پر بھی ترس کھایا جائے"۔ ہماری انجیلوں میں بالکل نہیں پائے جاتے لہذا پالیکارپ ہمارے خداوند کے کلام کے کسی اَور ہی مجموعہ کو استعمال کیا کرتا تھا جو ہماری انجیلوں سے بہت مختلف تھا اور پھر اِس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ وہ ہماری انجیلوں کی معتبری کا بالکل قائل نہ تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ اگر بفرض محال یہ ثابت بھی ہوجائے کہ وہ کوئی اَور ہی کتاب استعمال کیا کرتا تھا جو اب کھوئی گئی ہے۔ یا یہ ثابت ہوجائے کہ وہ اُن کتابوں میں سے کوئی کتاب استعمال کیا کرتا تھا جو لوقا کے مطابق بہت لوگوں نے لکھی تھیں۔ تو تو بھی متی۔ مرقس لوقا اور یوحنا کی انجیلوں کی موجودگی اور معتبری پر کسی طرح کا حرف نہیں آتا۔ لوقا کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس قسم کی کتابیں کلیسیا کے ابتدائی زمانے میں بہت پائی جاتی تھیں۔ پر جب زیادہ مکمل اور معتبر انجیلیں وجود میں آئیں تو اُن کا استعمال بند ہوگیا۔ ممکن ہے کہ جب پالیکارپ بچہ تھا (اور یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ ۸۰ء میں دس برس کا ہوگا) اور جب وقت اُس نے اپنی تعلیم شروع کی اُس وقت اُس نے اِنہیں کتابوں میں سے کسی کتاب کو پڑھا ہوگا اور اُس کے کئی مقاموں کو

حفظ کیا ہوگا۔ پس جب جوانی میں وہ کوئی کتاب یا خط لکھنے بیٹھتا ہوگا تو اُس وقت بچپن کے زمانہ کے یاد کئے ہوئے مقامات اُس کے سامنے آجاتے ہونگے۔ اور چونکہ اُن مقاموں میں اور مستند انجیلوں میں مخالفت نہیں پائی جاتی تھی اس لئے حافظے سے لکھتے ہوئے آسانی کے لئے وہی لکھ دیتا ہوگا۔ کیا ہم انجیل کے نئے ترجمے کے متعلق یہی بات اپنے تجربہ میں نہیں پاتے؟ گو نیا ترجمہ پُرانے ترجمہ کی نسبت بعض بعض باتوں میں بہت بہتر معلوم ہوتا ہے۔ تو بھی ہمیں منادی کرتے وقت اور کتابیں لکھتے وقت وہی آئتیں اور جملے یاد آتے ہیں جو ہم نے چھٹپن میں پُرانے ترجمہ سے حفظ کئے تھے۔

پر ہم تو یہ مانتے ہی نہیں کہ مقام مرقومہ بالا سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پالیکارپ ہماری مروّجہ انجیلوں کو نہیں بلکہ کسی اور کتاب کو استعمال کیا کرتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بعض مسیحی فرائض کو ایک جگہ فراہم کرکے اُن کی تعمیل کی تاکید کرتا ہے۔ اور اِسی طرح بعض بعض وعدوں کو ایک جگہ اکٹھا کرکے مصیبت زدوں کی ہمّت بڑھاتا ہے تاکہ وہ اپنی مصیبتوں کو خوشی سے سہیں۔ وہ اِن نصیحتوں اور وعدوں کو مسیح سے منسوب کرتا ہے اور اِن میں سے بعضوں کو تو اُسی صورت میں بیان کرتا ہے جس صورت میں وہ کسی نہ کسی انجیل میں پائے جاتے ہیں اور بعضوں کا مضمون دوسرے لفظوں میں ادا کر دیتا ہے۔ پر اُس کی یہ حرکت اُس حرکت کے مطابق ہے جو ہر انوار مسیحی مناداوں سے سرزد ہوتی ہے۔ وہ بھی مسیح کے وعدوں اور نصیحتوں کو نہ تو اُسی ترتیب سے بیان کرتے ہیں جس ترتیب سے وہ انجیل میں پائے جاتے ہیں اور نہ حافظہ سے اقتباس

کرتے وقت وہی الفاظ پیش کرتے ہیں جو انجیلوں میں مرقوم ہیں - یہی طریقہ پالیکارپ اختیار کرتا ہے - چنانچہ وہ اُن نصیحتوں کو جو پہاڑی وعظ سے اخذ کی گئی ہیں بیان کرنے سے پہلے کہتا ہے "اُن باتوں کو یاد کرکے جو خداوند نے تعلیم دیتے وقت فرمائیں" - اُسکے یہ الفاظ اُن الفاظ کی خبر دیتے ہیں جن سے مِتّی پہاڑی وعظ کو شروع کرتا ہے "وہ بھیڑ کو دیکھ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور جب بیٹھا اُس کے شاگرد اُس پاس آئے تب وہ اپنی زبان کھول کے اُنہیں سکھلانے لگا" - اب ہم دیکھتے ہیں کہ اُس نے ایک جگہ ایک ہی جملہ میں دو جُدا جُدا مبارکبادیوں کو جمع کردیا ہے - پر جب ہم اُس کے لفظوں کو مِتّی اور لوقا کے ساتھ مقابلہ کرکے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوجاتا ہے کہ جو کچھ وہ اُن برکتوں کے بارے میں کہتا ہے جو دو مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ علاقہ رکھتی ہیں وہ بالکل صحیح ہے - وہ جو غمگین ہیں تسلّی پائینگے - وہ جو حلیم ہیں وہ زمین کے وارث ہونگے - وہ جو راستبازی کے بھوکے اور پیاسے ہیں آسودہ کئے جائینگے - وہ جو دل کے پاک ہیں خدا کو دیکھینگے - وہ جو صلح کرانے والے ہیں خدا کے فرزند کہلائینگے - اس جگہ پہنچ کر دو مبارکبادیاں ایک جملہ میں اکٹھی کی جاتی ہیں اور دونوں کے ساتھ ایک ہی برکت چسپاں کی جاتی ہے - کیا پالیکارپ کا ایسا کرنا انجیلوں کے الفاظ سے مطابقت رکھتا ہے؟ وہ جو غریب ہیں اُن کی نسبت لوقا کہتا ہے کہ خداوند نے یہ فرمایا کہ خدا کی بادشاہت اُنہیں کی ہے - پر جب ہم مِتّی کی انجیل کو پڑھتے ہیں تو وہاں "غریب" کی جگہ "دل کے غریب" پاتے ہیں - اور "خدا کی بادشاہت" کی جگہ "آسمان کی بادشاہت" - چنانچہ لکھا ہے

مبارک وہ جو دل کے غریب ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُنہیں کی ہے۔ پھر متی بتاتا ہے کہ اُس نے یہ بھی کہا مبارک وہ ہیں جو راستبازی کے سبب ستائے جاتے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُنہیں کی ہے۔ اب اِس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا کی بادشاہت یا آسمان کی بادشاہت کا وعدہ خاص دو قسم کے لوگوں کے لیئے کیا گیا ہے۔ اب پالیکارپ بھی اِس وعدے کو اُنہیں دو قسم کے لوگوں سے منسوب کرتا ہے جن سے مسیح نے کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے "مبارک ہیں وہ جو غریب ہیں اور وہ جو راستبازی کے سبب ستائے جاتے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت اُنہیں کی ہے"۔ اور اُس کے الفاظ "ترس کھاؤ تاکہ تم پر بھی ترس کھایا جائے"۔ ایک اَور مبارکبادی کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ مبارک وہ جو رحمدل (ترس کھانیوالے) ہیں کیونکہ اُن پر رحم (ترس) کیا جائیگا۔ پس پالیکارپ کے اقتباس میں کوئی بات ایسی نہیں پائی جاتی جس سے ہم یہ نتیجہ نکالنے کے لیئے مجبور ہوں کہ وہ ہماری انجیلوں سے واقف نہ تھا۔ یا اُنہیں استعمال نہیں کیا کرتا تھا ؛

اُس کے خط میں ایک ایسا جملہ پایا جاتا ہے جو لفظ بہ لفظ ۱۔یوحنا ۴: ۳ سے مشابہت رکھتا ہے "اور ہر ایک روح جو اقرار نہیں کرتی کہ یسوع مسیح جسم میں آیا خدا کی طرف سے نہیں یہی مسیح کی مخالف ہے"۔ اور پھر ایک اَور جملہ ایسا آتا ہے جس میں یوحنا کے پہلے خط کے اسی باب کے ایک اَور جملہ کی بو آتی ہے۔ جب وہ پطرس کے پہلے خط سے ہمارے خداوند کے متعلق یہ الفاظ "وہ آپ ہمارے گناہوں کو اپنے جسم پر لیئے

ہوئے صلیب پر چڑھ گیا" اور "اُس نے گناہ نہ کیا اور نہ اُس کے مُنہ سے کوئی مکر کی بات نکلی"۔ اپنے خط میں درج کرچکتا ہے تو کہتا ہے کہ "اُس نے (یعنی خداوند نے) ہمارے لئے سب باتوں کی برداشت کی تاکہ ہم اُس کے سبب سے زندگی پائیں"۔ اِس میں شک نہیں کہ پالیکارپ کے دل میں اِس وقت یُوحنّا کے یہ الفاظ موجود تھے "خدا کی محبت جو ہم سے ہے اِس سے ظاہر ہوئی کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دُنیا میں بھیجا تاکہ ہم اُس کے سبب زندگی پائیں"۔ (۱۔یُوحنّا ۴: ۹)

لیکن پالیکارپ کے خط میں چوتھی انجیل میں سے کوئی اقتباس نہیں پایا جاتا۔ پر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اُس انجیل سے واقف نہ تھا۔ جس وقت اُس کی اور یُوحنّا کی ملاقات ہوئی اُس وقت اُس کی عمر زیادہ سے زیادہ غالباً پچیس برس کی تھی اور جس وقت یُوحنّا نے اِس دُنیا سے رحلت کی۔ اُس وقت وہ قریباً تیس برس کا تھا۔ وہ یُوحنّا کی بڑی تعظیم کرتا تھا۔ اور بڑی محبّت سے اِس رسول کو دیکھا کرتا تھا۔ مگر چونکہ یُوحنّا کی انجیل پہلی تین انجیلوں سے بہت پیچھے لکھی گئی تھی اور چونکہ پالیکارپ نے اپنے بچپن میں غالباً پہلی تین انجیلوں کو پڑھا اور اُنہیں سے دین عیسوی کے اصول و عقائد کا سرمایہ جمع کیا تھا لہذا وہی باتیں اور وہی خیال جو پہلی تین انجیلوں سے اُس کے حافظے پر نقش ہو گئے تھے لکھتے اور بولتے وقت اُس کے سامنے آجاتے تھے۔ ماسوائے اِس کے یہ بھی ممکن ہے کہ فلپّیوں کو اُنہیں عملی نصیحتوں کی ضرورت ہو جن کا ذکر اُس نے اپنے خط میں کیا ہے۔ اور یُوحنّا کی انجیل کے عالی مضامین کو اِس مختصر سے خط میں داخل

کرنے کی ضرورت نہ دیکھی ہو۔

ہم اِس بات کا انکار نہیں کرتے کہ یُوحنّا کی انجیل اور پہلی تین انجیلوں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ پر ہم اُن نتیجوں کا انکار کرتے ہیں جو معترض اِس فرق سے نکالتے ہیں۔ جن تفاوتوں کی طرف ہماری توجہ کھینچی جاتی ہے یہ ہیں۔ پہلی تین انجیلوں میں اور چوتھی انجیل میں باعتبار وقت کے بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ پہلی تین انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح جھیل گلیل کے ساحلوں اور شمالی اطراف میں کام کرتا رہا۔ پر چوتھی انجیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یروشلم اور جنوبی اطراف میں اپنا کام کرتا تھا۔ پہلی تین انجیلوں کی تعلیم میں کم علم اور کم تہذیب لوگوں کو مؤثر کرنے کی صفتیں پائی جاتی ہیں چنانچہ وہ آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ اور وہ مثالیں بھی جو انکشاف مطالب کے لئے اُن انجیلوں میں استعمال کی گئی ہیں ایسی ہیں جن سے خاص و عام واقف ہیں۔ اور جو تقریریں اُن میں قلمبند ہیں وہ بھی بہت لمبی نہیں بلکہ مضامین جلد جلد بدل جاتے ہیں۔ الفاظ مثالوں اور نظیروں سے پُر اور ایک قسم کی تیزی سے مملو ہے۔ مگر یُوحنّا کی انجیل میں بڑی بڑی لمبی اور مشکل اور پُر راز تقریریں پائی جاتی ہیں۔ پہلی تین انجیلوں میں جو بات مسیح کو مدِّ نظر ہے وہ تہذیب اخلاق ہے مگر چوتھی انجیل میں وہ خلوت و جلوت میں بار بار ایسے پُر راز مسائل بیان کرتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُنہیں نہایت ضروری سمجھتا ہے۔ اور نیز ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اُس میں وہ طرح بطرح اپنے شخصی دعوے پیش کرتا ہے۔ اب اِن فرقوں کو پیش کرکے معترض یہ نتیجہ نکالتے ہیں

کہ اگر یُوحنّا نے مسیح کے کام کا صحیح بیان تحریر کیا ہے تو متی اور مرقس اور لُوقا نے اُس کے مطلب کو بالکل کھو دیا ہے۔ سو وہ کہتے ہیں کہ پہلی تین انجیلوں میں ایک اَور قسم کا مذہب پایا جاتا ہے اور چوتھی انجیل میں ایک اَور قسم کا۔ اور اِسی طرح یہ حجت بھی کی جاتی ہے کہ چونکہ پہلی تین انجیلوں میں غالباً وہی باتیں پائی جاتی ہیں جو درحقیقت مسیح نے سکھائیں گو اُن میں بھی کئی وہمی قصے اور کہانیاں مل گئی ہیں پس ناممکن ہے کہ چوتھی انجیل کو یُوحنّا یا مسیح کے کسی اَور دوست نے لکھا ہو۔ اُنکے زعم میں چوتھی انجیل کو دوسری صدی میں کسی ایسے شخص نے تصنیف کیا جو بڑی لیاقت کا آدمی تھا اور جس کے عقیدے کو ایک ایسے فلسفہ نے رنگین کر دیا تھا جو ازلی خدا کی زندگی کے رازوں سے واقف ہونے کی کوشش کرتا تھا۔

اِن باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ معترض اُن فرقوں کے بارے میں جو پہلی تین انجیلوں اور چوتھی انجیل کے درمیان پائے جاتے ہیں بڑا مبالغہ کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ منصف مزاج آدمی چاروں انجیلوں کے مطالعہ سے فوراً اِس بات سے قائل ہو جاتے ہیں کہ وہ اخلاقی کاملیت جو پہاڑی وعظ کے وسیلے طلب کی جاتی ہے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ نئی۔ وہ روح کی پیدائش وجود میں نہ آئے جس کا ذکر ہمارے خداوند نے نقودیمس سے گفتگو کرتے وقت کیا۔ اور نہ وہ پاکیزگی بغیر اُس میل کے پیدا ہوتی ہے جو ایماندار انسان مسیح کے ساتھ رکھتا ہے جس کی کیفیت ہمارے خداوند نے انگور کے درخت کی تمثیل سے واضح فرمائی۔ جب مسیح اپنے اختیار کا مقابلہ موسےٰ کی

شریعت سے کرتا ہے (متی ۵: ۲۱ و ۲۲ و ۲۷ و ۲۸)۔ جب وہ تھکے اور بڑے بوجھ سے لدے ہوؤں کو اپنے پاس بُلاتا اور یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں تمہیں آرام دونگا۔ (متی ۱۱: ۲۸)۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ باپ نے سب چیزیں میرے اختیار میں کردی ہیں۔ اور بیٹے کو سوائے باپ کے اور باپ کو سوائے بیٹے کے یا اُس شخص کے جس پر بیٹا اُسے ظاہر کرے کوئی نہیں جانتا (متی ۱۱: ۲۷)۔ جب وہ یہ کہتا ہے کہ میں اپنے جلال میں آؤنگا اور میرے ساتھ فرشتے آئینگے تاکہ قوموں کی عدالت کی جائے (متی ۲۵: ۳۱-۴۶)۔ تو وہی عظمت اور وہی بزرگی اپنے کو منسوب کرتا ہے جو یُوحنّا کی انجیل کی شروع آئتوں میں پائی جاتی ہے اور نیز اُس تقریر اور دُعا سے ٹپکتی ہے جو اُس کی زبان سے اُس رات کو نکلی جس رات کہ وہ پکڑوایا گیا۔

ہماری ناقص رائے میں یہ فرق جو پہلی تین انجیلوں اور یُوحنّا کی انجیل میں پایا جاتا ہے یُوحنّا کی انجیل کی اصلیت کو اَور بھی زیادہ ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ سوال برپا ہوتا ہے کہ پالیکارپ نے کس طرح اس انجیل کو قبول کیا؟ اِس میں اور پہلی تین انجیلوں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اِس میں وہ معجزے اور وہ تمثیلیں نظر نہیں آتیں جو پہلی انجیلوں میں قلمبند ہیں۔ اِس کے مضامین اَور ہیں۔ اور اُن کے مضامین اَور۔ پھر یہ کس طرح ہوا کہ باوجود اِن تفاوتوں کے پالیکارپ نے اِس انجیل کو یُوحنّا کی انجیل مانا؟ اِس کا جواب صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ وہ جانتا تھا کہ اس انجیل کو یُوحنّا ہی نے لکھا ہے اور کہ خداوند کے کام و کلام کا جو بیان اِس میں قلمبند ہے وہ وہی ہے جو میں یُوحنّا سے سُنا

کرتا تھا۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ پالیکارپ نے پہلی تین انجیلوں سے مسیحی عقائد کی تعلیم پائی تھی اور کہ عملی اور اخلاقی فرائض کی طرف اُسکی طبیعت بہت مائل تھی۔ مگر پھر بھی وہ ایک ایسی انجیل کو یوحنا کی تصنیف تسلیم کرتا ہے جس کے مضامین اُن کے مضامین سے بہت مختلف ہیں۔ ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ اگر یہ انجیل جس کے مضامین پہلی تین انجیلوں سے ایسے مختلف ہیں پالیکارپ کے نزدیک معتبر نہ ہوتی تو اُسکی مخالفت سے ایشیا کی تمام کلیسیائیں گونج اُٹھتیں۔ اور وہ جعلی مصنف کی مکاری اور دغا شعاری کی دھجیاں بکھیر دیتا۔ جس قدر فرق زیادہ گہرا اور واضح ہوتا اُسی قدر وہ زیادہ مخالفت کرتا۔ پس پالیکارپ کا باوجود ہر طرح کے فرق کے چوتھی انجیل کو قبول کر لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اُس انجیل کا مصنف یوحنا تھا۔

پر اس موقع پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ تمہارا یہ دعوےٰ کہ پالیکارپ پہلی تین انجیلوں سے واقف تھا ایک فرضی دعوےٰ ہے جس پر تم اپنی دلیلوں کی قیاسی عمارت کھڑی کر رہے ہو۔

ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ پالیکارپ پہلی تین انجیلوں سے واقف نہ تھا لہذا وہ اُس کے بعد لکھی گئیں۔ ہم اُس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ اعتراض بھی اُلٹا ہمارے ہی دعوے کی تائید کرتا ہے کیونکہ اگر پالیکارپ کے پاس پہلی تین انجیلیں نہ تھیں اور اُس نے اُن کے نہ ہونے پر بھی چوتھی انجیل کو قبول کر لیا تو یہ اَور بھی تعجب کی بات ہے ہمارا مطلب اُس وقت خوب سمجھ میں آئیگا جب معترض کا مطلب سمجھ میں آجائیگا۔ اُس کا اصل مطلب یہ ہے کہ پالیکارپ کے پاس مسیح

کے کام اور کلام کی بابت جو کتابیں موجود تھیں اُن میں متی اور مرقس اور لوقا کی طرح معجزانہ اور فوق العادت عنصر موجود نہ تھا۔ اگر تھا تو بہت کم تھا۔ اب ہم اُوپر دیکھ چکے ہیں کہ یوحنا اور پہلی تین انجیلوں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ پس اگر مخالفوں کا یہ دعوے صحیح ہے کہ پالیکارپ ایسی کتابیں رکھتا تھا جن میں مسیح کے الٰہی دعوے اور معجزے پہلی تین انجیلوں سے بھی بہت کم ملتے تھے تو خواہ نخواہ یہ نتیجہ نکلیگا کہ پالیکارپ والی کتابیں پہلی تین انجیلوں کی نسبت بھی چوتھی انجیل سے بہت مختلف تھیں۔ اب اگر باوجود اس کثیر فرق کے بھی پالیکارپ نے چوتھی انجیل کو یوحنا کی انجیل مان لیا تو اِس کا کوئی اَور سبب نہیں ہو سکتا سوائے اِس کے کہ وہ چوتھی انجیل کو یوحنا کی تصنیف سمجھتا تھا۔ ورنہ کب ایک ایسی کتاب کو قبول کرتا جو اُس کی کتابوں سے پہلی تین انجیلوں کی نسبت بھی زیادہ فرق رکھتی تھی۔ اب رہی یہ بات کہ کیا وہ یوحنا کی انجیل یا یوحنا کی انجیل کے مضامین سے واقف تھا یا نہیں؟ اگر ہم کہیں نہیں۔ تو سوال لازم آتا ہے کہ پھر یوحنا کی انجیل کو کس نے لکھا؟

جو لوگ کلیسیائی روائت کو نہیں مانتے وہ اُس کی تصنیف کی مختلف تاریخیں تجویز کرتے ہیں۔ مشہور عالم بار جو جرمنی کا باشندہ تھا دعوے کرتا ہے کہ یہ انجیل ۱۷۰ء میں تحریر ہوئی۔ مگر اِس دعوے کی سُبکی فاش کرنے کے لئے جو دلیلیں پیش کی گئی ہیں اُن کے زور کو اہل تحقیق و تنقید نے خوب محسوس کیا ہے۔ اور اب وہ لوگ بھی جو یوحنا کی انجیل کی معتبری کے قائل نہیں اِس تاریخ کی تائید نہیں کرتے بلکہ اُن میں سے کوئی یہ کہتا ہے کہ وہ ۱۵۰ء یا ۱۵۵ء میں

لکھی گئی اور کوئی یہ کہتا ہے کہ نہیں ۱۳۰ سنہ ع میں لکھی گئی ۔

اب فرض کیجیئے کہ وہ ۱۳۰ سنہ ع میں تصنیف ہوئی۔ آئرنی اُس نے پالیکارپ کی تقریروں کو اگر بہت ہی جلد سُنا ہوگا تو ۱۳۵ سنہ ع میں سُنا ہوگا اور اگر اُسے بہت دیر میں سُننے کا اتفاق ہوا تو تو بھی اُس نے ۱۵۰ سنہ ع میں اُس کے کلام سے فیض حاصل کیا ہوگا۔ پر زیادہ غالب یہ ہے کہ وہ ۱۴۵ سنہ ع میں پالیکارپ سے ملاقی ہوا۔ اب اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے ہے کہ اگر یوحنّا کی انجیل اِس سن سے پہلے تصنیف ہو کر شائع ہوگئی ہوتی اور اُس میں خداوند مسیح کے کام اور کلام کا ایسا بیان پایا جاتا جس سے پالیکارپ بالکل واقف نہ تھا اور اگر وہ کتاب یوحنّا سے جو پالیکارپ کا دوست تھا منسوب کی جاتی تو پالیکارپ ضرور اُس کی مخالفت کرتا اور اپنی تقریروں میں لوگوں کی توجہّ اُس جعلی کتاب کی طرف کھینچتا۔ اور آئرنی اُس جو اُس کی باتوں کو غور سے سُننے والا تھا ضرور اِس بات سے آگاہ ہوتا ہاں پالیکارپ ضرور کہتا کہ جو انجیل ۱۳۰ سنہ ع میں تصنیف ہو کر شائع ہوئی ہے اور یوحنّا رسول کی تصنیف بتائی جاتی ہے ماننے کے قابل نہیں کیونکہ اُس میں ایسے معجزے اور ایسے کلمات درج ہیں جو مَیں نے کبھی یوحنّا کی زبان سے نہیں سُنے ۔

پھر فرض کیجیئے کہ یہ انجیل اُس وقت لکھی گئی جب آئرنی اُس ایشیائے کوچک کو چھوڑ کر لیانز کو چلا گیا تھا اور جس وقت اُسے پالیکارپ کا کلام سُننے کا موقع حاصل نہ تھا۔ اِس دعوے سے بھی آئرنی اُس کی گواہی کے زور میں فرق نہیں آتا۔ کیونکہ اگر یہ انجیل ۱۵۵ سنہ ع یا ۱۵۶ سنہ ع سے پہلے کسی وقت شائع ہوتی۔ اور پالیکارپ نے اِسکی

مخالفت کی ہوتی تو آئرنی اس کو لیانز میں بھی خبر پہنچ جاتی۔ کیونکہ ہم اُوپر ایک جگہ دکھا چکے ہیں کہ آئرنی اس کے لیانز میں پہنچ جانے کے بعد بھی ایشیائے کوچک اور جنوبی فرانس کی کلیسیاؤں میں دوستانہ تعلق جاری رہا۔ اور یہ بات کوئی نہیں مان سکتا کہ پالیکارپ کی باتیں سُننے والا فقط آئرنی اس ہی تھا۔ سو جب وہ چلا گیا تو کوئی اور سُننے والا باقی نہ رہا۔

پھر فرض کیجئے کہ یوحنا کی انجیل پالیکارپ کی موت کے بعد شائع ہوئی۔ گو یہ دعوے کرنا ایک ناممکن بات کو فرض کرنا ہے مگر ہم اِس کا بھی جواب دینے کو تیار ہیں۔ اور ہمارا جواب یہی ہے کہ اِس دعوے سے بھی آئرنی اس کی گواہی میں ضعف نہیں آتا۔ اِس بات کو سب مانتے ہیں کہ آئرنی اس چوتھی انجیل کو یوحنا کی انجیل مانتا تھا۔ اُس کی کتابوں میں اِس انجیل کی معتبری کے برخلاف شک وشبہ کی بو تک نہیں آتی۔ پر اُس نے پالیکارپ کو یہ کہتے سُنا تھا کہ میں نے یوحنا رسول اور اُن شخصوں کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے جنہوں نے خداوند مسیح کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ آئرنی اس نے پالیکارپ کو اُن کی باتیں بیان کرتے سُنا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ جو کچھ پالیکارپ نے اُن سے خداوند اور خداوند کی تعلیم اور معجزوں کی بابت سُنا تھا وہ اُس کو ایسا سمجھتا تھا جیسا چشم دید گواہوں کی گواہی اور اُسے بالکل نوشتوں کے مطابق بیان کیا کرتا تھا۔ آئرنی اس کے اِن الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ پالیکارپ نے یوحنا اور دیگر اشخاص سے سُنا تھا وہ اُسے نوشتوں کی طرح سمجھتا تھا اور یہ ہم اُوپر دکھا چکے ہیں کہ آئرنی اس چوتھی انجیل کو

پاک نوشتوں میں شمار کرتا ہے۔ پس پالیکارپ کو جو کچھ یوحنا کی تقریروں سے یاد تھا وہ اُن مضامین اور خیالات کے مخالف نہ تھا جو چوتھی انجیل میں قلمبند ہیں۔ ورنہ کب وہ لوگ جو پالیکارپ کی زبانی یوحنا کی منادی اور تعلیم کا حال سُنا کرتے تھے اِس انجیل کو قبول کرتے اگر اِس میں اور پالیکارپ کی گواہی میں تناقض ہوتا۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ ہم یوحنا اور پالیکارپ اور آئرنی اَس کو ایک دوسرے سے جُدا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ایک ہی زنجیر کی تین کڑیاں ہیں۔ پر یہ بھی سچ ہے کہ جب ہم قدیم بزرگوں کی کتابوں کو کتب خانوں میں گھُس کر دیکھتے ہیں اور اُن کی چھان بین اس لئے کرتے ہیں کہ اُن میں سے موجودہ انجیلوں کی معتبری کے ثبوت میں کچھ سرمایہ بہم پہنچائیں۔ تو ہم اِس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ہم جس بزرگ کی کتاب کی ورق گردانی کر رہے ہیں وہی اکیلا شاہد نہیں ہے۔ بلکہ وہ اُس کی تحریر میں اُن ہزاروں مسیحیوں کی صدا آتی ہے جو اُس کے ہمعصر تھے۔ اور کہ اگر وہ لوگ بھی زندہ ہوتے تو ہم کو اُن سے اِن کتابوں کی نسبت ہزارہا درجہ زیادہ زور آور گواہیاں موجودہ انجیلوں کے بارے میں دستیاب ہوتیں۔ آئرنی اَس جس کی گواہی پر ہم نے اسقدر زور دیا ہے چند سطروں سے زیادہ پالیکارپ کی نسبت نہیں لکھتا۔ پر جب ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ پالیکارپ اور آئرنی اَس اُن لوگوں میں سے ہیں جو اُس زمانہ میں اپنے خداوند کے نقش قدم پر چلتے تھے تو گواہی کا زور بڑھ جاتا ہے۔ پس ہم یاد رکھیں کہ پالیکارپ ہی اکیلا ایک ایسا شخص نہیں جو یوحنا رسول سے مسیح کے معجزوں اور تعلیموں کی کیفیت

سُنا کرتا تھا۔ یُوحنّا سنلہ۶ میں جاں بحق ہوا۔ مگر اُس کی وفات کے تیس یا چالیس برس بعد بے شمار خادمانِ دین اور شرکائے کلیسیا موجود تھے جو یُوحنّا اور اُن بزرگوں سے جنہوں نے مسیح کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا واقف تھے۔ وہ بھی یُوحنّا کی باتوں کو اُسی طرح یاد رکھتے تھے جس طرح پالیکارپ یاد رکھتا تھا۔ اگرچہ اُن کے مبارک نام گُم ہو گئے ہیں۔ پر وہ بھی اپنے زمانے میں مسیح کے وفادار سپاہی تھے۔ اور مسیحی دین کے عقیدوں کی صحت اور معتبری کی حفاظت اور ثبوت میں دل و جان سے کوشاں تھے۔ اور جس طرح پالیکارپ اُس بیان کو جو اُس نے یُوحنّا سے سُنا تھا پیش کیا کرتا تھا اور جس طرح وہ مخالفوں کے برخلاف اُسکی دُرستی کے ثابت کرنے کی کوشش کرتا تھا اُسی طرح وہ کیا کرتے تھے*

اِسی طرح ہم یہ بھی یاد رکھیں کہ پالیکارپ کے معاصرین نے اُس کلام کو جو اُنہوں نے یُوحنّا اور دیگر رسولوں سے سُنا تھا دوسری پُشت کے سپرد کر دیا۔ اور آئرنی اَس اُس دوسری پشت سے علاقہ رکھتا تھا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اِس پُشت کے دَور میں جب ۱۸۵ء میں آئرنی اَس کی کتاب "بدعتوں کے برخلاف" شائع ہوئی اُس وقت یُوحنّا کی انجیل یُوحنّا کی تصنیف مانی جاتی تھی۔ پر اِسی سال کے اندر ایشیائے کوچک کی کلیسیا میں ہزاروں مرد اور عورت موجود تھے جو اگر اس وقت زندہ ہوتے تو خوشی سے گواہی دیتے جو آئرنی اَس نے دی۔ وہ بھی ہم کو آئرنی اَس کی طرح بتاتے ہم کو وہ جگہ یاد ہے جہاں مبارک پالیکارپ تقریر کرتے وقت بیٹھا کرتا تھا۔ ہم اُس کے طرزِ معاشرت سے واقف ہیں۔ ہم اُس کی صورت و شکل کو اور اُن تقریروں کو جو

وہ لوگوں کے سامنے بیان فرمایا کرتا تھا بخوبی یاد رکھتے ہیں۔ ہمیں وہ طریقہ یاد ہے جس کے مطابق پالیکارپ یوحنّا اور اُن لوگوں کی ملاقاتوں کا ذکر کیا کرتا تھا جنہوں نے خداوند کو دیکھا تھا۔ ہم کو یاد ہے کہ جو کچھ اُس نے اُن سے خداوند اور خداوند کے معجزوں اور تعلیموں کی بابت سُنا تھا وہ اُسے چشم دید گواہوں کا بیان سمجھکر مطابق نوشتوں کے بیان کیا کرتا تھا۔ ہاں اِس طرح کی گواہیاں ہم کو اُن میں سے ہزاروں سے ملتیں۔ اور یہ ناممکن ہے کہ وہ لوگ چوتھی انجیل کو خود قبول کرتے یا اَوروں کو قبول کرنے کی اجازت دیتے اگر اُس کے مضامین میں اور اُن باتوں میں جو اُنہوں نے پالیکارپ اور یوحنّا کے دیگر احباب سے سُنی تھیں مطابقت نہ پائی جاتی۔ ہاں اگر وہ بیان جو اُنہوں نے مسیح کے معجزوں اور تعلیموں۔ اور اُس کی عظمت اور جلال کے متعلق پالیکارپ اور دیگر بزرگوں سے سُنا تھا چوتھی انجیل کے برخلاف ہوتا تو وہ اُسے ضرور ردّ کر دیتے۔ پس کون کہہ سکتا ہے کہ یوحنّا کی انجیل یوحنّا کی لکھی ہوئی نہیں؟

خاتمہ

اناجیل کی معتبری اور تواریخی صحت کے ثبوت میں جو دلائل پیش کرنی ہمیں منظور تھیں وہ ہدیۂ ناظرین ہو چکیں۔ مگر ہم ناظرین باتمکین سے ملتمس ہیں کہ وہ اس کتاب کو میز پر رکھنے سے پیشتر ایک مرتبہ پھر سلسلہ وار اُن مضامین پر نظر ڈالیں جو اس کتاب میں قلمبند ہیں۔

ہم نے اس کتاب کو اِس سؤال سے شروع کیا تھا کہ کیا سبب ہے کہ مسیح کے پیرو باوجود اُن سخت حملوں کے جو آجکل مسیحی مذہب پر کئے جاتے ہیں مسیح کا دامن نہیں چھوڑتے؟ لوگ اکثر یہ خیال کیا کرتے ہیں کہ جب تک بائیبل کے نوشتوں کی تواریخی معتبری کا خیال عیسائیوں کے دل میں تازہ ہے اُسی وقت تک وہ اُسے مان رہے ہیں۔ پر جب یہ بنیاد ہل جائیگی اُس وقت اُن کے ایمان کی عمارت بھی گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی۔ گزشتہ چالیس یا پچاس برس کے عرصے میں بائیبل کی کئی کتابوں کی اصلیت پر حملہ کیا گیا ہے۔ بلکہ انجیلوں کو بھی معترضوں نے نہیں چھوڑا۔ اُن کی نکتہ چینیوں کو دیکھکر لوگوں کے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ شائد مسیحی مذہب کے آخری دن آپہنچے ہیں۔ مگر ہم نے اِس کتاب کے شروع میں دکھا دیا ہے کہ ہر سچے مسیحی کا اعتقاد زیادہ تر اُس کے شخصی اور ذاتی تجربہ پر منحصر ہے۔ جب گنہگار انسان گناہوں کی معافی کے لئے خداوند مسیح پر ایمان لاتا ہے تو وہ جلد اس بات کا یقین اپنے دل میں پاتا ہے کہ میرے گناہ بخشے گئے اور اب میں گناہ کے جُرم سے بری ہوں۔ وہ گناہ کی زنجیروں سے رہائی پانے کے لئے اُس کے پاس آتا ہے اور اِس تجربہ سے بہرہ ور ہوتا ہے کہ گناہ کا زور رفتہ رفتہ زائل ہو رہا ہے۔ وہ اُس سے آزمائشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آسمانی قوت مانگتا ہے اور اپنی دُعا کے جواب میں عالم بالا کی قوت سے ملبس ہوتا ہے وہ اُس سے ایک نئی زندگی جو خدا کی زندگی سے مشابہت رکھتی ہے حاصل کرتا اور ایمان کے وسیلے مسیح میں پیوند ہو جاتا ہے اور اُس ازلی اور غیر مرئی برکت

میں جسے "خدا کی بادشاہت" کہتے ہیں دخل پاتا ہے۔ پس اُن انجیلوں کی تواریخی صحت کی نسبت جن میں مسیح کی زندگی کا احوال درج ہے خواہ کوئی کچھ ہی کہے پر مسیحی اُنہیں اِس واسطے مانتا ہے کہ وہ اپنے تجربہ سے جانتا ہے کہ زندہ مسیح بنی آدم کا خداوند اور نجات دہندہ ہے۔

ہم نے یہ بھی دکھایا کہ مسیحی خداوند مسیح کے احوال کو جو کہ انجیلوں میں قلمبند ہے اِس واسطے قبول کرتے ہیں کہ اُس میں وہ ساری صفتیں موجود ہیں جن کے معائنہ سے انسان کی وہ طبعی اور ذاتی خاصیتیں جو ذات باری کی حضوری کو محسُوس کر سکتی ہیں بول اُٹھتی ہیں کہ انجیلی بیان سچّا اور صحیح ہے۔ پس وہ جو مسیح کو مانتے ہیں اِس لئے مانتے ہیں کہ وہ خدا کو اُس میں دیکھتے ہیں۔ وہ اُس کے معجزوں کے ثبوت تلاش نہیں کرتے کیونکہ وہ خود ایک عظیم معجزہ ہے۔ یا یوں کہیں کہ وہ اُن تمام معجزات پر جو انجیلیں اُس سے منسوب کرتی ہیں فائق ہے۔ پس انجیلوں کے مصنّفوں کی نسبت جو بحث کی جاتی ہے وہ سب سے مُقدم سوال نہیں۔ اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ انہیں تیسری یا چوتھی پشت کے لوگوں نے تحریر کیا ہے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ اُن میں جو بیان مندرج ہے وہ درحقیقت صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ مسیح کی شان کے برخلاف نہیں۔ پس نہ ہم اِن انجیلوں کو قدیم زمانہ کے مسیحیوں کی مجذوبانہ تعظیم کا مبالغہ کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ اُنہیں جھوٹ کی ایجاد تصوّر کر سکتے ہیں۔ اور وجہ اِس کی یہ ہے کہ اُن میں ازلی خدا کی زندگی کا نور چمک رہا ہے۔ ایک بزرگ

نے کیا خوب کہا ہے :۔

" اگر ہم نئے عہدنامہ کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیں کہ انجیل کی محافظت کے لئے کون شخص لڑنے کے لئے تیار ہے تو ہم کو یہ کہنا پڑیگا کہ انجیل کا محافظ وہ شخص ہے جو روح کی تلوار یعنی خدا کے زندہ کلام سے مسلّح ہے۔ جو جان اور روح اور بند بند اور گودے گودے کو جدا کر کے گزر جاتا ہے اور دل کے خیالوں اور ارادوں کو جانچتا ہے۔ یہ کلام اُس کے ہاتھ میں اس طرح کام کرتا ہے جس طرح آسمانی بجلی کام کرتی ہے۔ اُس کی اندرونی روح اُس کو تیز کرتی ہے۔ وہ گنہگار کے دل میں سے تلوار کی طرح پھر جاتا ہے۔ اُس کی ضمیر کو گناہ سے قائل کرتا ہے۔ اور خدا کے قدموں میں اُسے گرائے رکھتا ہے۔ تاوقتیکہ وہ جو ایمان لاتے ہیں اُس کو قبول نہ کریں۔ وہ اُسے انسان کا کلام سمجھکر قبول نہیں کرتے بلکہ اس لئے کہ وہ سچ مچ اُسے خدا کا کلام جانتے ہیں۔ اس کلام کی تلوار کا حملہ فقط ضمیر اور روح پر ہوتا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ نہائت مؤثر ہوتا ہے۔ یہ کلام اُن طاقتوں پر حملہ آور نہیں ہوتا جو نکتہ چینی کا کام کرتی ہیں۔ اِن طاقتوں کے قائل کرنے میں روح کارگر نہیں ہوتی۔ وہ ہتھیار جس سے پولوس خداوند کی لڑائیاں لڑا کرتا تھا یہی کلام کی تلوار تھا۔ پر جب زمانۂ حال میں یہ لڑائی نظر سے گزرتی ہے تو ہم کیا دیکھتے ہیں؟ یہ کہ مطالعہ کے کمرے میں ایک میز بچھی ہوئی ہے جس پر مختلف زبانوں کی کتابیں پڑی ہیں۔ اور ایک عالم شخص بیٹھا تواریخی اور علمی معاملات پر لکھ رہا ہے۔ کہیں تے سی ٹش

اور پلینی کے حوالے دے رہا ہے۔ کہیں اس بات کو ثابت کر رہا ہے کہ یوسیفس غیر معتبر نہیں بلکہ ایک معتبر مؤرخ ہے۔ کہیں یہ دریافت کرتا ہے کہ کیا مکاشفات اور چوتھی انجیل کی یونانی ایک ہی مصنّف کے قلم سے نکلی ہے۔ یا نہیں۔ کہیں جسٹن شہید اور آئرنی اس کے وسیلے اس بات کی تحقیقات کرتا ہے کہ کیا انجیلیں لوگوں کی ایجاد اور تصنّع سے پیدا ہوئی ہیں یا حقیقت میں ابتدا ہی سے ایسی ہیں جیسی اب ہمارے پاس موجود ہیں۔ کہیں فیلو اور پلاٹی نس کا مقابلہ یوحنا اور پولوس کے ساتھ کر رہا ہے۔ غرضیکہ ہم اُس کو قابل تعریف صورت میں (خواہ کامیاب ہو نا نہ ہو) لوکل تاریخ۔ آیات کی نکتہ چینی فلسفہ کی تاریخ۔ منطق (یا شہادت کے دعوے)۔ فیزیالوجی۔ ڈیمنالوجی اور دیگر علوم کی تحقیقات میں مصروف دیکھتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ علوم نہائت ضروری ہیں مگر نہائت مشکل بھی ہیں۔ لہذا ان میں سے کوئی بے علموں کے لئے فائدہ مند نہیں۔ بلکہ سب کے سب اُس احاطہ سے جس میں روح کام کرتی ہے دور ہیں"۔

لوگ سوچتے ہیں کہ جب تک انجیلوں کی اصلیت کا مقدمہ فیصل نہ ہو تب تک انجیل کی تاثیر ملتوی رہیگی۔ ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ مذکورہ بالا علوم سے مدد لینا اور کلام الٰہی کی درستی اور تواریخی صحت کو پایۂ ثبوت تک پہنچانا بُرا نہیں بلکہ نہائت عمدہ کام ہے۔ پر یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ قدیم رسول اور اُن کے دوست اور شاگرد ان علوم سے واقف نہ تھے۔ اُنہوں نے اپنی روحانی ضرورتوں کو محسوس کیا اور دیکھا کہ مسیح ان ضرورتوں کو رفع کر سکتا ہے۔ وہ اُس پر ایمان لائے

اور ہمیشہ کی زندگی کے وارث ہوئے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ
بحث کا بازار گرم ہے۔ اور مخالف طرح طرح کے اسلاح سے مسلح ہو کر
مسیحی مذہب کی اِن متبرک کتابوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ مگر پھر بھی
انجیل کی منادی بند نہیں ہوئی۔ ہر ملک میں مسیح کا نام سُنایا جاتا ہے
پس وہ تاثیریں جو اُس سے نکلتی ہیں برابر کام کر رہی ہیں۔ اور مسیحی
اُن کو اپنے تجربوں میں محسُوس کرتے ہیں۔ پس یہ کہنا بیجا نہیں کہ
جو لوگ دراصل لوکل تاریخ۔ آیات کی نکتہ چینی اور منطق اور فیزیالوجی
اور ڈیمنالوجی کی چھان بین میں لگے ہوئے ہیں وہ وہ نہیں جو اِن
تجربوں سے بہرہ ور ہیں بلکہ زیادہ تر وہ ایسے لوگ ہیں جو شک کے
پنجہ میں مبتلا ہیں۔ پس انجیلوں کی تصنیف اور قدامت کے اہم
مسئلہ پر خواہ کیسی ہی بحث کی جائے۔ اور کیسے ہی سخت سے
سخت حملے کئے جائیں۔ تاہم زندہ مسیح اپنے لوگوں کے درمیان
ابدالآباد راج کرتا رہیگا اور اُس کا کلام گنہگاروں کی ضمیر کو چھیدنے
اور دلی بے چینی اور بے آرامی سے بچنے کے لئے حقیقی نجات کا
راستہ دکھانے سے باز نہ آئیگا۔

پھر ہم یہ بھی دکھا چُکے ہیں کہ کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی جس کی
بنا پر ہم یہ کہیں کہ متی اور مرقس اور لوقا اور یوحنا کی انجیل کو متی اور
مرقس اور لوقا اور یوحنا نے نہیں لکھا۔ جو شہادتیں بیان کی جا چکی
ہیں اُن کا خلاصہ مطلب پھر رقم کرنا گویا اُنہیں باتوں کو دوبارہ لکھنا
ہے۔ لہٰذا ہم یہ کہہ کر اس مضمون کو بند کرتے ہیں کہ جو گواہیاں کتاب
میں درج ہو چکی ہیں۔ اُن کو پڑھکر کوئی منصف مزاج اور صداقت دوست

آدمی انجیلوں کی صحت پر شک نہیں لاسکتا۔ خداوند اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ساتھ ہو اور اُنہیں اپنی برکت سے مالا مال فرمائے ؂

فہرست کتب جدید

تاریخ بائبل - مصنفہ ڈاکٹر بلیکی صاحب - جس میں بائبل کے مفصل اور تاریخی حالات اور دیگر اقوام کی تاریخیں جن کا اُن میں ذکر آیا ہے دی گئی ہیں - صفحہ ۵۵۰ قیمت ۶؎

الہام بائبل - از ڈاکٹر پیٹرسن سمائتھ جس میں الہام بائبل کی ماہیت اور حیثیت پر مفصل مدلل اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - قیمت ۱۲؍

یسوع مسیح کی گرفتاری اور موت - جس میں علاوہ تاریخی حالات کے اخلاقی نصائح بھی نکالے گئے ہیں اور خاص کر صلیب کے ساتوں کلموں پر جو خداوند مسیح کی زبان سے نکلے مفصل بحث کی ہے - علم دوست اصحاب کے لئے نہائت مفید ہے - از ڈاکٹر اسٹاکر صاحب - قیمت ۱۲؍

حیات المسیح - یسوع مسیح کی زندگی اور اُس کے کاموں اور تعلیمات پر بحث کی گئی ہے - قیمت ۱۲؍

مسیح کا نمونہ - مصنفہ ڈاکٹر اسٹاکر صاحب - جس میں مسیح کی زندگی کے ہر ایک پہلو کو لے کر یہ دکھلایا گیا ہے کہ کس طور سے مومن زندگی کے تمام تعلقات میں اپنی زندگی کو خداوند یسوع مسیح کے نمونے پر ڈھال سکتا ہے - نہائت دلچسپ کتاب ہے - قیمت ۸؍ - مجلد ۱۲؍

مسیح کی پیروی - یہ نہائت مشہور کتاب ہے - دُنیا کی جتنی زبانوں میں بائبل کا ترجمہ ہوا ہے قریبًا اُتنی ہی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی موجود ہے - ایک عاشق اپنے معشوق حقیقی کے سامنے اپنے دل کا حال کھول کر بیان کرتا اور اُس کے شیریں کلام سے حظ اُٹھاتا ہے - جو شخص ایک دفعہ اس کتاب کو پڑھتا ہے - اُس کا ایسا گرویدہ ہو جاتا ہے کہ اُسے ہمیشہ حرزِ جان بنا کر رکھتا ہے - بہت سے غیر مسیحی اصحاب جن کو عشق الٰہی کا مزہ پڑ چکا ہے اُس کی

حیات بخش تعلیم سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ قیمت مجلد ۸ر ؂

روح القدس سے معمور زندگی ۔ مصنفہ پادری مکنیل صاحب۔ جس میں بڑے پُرزور دلائل اور کتاب مقدس کے حوالوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہر ایک مسیحی کا حق اور فرض ہے کہ روح القدس سے معمور ہوکر روحانی صفات سے ملبّس ہو۔ روحانی زندگی کے متعلق اُس کے مطالعہ سے گہرے سبق حاصل ہوتے ہیں۔ قیمت ۴ر ؂

مکتب مسیح میں دُعا کی تعلیم ۔ مصنفہ پادری انڈریو مرے صاحب جس میں دُعا کے متعلق ہر ایک پہلو سے بحث کرنے کی عملی ہدایات درج کی ہیں۔ مہینہ کے ہر روز کے لئے ایک سبق ہے۔ قیمت ۶ر۔ سٹف کور ۸ر۔ مجلد ۱۲ر ؂

طریق تسلیم ۔ مصنفہ پادری انڈریو مرے صاحب جس میں اپنے آپ کو رضائے الٰہی کے تابع کرنے اور اپنا سب کچھ اُسی کے حوالے کرنے کی نسبت عملی طور پر بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۶ر۔ سٹف کور ۸ر۔ مجلد ۱۲ر ؂

مسیحی مسافر کا احوال ۔ مصنفہ مشہور جان بنین صاحب۔ اس میں ایک خواب کے پیرایہ میں انسان کی رُوحانی زندگی کا احوال۔ گناہ سے تائب ہونے کے وقت سے لے کر آسمانی راحت میں داخل ہونے کے وقت تک مع اُن تمام مشکلات کے جو اس روحانی سفر میں ایمانداروں پر وارد ہوتی ہیں نہائت دلچسپ طور پر بیان ہوا ہے۔ جس کے مطالعہ سے ہر مذہب کا آدمی روحانی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ حصہ اول ۶ر۔ حصہ اول و دوم مکمل ۱۲ر۔ کپڑے کی جلد مع تصاویر رنگین حصہ اول عہ۔ حصہ اول و دوم یعنی مکمل عاً ؂

ابن حور ۔ یعنی داستان مسیح۔ یہ ایک مشہور ناول کا ترجمہ ہے۔ جس میں مسیح کے عہد کے واقعات کا نہائت دلچسپ بیان ہے۔ گویا اُس زمانہ کا فوٹو سمجھئے۔ قیمت ۸ر مجلد ۱۲ر ؂

شہزادہ بن داؤد ۔ یہ پہلی صدی عیسوی کا ایک دلچسپ تاریخی ناول ہے۔ جس میں خطوط کے پیرائے میں مسیح کے عہد اور زندگی اور تعلیم کے حالات درج ہیں۔ دو حصے۔ قیمت عہ ؂

درخواستیں اسسٹنٹ سکرٹری پنجاب رلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور کے نام آنی چاہئیں